اُردو کا کلاسیکی ادب
کُلّیاتِ آتش
جلد اوّل
از
خواجہ حیدر علی آتش
مُرتّبہ
سیّد مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی
مجلسِ ترقّیٔ ادب ۔ لاہور

آتش کا نسب نامہ خواجہ عبداللہ احرار تک پہنچتا ہے ۔ بزرگوں کا وطن بغداد تھا جو وطنِ قدیم چھوڑ کر دہلی میں آ بسے ۔ آتش کے والد خواجہ علی بخش دہلی سے فیض آباد چلے گئے اور محلہ مغل پورہ میں سکونت اختیار کر لی ۔

مختلف بیانات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آتش ۱۱۹۲ھ میں فیض‌آباد میں پیدا ہوئے اور چہار شنبہ ۲۵ محرم ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۸۴۶ع کی صبح کو اپنے مکانِ مسکونہ واقع لکھنؤ میں جاں بحق ہوئے ۔

ہمارے تمام تذکرہ نگاروں نے آتش کو محبوب و مقبول شاعر لکھا ہے ۔ آتش کی زندگی اور ان کے فن کا مطالعہ عمیق نظر سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آتش واقعی اُردو غزل کے عظیم استاد اور قابلِ احترام شاعر ہیں ۔ مولانا محمد حسین آزاد ان کی سیرت اور کردار کا تجزیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"زمانے نے ان کی تصاویرِ مضمون کی قدر ہی نہیں کی بلکہ پرستش کی ۔ مگر انھوں نے اس کی جاہ و حشمت سے ظاہر آرائی نہیں چاہی ۔ نہ امیروں کے درباروں میں جا کر غزلیں سنائیں ، نہ ان کی تعریفوں میں قصیدے کہے ۔ ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں ، جس پر کچھ چھت کچھ چھپر سایہ کیے تھے ، بوریا بچھا رہتا تھا ۔ اس میں ایک لُنگ باندھے صبرو قناعت کے ساتھ بیٹھے رہتے ۔ اور عمرِ چند روزہ کو اس طرح گزار دیا جیسے کوئی بے نیاز و بے پروا فقیر تکیے میں بیٹھا ہو ۔"

کلیات آتش جلد اول

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : مئی ۱۹۷۳ع

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظمِ مجلسِ ترقیٔ ادب ، لاہور

طابع : سید ظفر الحسن رضوی

مطبع : ظفر سنز پرنٹرز ، کوپر روڈ ، لاہور

سرورق وغیرہ : مطبعِ عالیہ ، ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : اٹھارہ روپے

بعونِ صانعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۱۲۶

اردو کا کلاسیکی ادب

کلیاتِ آتش

جلد اوّل

مرتبہ

سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲ - نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

انتساب

جناب پروفیسر سیّد وقار عظیم صاحب
کے نام ، جن کی شخصیّت اور فن کا
میں احترام کرتا ہوں

سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

فہرست

مقدمہ : از مرتب - - - ۱ تا ۴۴

ردیف الف

۱ - حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا - - ۴۷
۲ - حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا - - - ۴۸
۳ - محبّت کا ترا بندہ ہر اک کو اے صنم پایا - - ۵۰
۴ - کیا دادخواہ ہو کوئی اس کے قتیل کا - - ۵۱
۵ - آئنہ سینۂ صاحب نظراں ہے، کہ جو تھا - - ۵۳
۶ - اے جنوں دشتِ عدم کے کوچ کا ساماں کیا - ۵۴
۷ - چاندنی میں جب تجھے یاد اے مہِ تاباں کیا - ۵۵
۸ - غبارِ راہ ہو کر چشمِ مردم میں محل پایا - - ۵۶
۹ - مری آنکھوں کے آگے آئے گا کیا جوش میں دریا - ۵۸
۱۰ - دل چھٹ کے جاں سے گور کی منزل میں رہ گیا - ۵۸
۱۱ - سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا - - ۵۹
۱۲ - بیمارِ عشق رنج و محن سے نکل گیا - - ۶۱
۱۳ - جگر کو داغ میں مانندِ لالہ کیا کرتا ؟ - - ۶۲
۱۴ - ایک دن فرصت جو میں برگشتہ قسمت مانگتا - ۶۳
۱۵ - وحشت آگیں ہے فسانہ مری رسوائی کا - - ۶۵
۱۶ - اے فلک کچھ تو اثر حسنِ عمل میں ہوتا - - ۶۶
۱۷ - خاک میں مل کے بھی میں اس کو نہ دشمن سمجھا - ۶۷

۱۸ - یار کو میں نے ، مجھے یار نے سونے نہ دیا - - ۶۹
۱۹ - ہوا ہے عشق ہم کو اس کے حسنِ پاک سے پیدا - ۷۰
۲۰ - کام کرتی رہی وہ چشمِ فسوں ساز اپنا - - - ۷۲
۲۱ - غم نہیں ، گو اے فلک رتبہ ہے مجھ کو خار کا - ۷۳
۲۲ - شہر کو نالوں نے مجھ مجنوں کے صحرا کر دیا - ۷۵
۲۳ - تصور ہر نفس ہے پیشِ چشم اس روے روشن کا - ۷۶
۲۴ - ادب تاچند اے دستِ ہوس! قاتل کے دامن کا - ۷۷
۲۵ - آشنا گوش سے اس گل کے سخن ہے کس کا - - ۷۹
۲۶ - روزِ مولود سے ، ساتھ اپنے ہوا غم پیدا - - - ۸۰
۲۷ - توڑ کر تار نگہ کا سلسلہ جاتا رہا - - - - ۸۲
۲۸ - حشر کو بھی دیکھنے کا اس کے ارماں رہ گیا - ۸۲
۲۹ - کوئی عشق میں مجھ سا افزوں نہ نکلا - - - ۸۴
۳۰ - تیری کاکل میں پھنسا ہے دل جوان و پیر کا - - ۸۵
۳۱ - عالمِ منطق مصوّر ہو تری تصویر کا - - - ۸۶
۳۲ - قد صنم سا اگر آفریدہ ہونا تھا - - - - ۸۹
۳۳ - دکھایا آئینہ فکر نے جب ، صفاے آبِ درِ سخن کا - ۹۰
۳۴ - بلبل گلوں سے دیکھ کے تجھ کو بگڑ گیا - - - ۹۱
۳۵ - کرم کیا جو صنم نے ستم زیاد کیا - - - - ۹۲
۳۶ - بہ انفعالِ گنہ سے میں آب آب ہوا - - - - ۹۴
۳۷ - سبزہ بالاے ذقن دشمن ہے خلق اللہ کا - - - ۹۵
۳۸ - فرش ہے اے یار خاکِ دوست و دشمن زیرِ پا - ۹۶
۳۹ - اگرچہ پاسِ محبّت سے ترکِ شیون تھا - - - ۹۸
۴۰ - تن سے بارِ سرِ آمادۂ سودا اترا - - - - ۹۹
۴۱ - جب کہ رسوا ہوئے انکار ہے سچ بات میں کیا - ۱۰۰

۴۲ - دل شہید رہِ داماں نہ ہوا تھا ، سو ہوا - - ۱۰۱
۴۳ - آگ پر رشکَ سے میں چاک گریباں لوٹا - - ۱۰۳
۴۴ - خیال آیا جو عشقِ زلف میں دل کی تباہی کا - - ۱۰۳
۴۵ - کشتہ اے یار ہوں میں تیری جفاکاری کا - - ۱۰۵
۴۶ - دوستی دشمن کی مژدہ ہے اجل کے خواب کا - - ۱۰۶
۴۷ - زلف زیبا ہے قریبِ رخِ جاناں ہونا - - - ۱۰۷
۴۸ - نسق میں ممکن نہیں ہونا بخیر انجام کا - - - ۱۰۸
۴۹ - کشتہ اک عالم ہے چشمِ لعبتِ خود کام کا - - ۱۱۰
۵۰ - زخمِ کاری کے جو کھانے کو مرا دل دوڑا - - ۱۱۱
۵۱ - دوست دشمن نے کیے قتل کے ساماں کیا کیا - - ۱۱۲
۵۲ - چشمِ یاراں میں مرے بعد نہ خوںناب اترا - - ۱۱۳
۵۳ - اک جا کہیں میں مثلِ ریگِ رواں نہ ٹھہرا - - ۱۱۵
۵۴ فزوں ہوتا ہے جمعیّت سے زیرِ آسماں کھٹکا - - ۱۱۶
۵۵ - لبِ لعلیں نے بدخشان و یمن دکھلایا - - - ۱۱۷
۵۶ - اپنی زباں کو بلبلِ اندوہ گیں جلا - - - - ۱۱۸
۵۷ - لطیف جاں سے ہر اک عضوِ تن نظر آیا - - ۱۱۹
۵۸ - زخم دل بھرتا ہے جلوہ چہرۂ پُر نور کا - - - ۱۲۰
۵۹ - دھیان رہنا شرط ہے اس دلبرِ مغرور کا - - - ۱۲۲
۶۰ - صاف آئینے سے رخسار ہے اس دلبر کا - - - ۱۲۴
۶۱ - وہ نازنیں یہ نزاکت میں کچھ یگانہ ہوا - - - ۱۲۵
۶۲ - دردِ دل سے اس قدر کاہیدہ میں غمگیں ہوا - - ۱۲۷
۶۳ - خوشی ہوتے ہیں ناداں پہن کر کمخواب کا جوڑا - ۱۲۹
۶۴ - آنکھیں عاشق کو نہ تو اے گلِ رعنا دکھلا - - ۱۳۰
۶۵ - آنکھوں سے اس پری کے دلِ ناتواں گرا - - - ۱۳۱

۶۶ - منتظر تھا وہ تو جست و جو میں یہ آوارہ تھا - ۱۳۲
۶۷ - گل سے خوش رنگ ہر اک داغِ بدن مجھ کو دیا - ۱۳۳
۶۸ - آئنہ رخ کا دکھا مردم کو آنکھ اوپر اٹھا - ۱۳۵
۶۹ - میں نے عریاں تجھے اے رشکِ قمر دیکھ لیا - ۱۳۶
۷۰ - برقِ خرمن تھا کبھی نالہ دلِ ناشاد کا - ۱۳۷
۷۱ - آشیانہ ہو گیا اپنا قفس فولاد کا - ۱۳۸
۷۲ - نہیں کچھ امتیاز اس عشق کو گمنام و نامی کا - ۱۳۹
۷۳ - جذبۂ دل سے کہاں کہربا ہو جائے گا - ۱۴۰
۷۴ - وحشت دل نے کیا ہے وہ بیاباں پیدا - ۱۴۲
۷۵ - اس کے کوچے میں مسیحا ہر سحر جاتا رہا - ۱۴۳
۷۶ - فریبِ حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا - ۱۴۴
۷۷ - کس کو مئے گلگوں سے بے یار کے مطلب تھا - ۱۴۶
۷۸ - نہ چھوٹے گا چھڑا کر اس کو اے قاتل نہ بن لڑکا - ۱۴۷
۷۹ - ہے جب سے دستِ یار میں ساغر شراب کا - ۱۴۹
۸۰ - کہتے ہیں جس کو عطر یہ مردم گلاب کا - ۱۵۱
۸۱ - ہاتھوں میں یار کے نہیں ساغر شراب کا - ۱۵۲
۸۲ - چمن میں شب کو جو وہ شوخ بے نقاب آیا - ۱۵۴
۸۳ - رنج و راحت کا مرے واسطے ساماں ہوگا - ۱۵۶
۸۴ - ہنگام نزع محو ہوں تیرے خیال کا - ۱۵۷
۸۵ - اس ترک کی ثنا میں جو صرفِ رقم ہوا - ۱۵۹
۸۶ - انصاف کی ترازو میں تولا ، عیاں ہوا - ۱۶۱
۸۷ - جوہر اپنے آئینہ رخسار کا دکھلائے گا - ۱۶۳
۸۸ - رشک کے مارے زمرد خاک میں مل جائے گا - ۱۶۴
۸۹ - عیسیٰ سے نالہ دردِ دل کی خبر نہ کرتا - ۱۶۶

۹۰ - کوچۂ یار میں کس روز میں نالاں نہ گیا - - ۱۶۸
۹۱ - حالِ زار اپنا فنا کے بعد بھی روشن رہا - - - ۱۶۹
۹۲ - ظہورِ آدمِ خاکی سے یہ ہم کو یقیں آیا - - - ۱۷۱
۹۳ - عدم سے جانبِ ہستی جواں تجھ سا نہیں آیا - ۱۷۲
۹۴ - حسن کس روز ہم سے صاف ہوا - - - - ۱۷۴
۹۵ - پیری نے قدِ راست کو اپنے نگوں کیا - - - ۱۷۵
۹۶ - فرطِ شوق اس بت کے کوچے میں لگا لے جائے گا - ۱۷۶
۹۷ - کیجیے برقِ تجلّی کو اشارا اپنا - - - - ۱۷۸
۹۸ - ایسی وحشت نہیں دل کو کہ سنبھل جاؤں گا - - ۱۷۹
۹۹ - بتِ خورشید رو نوروز کے دن میہماں ہوگا - - ۱۸۰
۱۰۰ - کمرِ یار سے کھنچ کر ہوئی تلوار جدا - - - ۱۸۱
۱۰۱ - لبھاتا ہے نہایت دل کو خط رخسارِ جاناں کا - - ۱۸۳
۱۰۲ - خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا - ۱۸۵
۱۰۳ - رخ و زلف پر جان کھویا کیا - - - - - ۱۸۷
۱۰۴ - گوش زد جس کے تمھاری چشم کا افسانہ تھا - - ۱۸۸
۱۰۵ - عشق کہتے ہیں اسے نیمچۂ ابرو کا - - - - ۱۹۰
۱۰۶ - ابدال سے ہوا نہ تو اوتاد سے ہوا - - - - ۱۹۱
۱۰۷ - کشتہ ہے گرم جوشیِ ہرجائی یار کا - - - ۱۹۳
۱۰۸ - باغِ طلسم چہرۂ رنگیں ہے یار کا - - - - ۱۹۴
۱۰۹ - کریں گے افترا شاعر قبائے یار پر کیا کیا - - ۱۹۶
۱۱۰ - گلوں نے کپڑے پھاڑے ہیں قبائے یار پر کیا کیا - ۱۹۸
۱۱۱ - معاف ہووے گا جو کچھ کہ ہے قصور ہمارا - - ۱۹۹
۱۱۲ - مزا صیّاد لوٹیں گے ہمارے شعرِ موزوں کا - - ۲۰۱
۱۱۳ - تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا - - - - ۲۰۳

۱۱۴ - سامنا تجھ سے جو اے ناوک فگن ہو جائے گا - - ۲۰۴
۱۱۵ - ہلالِ عید ہے بے یارِ جانی نعل ماتم کا - - ۲۰۶
۱۱۶ - مر گئے پر نہ اثر حبِ شفا کا دیکھا - - - ۲۰۸
۱۱۷ - سودے میں ترے دھیان نہیں سود و زیاں کا - - ۲۱۰
۱۱۸ - سر سے حاضر منقبت میں بے تامّل ہو گیا - - ۲۱۳
۱۱۹ - ہاتھ سے میرے ہی لکھی ہے جو اے قاتل ! قضا - ۲۱۵
۱۲۰ - طرّہ اسے جو حسنِ دل آزاد نے کیا - - - ۲۱۶
۱۲۱ - ہشیاری رنج دیتی ہے قید فرنگ کا - - - ۲۱۸
۱۲۳ - مس کیا عجب طلا اگر اکسیر سے ہوا - - - ۲۲۱
۱۲۴ - بیاباں کو بھی ہنگامِ جنوں میں سیر کر دیکھا - ۲۲۳
۱۲۵ - کیجیے چورنگ عاشق کو نگاہِ ناز کا - - - ۲۲۵
۱۲۶ - بلائے جاں مجھے ہر ایک خوش جمال ہوا - - ۲۲۶
۱۲۷ - وحشت نے ہمیں جب کہ گلستاں سے نکالا - - ۲۲۸
۱۲۸ - وصل کی شب رنگِ گردوں نوعِ دیگر ہو گیا - ۲۳۰
۱۲۹ - شادمانی میں نے کی غم جس قدر افزوں ہوا - - ۲۳۲
۱۳۰ - دوست تھا ، لازم ہے ماتم تم کو مجھ مایوس کا - ۲۳۴
۱۳۱ - آ گیا مجھ کو پسینہ جب کوئی ملزم ہوا - - ۲۳۶
۱۳۲ - قبضہ ہے اس پر تمھارے حسن سے خوں ریز کا - ۲۳۸
۱۳۳ - باغِ عالم میں نہیں کون ثناخواں تیرا - - ۲۳۹
۱۳۴ - ہاتھ قاتل کا مرے خنجر تک آکر رہ گیا - - ۲۴۱
۱۳۵ - شبِ وصل تھی چاندنی کا سماں تھا - - - ۲۴۲
۱۳۶ - دل شبِ فرقت میں ہے ازبسکہ خواہاں مرگ کا - ۲۴۳
۱۳۷ - روے مژہ ان آنکھوں نے دل کو دکھا دیا - - ۲۴۴
۱۳۸ - شوق اگر کوچۂ محبوب کا رہبر ہوتا - - - ۲۴۶

۱۳۹ - عاشقِ شیدا علیِ مرتضیٰ کا ہوگیا - - - ۲۴۷
۱۴۰ - وہ رنگ سرخ ہے کیفِ شراب سے ہوتا - - ۲۴۸
۱۴۱ - ہزار طرح سے ثابت ہے وہ دہاں ہوتا - - - ۲۵۰
۱۴۲ - کام رہنے کا نہیں بند اپنا - - - - - ۲۵۳
۱۴۳ - پامال کیجیے انھیں رفتارِ ناز کا - - - - ۲۵۵
۱۴۴ - حسن سے دنیا میں دل کو عشق پیدا ہو گیا - - ۲۵۷
۱۴۵ - لباسِ یار کو میں پارہ پارہ کیا کرتا - - - ۲۵۹
۱۴۶ - ساقی ہوں تیس روز سے مشتاق دید کا - - - ۲۶۰
۱۴۷ - عشقِ مژگاں کا مزہ بھی کوئی دم بھر ملتا - - - ۲۶۲
۱۴۸ - دل کو فزوں چمن کی مٹی سے سرد پایا - - ۲۶۵
۱۴۹ - خدا نے برقِ تجلیٰ تجھے جمال دیا - - - - ۲۶۶
۱۵۰ - غزل جو ہم سے وہ محبوب نکتہ داں سنتا - - ۲۶۹
۱۵۱ - لباس سرخ پہن کر جو وہ جواں نکلا - - - ۲۷۱
۱۵۲ - جا کر قفس میں عاشقِ صیّاد ہوگیا - - - ۲۷۳
۱۵۳ - سامنے جو پڑ گیا دیوانۂ بے باک تھا - - - ۲۷۶
۱۵۴ - ساقی ! شراب سے رہے قصرِ فلک بھرا - - ۲۷۸
۱۵۵ - عشق کے سودے سے پہلے دردِ سر کوئی نہ تھا - ۲۷۹
۱۵۶ - دیوانہ ہے دل یار ! تری جلوہ گری کا - - - ۲۸۰
۱۵۷ - اک سال میں دس دن بھی جسے غم نہیں ہوتا - - ۲۸۲
۱۵۸ - وصف کیجے جو تری قامت کا - - - - ۲۸۴
۱۵۹ - تری جو یاد اے دل‌خواہ بھولا - - - - ۲۸۵
۱۶۰ - مشتاق اس قدر ہوں خدا کے حضور کا - - - ۲۸۶
۱۶۱ - اس ہمائے حسن کا عنقا مقابل ہوگیا - - - ۲۸۸
۱۶۲ - قوی دماغ رہے بلبلِ خوش الحاں کا - - - ۲۸۹

۱۶۳ . کعبہ و دیر میں ہے کس کے لیے دل جاتا - - ۲۹۱
۱۶۴ - باراں کی طرح لطف و کرم عام کیے جا - - ۲۹۲
۱۶۵ - صحرائے مغیلاں کا مگر مرحلہ آیا - - - ۲۹۳
۱۶۶ - طریقِ عشق میں مارا پڑا جو دل بھٹکا - - ۲۹۴
۱۶۷ - عزیز روح کے دم تک ہے کالبد گل کا - - - ۲۹۶
۱۶۸ - رعد کا شور ہو موروں کی صدا سے پیدا - - - ۲۹۸
۱۶۹ - نالہ ہر روز نہیں ہو سکتا - - - - ۳۰۰
۱۷۰ - دشمنِ جانِ جہاں وہ تُرک بدخو ہو گیا - - ۳۰۱
۱۷۱ - مے نوش بھر رہے ہیں دم ابرِ بہار کا - - - ۳۰۲
۱۷۲ - اڑ جائے گا زخمِ دلِ احباب کا پھاہا - - - ۳۰۳
۱۷۳ - آشیانہ ، نہ قفس اور نہ چمن یاد آیا - - - ۳۰۴

ردیف بائے تازی

۱ - گرم ہو کیسا ہی ، کتنا ہی کھنچے دور آفتاب - - ۳۰۸
۲ - چھین سکتا ہے کوئی جائے خیالِ یار خواب - - ۳۰۹
۳ - کیا دیجیے گا عاشقِ دلگیر کا جواب - - - ۳۱۰
۴ - خط سے اس رخ کا حل ہوا مطلب - - - - ۳۱۱
۵ - زعم میں اپنے یہ نافہم جو استاد ہیں سب - - ۳۱۲
۶ - ہر حال میں ہے اپنے مرا یار دل فریب - - ۳۱۴
۷ - چلتے ہیں ناز سے جو وہ رفتارِ آفتاب - - - ۳۱۵
۸ - روشنی اس رخ کی کر جاتی ہے کارِ آفتاب - - ۳۱۷

ردیف بائے فارسی

۱ - بہتر کہیں دکھائی دیں شمس و قمر سے آپ - - ۳۲۰
۲ - دکھلاتی ہے رنگینیِ رخسار عجب روپ - - - ۳۲۱

۳ - بل کھا سکے نہ صورتِ گیسوے یار سانپ - - ۳۲۲

ردیف تاے مثناۃ

۱ - تا صبح نیند آئی نہ دم بھر تمام رات - - - ۳۲۴
۲ - روز و شب ہنگامہ برپا ہے میانِ کوے دوست - ۳۲۶
۳ - تار تارِ پیرہن میں بھر گئی ہے بوے دوست - - ۳۲۷
۴ - نظر آتا ہے مجھے اپنا سفر آج کی رات - - - ۳۲۸
۵ - رخِ رنگیں کا تصور ہے تماشاے بہشت - - - ۳۲۸
۶ - آئے بہار، جائے خزاں، ہو چمن درست - - - ۳۳۰
۷ - کون سی جا ہے جہاں تیرے نہیں اے یار مست - ۳۳۲
۸ - آئینے کی طرف نہیں آتا خیالِ دوست - - - ۳۳۴
۹ - قامت سے دکھا یار تماشاے قیامت - - - ۳۳۶
۱۰ - عجب تیری ہے اے محبوب صورت - - - - ۳۳۷
۱۱ - لبِ شیریں تک ان کے آئی بات - - - - ۳۳۸
۱۲ - مہندی سے لال لال ہوئے دست و پاے دوست - ۳۴۰

ردیف تاے ہندی

۱ - گل کو قبا پہن کے تو اے کج کلاہ کاٹ - - ۳۴۱
۲ - دو ٹکڑے کر چکے کہیں تیغِ دو سر کی چوٹ - ۳۴۲
۳ - دولتِ حسن کی بھی ہے کیا لوٹ - - - - ۳۴۳
۴ - وصل کی شب نہیں عاشق سے سزاوار لپیٹ - - ۳۴۴

ردیف تاے مثلثہ

۱ - دل میں گھر کرکے منہ آنکھوں سے چھپاتے ہو عبث - ۳۴۶

ردیف جیم تازی

۱ - نازک حباب سے ہے مرا دل ، مرا مزاج - - - - ۳۴۸
۲ - فصلِ گل ہے لوٹیے کیفیتِ مےخانہ آج - - - ۳۴۹
۳ - عاشق مہجور کے مانند ہے بےتاب موج - - ۳۵۱
۴ - بنیں گے کس کا زیور چاند سورج - - - - ۳۵۲

ردیف جیم فارسی

۱ - اک روز اس سرائے سے ہے لاکلام کوچ - - ۳۵۵
۲ - بلا اس زلفِ پیچاں کا ہے ہر پیچ - - - - ۳۵۶
۳ - رہِ الفت میں نقدِ عمر کر خرچ - - - - ۳۵۷

ردیف حائے حطی

۱ - شفق صبح نہ دیکھی نہ سنی نوبتِ صبح - - - ۳۵۹
۲ - بہار آئی ، چمن میں چلی ہوائے قدح - - - ۳۶۰

ردیف خائے معجمہ

۱ - ہوتی جو اے صنم ترے سیبِ ذقن کی شاخ - - ۳۶۲
۲ - مے نے کیے عذاریتِ شوخ و شنگ سرخ - - ۳۶۳
۳ - قدرتِ حق ہے صباحت سے تماشا ہے وہ رخ - - ۳۶۴
۴ - لگا دے پھر وہی اے گنجِ زر شاخ - - - ۳۶۶
۵ - ہوا نہ حسن سے خالِ سیاہِ جاناں سرخ - - - ۳۶۷
۶ - کرتا ہے زندگی کو تمھارا حجاب تلخ - - - ۳۶۸

ردیف دال

۱ - قاتل اپنا جو کرے گنجِ شہیداں آباد - - - - ۳۷۰

۲ - مئے گل رنگ سے لبریز رہیں جام سفید - - - ۳۷۱
۳ - قبر پر یار نے قرآن پڑھا میرے بعد - - - ۳۷۲
۴ - چاندنی رات میں کھولوں جو ترے خواب میں بند - ۳۷۴
۵ - تاچند کروں سینے میں میں آہ و فغاں بند - - ۳۷۵
۶ - منہ لپیٹوں میں تو دم کردے خیالِ یار بند - - ۳۷۶
۷ - خوبرُو ہوتے ہیں سن کر تری تقریر سفید - - ۳۷۷
۸ - فروغ مہر کا پیدا کرے ہمارا چاند - - - ۳۷۹
۹ - وہ آستاں ہے ترا اے فلک جناب ! بلند - - - ۳۸۰
۱۰ - پری پسند طبیعت نہ ہے ، نہ حور پسند - - ۳۸۲
۱۱ - رتبہ رکھتے ہیں ترے ابروے خم دار بلند - - ۳۸۳
۱۲ - رو کے آبِ اشک سے کر نامۂ عصیاں سفید - - ۳۸۴
۱۳ - مول اک نگاہ ہے جو ہو دل یار کی پسند - - ۳۸۵

ردیف دال هندی

۱ - رکھتا ہے یار ابروے خم‌دار پر گھمنڈ - - ۳۸۷
۲ - نہ دے سکے گی زمستاں میں مجھ کو ایذا ٹھنڈ - ۳۸۸

ردیف ذال معجمه

۱ - زورِ بازو ہی کو بازو کا میں سمجھا تعویذ - - ۳۸۹
۲ - مرغوبِ طبع کیوں نہ ہو ایسی چشک لذیذ - - ۳۹۰

ردیف راے مهمله

۱ - شانہ ٹوٹا تارِ گیسوے معنبر توڑ کر - - - ۳۹۱
۲ - جلد ہو بہرِ سفر اے مہِ کنعاں تیّار - - - ۳۹۲
۳ - بھاگو نہ مجھ کو دیکھ کے بے اختیار دور - - ۳۹۴

۴ - قصۂ سلسلۂ زلف نہ کہنا بہتر - - - ۳۹۵
۵ - خط سے کب جاتے ہیں عاشق کوے جاناں چھوڑ کر - ۳۹۶
۶ - اے جنوں رکھیو بیاباں کو سواری تیّار - - ۳۹۷
۷ - دیکھی جو صبح زلف سیہ فام دوش پر - - - ۳۹۹
- جھڑتے ہیں پھول منہ سے اس تنگیِ دہن پر - - ۴۰۰
۹ - دم نکلتا ہے نگاہ چشمِ مستِ یار پر - - - ۴۰۱
۱۰ - دکھائی حسن نے قدرتِ خدا کی آ کے جوبن پر - ۴۰۳
۱۱ - بہار آئی ہے ، عالم ہے گل و نسرین و سوسن پر - ۴۰۴
۱۲ - اول سے حسن ، عشق کو لایا ہے راہ پر - - ۴۰۶
۱۳ - حکمرانی پر ہوا میلِ سلیمانِ بہار - - - - ۴۰۸
۱۴ - گردِ کلفت جم رہی ہے ہر زماں بالاے سر - - ۴۰۹
۱۵ - خونِ دل کے ساتھ ہے لختِ جگر کا انتظار - ۴۱۲
۱۶ - بیت ہیں دو ابروے زیباے یار - - - - ۴۱۳
۱۷ - دکھائے حسن کی اپنے جسے کہ یار بہار - - ۴۱۵
۱۸ - پڑ گئی آنکھ جو ان چاند سے رخساروں پر - - ۴۱۶
۱۹ - وہ گل جو آئے تو کیا لالہ زار میں ہو بہار - - ۴۱۸

ردیف راے ہندی

۱ - حیرت ہے ہو نہ زلف و رخ و یار سے بگاڑ - - ۴۱۹

ردیف زاے معجمہ

۱ - ساتھ ہے بعدِ فنا حسرتِ فتراک ہنوز - - - ۴۲۱
۲ - جوش و خروش پر ہے بہارِ چمن ہنوز - - - ۴۲۲
۳ - فیض سے ابر بہاری کے ہوئے گلزار سبز - - ۴۲۳
۴ - دکھلائیں گے کیا یار کا شمس و قمر انداز - - ۴۲۴

ردیف سین مہملہ

۱ - کرتے ہیں عبث یار سراغِ پرِ طاؤس - - - ۴۲۶
۲ - ذرہ خورشید ہو ، پہنچے جو درِ یار کے پاس - - ۴۲۶

ردیف شین معجمہ

۱ - جلا میں شمع کی مانند عمر بھر خاموش - - - ۵۲۸

ردیف صاد مہملہ

۱ - آفتِ جاں ہے ترا اے سروِ گل اندام رقص - - ۴۳۰

ردیف ضاد معجمہ

۱ - کام ہے شیشے سے ہم کو اور ساغر سے غرض - ۴۳۲

ردیف طا

۱ - سبزے سے خطِ یار کے ہوتا ہے غم غلط - - ۴۳۴
۲ - نشۂ عشق کا اثر ہے شرط - - - - ۴۳۵

ردیف ظا معجمہ

۱ - سخت گوئی سے تجھے چاہیے اے یار لحاظ - - ۴۳۷

ردیف عین مہملہ

۱ - قدر کیا رکھتی ہے پیشِ چہرۂ پُر نور شمع - - ۴۳۸
۲ - خاک ہو جاتی ہے جل کر ہمرہِ پروانہ شمع - ۴۳۹
۳ - روشنیِ بزم ہے یاں چہرۂ گل رنگ و شمع - - ۴۴۱

ردیف غین معجمہ

۱ - بزم میں رنگیں خیالوں کے ہو جو روشن چراغ - ۴۴۲

۲ - بتّیاں اس کی بنا کر میں کروں روشن چراغ - ۴۴۳
۳ - سامنا کرتا ہے کیا اس کا شبستاں میں چراغ - ۴۴۴
۴ - سن رکھتے شام ہوتی ہے میرا سخن چراغ - - ۴۴٦

ردیف فاء

۱ - اللہ ہووے بلبلِ ناشاد کی طرف - - - ۴۴۸
۲ - رجوع بندہ کی ہے اس طرح خدا کی طرف - - ۴۵۰
۳ - یہ دل ہے جیسے تمہارے خیال سے واقف - - ۴۵۱

ردیف قاف

۱ - داغ دل ، زخم جگر ہے نعمتِ الوانِ عشق - ۴۵۴

ردیف کاف تازی

۱ - کسی حسیں کی ہو کیا قدر یار کے نزدیک - - ۴۵٦
۲ - ہر قبر پر اڑائے علی الاتصال خاک - - - ۴۵۸
۳ - بہار میں جو ہوا ہے مرا گریباں چاک - - - ۴۵۹

ردیف کاف فارسی

۱ - لاتی ہے ہر نگہ میں نیا چشمِ چار رنگ - - ۴٦۱
۲ - نہ کر زیادہ بس اب اے فراقِ جاناں تنگ - - ۴٦۲
۳ - ایک سے ایک ہے تماشا رنگ - - - - - ۴٦۴

ردیف لام

۱ - مومن کا مددگار ہے شاہِ نجف اے دل - - - ۴٦۵
۲ - عمرِ دو روزہ ہی میں ہزاروں نہ کھائے گل - ۴٦٦
۳ - دردِ دل کا جو کہا میں نے فسانہ شبِ وصل - ۴٦۷

۴ - وہم ہے یار کا آغوش میں آنا شبِ وصل - - ۴۶۸
۵ - ملک الموت سے کچھ کم نہیں خوں‌خوار کی شکل - ۴۶۹
۶ - کانوں میں ترے دیکھ کے سونے کے کرن پھول - ۴۷۰
۷ - محبت کوڑیوں کے ہو اگر مول - - - - ۴۷۲
۸ - درگاہ میں کریم کے ہے التجا قبول - - - - ۴۷۳

ردیف میم

۱ - آئنہ خانہ کریں گے دلِ ناکام کو ہم - - - ۴۷۵
۲ - غیرتِ مہر ، رشک ماہ ہو تم - - - - ۴۷۶
۳ - وحشی تھے بوے گل کی طرح سے جہاں میں ہم - ۴۷۷
۴ . آخرِ کار چلے تیر کی رفتار قدم - - - - ۴۷۹
۵ - میل کی طرح سے ہلتے نہیں زنہار قدم - - - ۴۸۰
۶ - چمن میں رہنے دے کون آشیاں ، نہیں معلوم - - ۴۸۲
۷ - ڈھلتی ہے عاشقانہ ہماری غزل تمام - - - - ۴۸۴
۸ - ہوتا ہے سوزِ عشق سے جل‌جل کے دل تمام - ۴۸۶

ردیف نون

۱ - اس قدر آنکھیں مری محوِ تماشا ہو گئیں - - ۴۸۸
۲ - پہنچا سزا کو اپنی ہے بیداد گر کہاں - - ۴۸۹
۳ - نہانے کو لگا جانے جو وہ محبوب دریا میں - - ۴۹۰
۴ - خشمگیں آنکھیں تمھاری آفتِ جاں ہو گئیں - - ۴۹۱
۵ - قیدِ ہستی سے ہنوز آزادگی حاصل کہاں - - ۴۹۲
۶ - فریب کو دلِ اہلِ صفا میں راہ نہیں - - - ۴۹۴
۷ - بلبل کو خار خار دبستاں ہے ان دنوں - - ۴۹۵
۸ - برق کو اس پر عبث گرنے کی ہیں تیاریاں - - ۴۹۷
۹ - ہوا تھا اس کو ایسا لطف کیا حاصل گلستاں میں - ۴۹۸

۱۰ - پردے یہ غفلتوں کے اگر دل سے دور ہوں - - ۴۹۹
۱۱ - دو قدم غربت سے گر سوے وطن جاتا ہوں میں - ۵۰۱
۱۲ - پسے دل اس کی چتون پر ہزاروں - - - ۵۰۲
۱۳ - واشدِ دل کے لیے جاتے ہیں ناداں باغ میں - - ۵۰۳
۱۴ - آشنا معنی سے صورت آشنا ہوتا نہیں - - - ۵۰۵
۱۵ - غبارِ راہ ہیں گو آج ہم ان نے سواروں میں - ۵۰۷
۱۶ - یہ چرچا اپنی رسوائی کا پھیلا ہے دیاروں میں - ۵۰۸
۱۷ - وہ بزم ہے یہ کہ لا خیر کا مقام نہیں - - - ۵۰۹
۱۸ - برگشتہ طالعی کا تماشا دکھاؤں میں ؟ - - ۵۱۱
۱۹ - دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیے ہیں - - ۵۱۲
۲۰ - خار مطلوب جو ہووے تو گلستاں مانگوں - - ۵۱۳
۲۱ - جلاد کی نہ پہنچی تلوار تا بہ گردن - - - ۵۱۵
۲۲ - اس کی رسوائی بھلا مد نظر کیونکر کریں - - ۵۱۶
۲۳ - بلا اپنے لیے دانستہ ناداں مول لیتے ہیں - - ۵۱۷
۲۴ - چاہتا ہوں جو وفا طینتِ دلبر میں نہیں - - - ۵۱۸
۲۵ - دھیان آیا ہے جو اس خورشید رو کا خواب میں - ۵۱۹
۲۶ - یار قابو پر چڑھا میرے اندھیری رات میں - - ۵۲۰
۲۷ - مرے دل کو شوقِ فغاں نہیں ، مرے لب تک
آتی دعا نہیں - - - - - - - ۵۲۱
۲۸ - تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں - ۵۲۲
۲۹ - چاند سے منہ کو ترے یاد کیا کرتے ہیں - - ۵۲۴
۳۰ - الجھا ہے دل بتوں کے گیسوے پُر شکن میں - ۵۲۵
۳۱ - مضمون آہ کیا مرے دیواں سے دور ہوں - - ۵۲۸
۳۲ - دل کی کدورتیں اگر انساں سے دور ہوں - - ۵۲۹

۳۳ - تجھ سا کوئی زمانے میں عجز بیاں نہیں - - - ۵۳۰
۳۴ - خاک میں مل کے بھی ہوں گا نہ غبارِ دامن - - ۵۳۲
۳۵ - طفلی سے اور قہر ہوا وہ شباب میں - - - ۵۳۳
۳۶ - "خدا بخشے" صنم یہ کہہ کے مجھ کو یاد کرتے ہیں - ۵۳۶
۳۷ - لالۂ بے داغ تجھ سا کوئی گلشن میں نہیں - - ۵۳۹
۳۸ - ممکن نہیں ہے دوسرا تجھ سا ہزار میں - - - ۵۴۰
۳۹ - پانی پانی نہ ہو خجلت سے تو انصاف نہیں - - ۵۴۲
۴۰ - صدمے پہنچے ہیں ہمارے بازوؤں پر سیکڑوں - - ۵۴۳
۴۱ - تری خوش چشمی کا افسانہ سناتا ہوں میں - - ۵۴۶
۴۲ - دسترس شانے کی مانند جو پا جاتے ہیں - - ۵۴۷
۴۳ - تیرا نیازمند جو اے نازنیں ! نہیں - - - ۵۴۸
۴۴ - رہتے ہیں ہم روز و شب کوچۂ دلدار میں - - ۵۴۹
۴۵ - گیسوؤں کا ترے سودا شعرا رکھتے ہیں - - ۵۵۱
۴۶ - خانہ خراب نالوں کی ہل بے شرارتیں - - - ۵۵۳
۴۷ - اس شش جہت میں خوب تری جستجو کریں - - ۵۵۴
۴۸ - عاجز نہ ہو تصورِ حسن و جمال میں - - - ۵۵۶
۴۹ - گل کو نظر سے اشکِ خونی اتارتے ہیں - - ۵۵۸
۵۰ - خمِ فلک سے بھروں میں شراب شیشے میں - - ۵۶۰
۵۱ - شرف بخشا گہر کو صرف کرکے تو نے زیور میں - ۵۶۱
۵۲ - عجب چشمِ سیہ کا ہے رخِ رنگینِ جاناں میں - - ۵۶۴
۵۳ - لپٹ کر سوئیے آس آتشیں رو سے زمستاں میں - ۵۶۶
۵۴ - توڑیے توبہ کو کیجے بادہ خواری اِن دنوں - ۵۶۷
۵۵ - سالکِ راہِ محبت کو پس و پیش نہیں - - - ۵۶۹
۵۶ - رخِ انور دکھا کر خاک کا پیوند کرتے ہیں - - ۵۷۰

۵۷ - دکھا کر آنکھ بے ہوشوں کو وہ ہشیار کرتے ہیں - ۵۷۱
۵۸ - رہا کرتا ہے درد اک رات دن بے یار پہلو میں - ۵۷۳
۵۹ - بازیِ عشق جز اندوہ و غم و رنج نہیں - - ۵۷۴
۶۰ - باہر نہ پائنچے سے ہوں اس گل بدن کے پاؤں - ۵۷۵
۶۱ - آرزو ہے تجھے سجدے سحر و شام کریں - - ۵۷۶
۶۲ - عیدِ نوروز ہے عشرت کا سرانجام کریں - - ۵۷۷
۶۳ - خورشیدِ حشر سے ہے سینے کا داغ روشن - - ۵۷۹
۶۴ - بہارِ لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں - - ۵۸۰
۶۵ - موسمِ گل ہے ، جنوں ہے شور و شر پر ان دنوں - ۵۸۱
۶۶ - تیغِ تل کے کھائیں دیکھیے جوہر کس دن - - ۵۸۳
۶۷ - ادا و ناز نہیں جس میں ، خوش جمال نہیں - - - ۵۸۴
۶۸ - رہ نہ اے مانی ! شبیہِ یار کی تدبیر میں - - ۵۸۶
۶۹ - دیدنی عالمِ ایجاد میں تحریر ہوں میں - - - ۵۸۷

مقدمہ

خواجہ حیدرعلی آتش لکھنوی

اُردو کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے اور غزل گو شاعروں میں چوٹی کے شاعر خواجہ حیدر علی آتش جن کے بارے میں مولانا محمد حسین آزاد کہتے ہیں :

”زمانے نے ان کی تصاویر مضمون کی قدر ہی نہیں کی بلکہ پرستش کی مگر انھوں نے اس کی جاہ و حشمت سے ظاہر آرائی نہ چاہی ۔ نہ امیروں کے درباروں میں جاکر غزلیں سنائیں ، نہ ان کی تعریفوں میں قصیدے کہے ۔ ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں ، جس پر کچھ چھت کچھ چھپر سایہ کیے تھے ، بوریا بچھا رہتا تھا ۔ اسی پر ایک لنگ باندھے صبر و قناعت کے ساتھ بیٹھے رہے اور عمرِ چند روزہ کو اس طرح گزار دیا جیسے کوئی بے نیاز و بے پروا فقیر تکیے میں بیٹھا ہوتا ہے ۔ کوئی متوسط الحال اشراف یا کوئی غریب آتا تو متوجہ ہو کر باتیں بھی کرتے تھے ، امیر آتا تو دھتکار دیتے تھے ۔ وہ سلام کرکے کھڑا رہتا تھا کہ آپ فرمائیں تو بیٹھے ۔

یہ کہتے: ہوں ،کیوں صاحب ! بوریے کو دیکھتے ہو ؟ کپڑے خراب ہو جائیں گے ؟ یہ تو فقیر کا تکیہ ہے ، یہاں مسند تکیہ کہاں !“ (آبِ حیات ، ص ۳۸۸ ، طبع دوازدہم) ۔

آتش کی زندگی اور ان کے فن میں ڈوب کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ آتش واقعاً اردو غزل کے عظیم استاد اور لائقِ صد احترام شاعر ہیں۔ لیکن اتفاق ہے کہ ابھی تک ان کے سوانح و افکار پر کوئی کام تحقیق و محنت کے ساتھ نہیں ہوا۔

خواجہ حیدر علی آتش پر اگرچہ ایک مفصل کتاب کی ضرورت ہے ، لیکن یہاں سوانحِ آتش پر صرف مقدمے کی حد تک کچھ لکھنا مطلوب ہے۔

آتش کا خاندان :

مصحفی کہتے ہیں :

"آتش کا نسب نامہ خواجہ عبداللہ احرار تک پہنچتا ہے۔ بزرگوں کا وطن بغداد تھا ، وطن قدیم چھوڑکر دلی میں آ بسے اور قلعۂ کہنہ میں آباد ہوگئے (ریاض الفصحاء ، ص ۴)۔ اس کے بعد یہ کوئی نہیں بتاتا کہ کون بزرگ دہلی آئے اور بغداد سے براہ راست دہلی ہی میں آئے یا کہیں اور سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔"

دہلی میں خواجہ صاحبان کی ایک آبادی وہ تھی جس کے بارے میں سر سید احمد خاں نے لکھا ہے :

"دلی میں ایک کشمیری خاندان خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد میں کشمیر سے آ کر آباد ہوا تھا۔"

(سیرت فریدیہ ، مقالات سرسید ، ج ۱۶ ، ص ۶۴۰)

کیا بعید ہے کہ خواجہ آتش اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔

آتش کے والد :

قلعۂ کہنہ کے خواجہ زادوں میں خواجہ[1] علی بخش نامی ایک بزرگ دہلی سے فیض آباد چلے آئے تھے۔ مصحفی تو علی بخش کے بارے میں کچھ نہیں لکھتے لیکن عبدالرؤف عشرت اور محمد حسین آزاد کے بیان سے "درویش سالک" اور "فقیرانہ" سلسلے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں کہ پیری مریدی کا سلسلہ رکھتے تھے۔

علی بخش فیض آباد میں :

خواجہ علی بخش دہلی سے فیض آباد چلے آئے تھے اور محلۂ مغل پورہ میں سکونت اختیار کرلی تھی ('آب بقا' ص ۱۲، 'گل رعنا' ص ۳۵۸ 'تاریخ ادب اردو' طبع دوم، ص ۲۴۲)۔ سوال یہ ہے کہ علی بخش فیض آباد کب آئے؟ ان کا مشغلہ کیا تھا اور فیض آباد میں کب تک رہے؟ ان باتوں کا قطعی جواب تو مشکل ہے البتہ قیاسی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نواب سعادت علی خاں برہان الملک مرحوم کو ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۱ع میں نظامت صوبۂ اکبرآباد مرحمت ہوئی ('قیصر التواریخ' جلد اول، طبع ۱۹۰۷ع، ص ۳۳) تو انھوں نے دہلی کے پریشان حال سپاہی زادوں (مغلوں) کو فوج میں بھرتی کیا۔ اکبرآباد کے نظم و نسق کے بحال کرنے میں اس تازہ دم فوج سے مدد لے کر برہان الملک نے سرخ روئی حاصل کی جس کے بعد انھیں اودھ کی صوبے داری عطا ہوئی۔ نواب مرحوم نے ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۲ع میں اجودھیا کے قریب دریائے سرجو کے کنارے لچھمن گھاٹ کے مغرب

۱۔ 'قاموس المشاہیر' میں علی محسن لکھا ہے۔

کی طرف ایک جنگلی ٹیلے پر کچا بنگلہ بنوایا اور کچا احاطہ کھنچوا کر چھاؤنی چھائی ، یہی فیض آباد کی بنیاد تھی ۔ اس کے بعد فوجی ضرورتیں بڑھتی گئیں اور سپاہ کے لیے جوانوں کی ضرورت پڑتی رہی ۔ دلی کے جوان آتے اور فوج میں داخل ہوتے تھے ۔ فیض آباد میں دلی والوں کی عزت تھی اور فیض آباد دلی کا ایک متبادل شہر تھا اس لیے سپاہیوں کے علاوہ شاعر ، سوداگر ، کاریگر ، دولت مند ، ساہوکار غرض ہر قسم کے آدمی یہاں آ کر آباد ہوگئے ۔ ذی حجہ[1] ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۸ع ('قیصرالتواریخ' ص ۴۲) میں برہان الملک کا انتقال ہوا اور ابوالمنصور خان صفدر جنگ مسند نشیں ہوئے ۔ سترہ سال تک کا یہ عہد بھی معرکہ آرائیوں میں صرف ہوا ۔ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ع[2] کو صفدر جنگ نے رحلت کی اور شجاع الدولہ ان کے جانشیں ہوئے ۔ شجاع الدولہ نے بھی جنگ کے میدان گرم کیے اور فوج کا زور رہا لیکن ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ع[3] میں جنگ بکسر کا خاتمہ ہوا اور شجاع الدولہ ہار گئے ۔ ادھر دہلی میں بادشاہ بھی مغل فوج سے بد ظن ہوگئے ۔ فیض آباد میں افراتفری پھیلی اور لوگ ادھر اُدھر نکل گئے ۔ کوئی لکھنؤ آیا ، کوئی شاہ جہاں پور چلا گیا ۔ بظاہر اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں علی بخش فیض آباد آئے ہیں کیونکہ عشرت کہتے ہیں :

"فیض آباد کی اس ہلچل میں مغلوں نے خواجہ علی بخش سے باہر نکل چلنے کو کہا مگر ان کی یہاں اچھی طرح بسر ہو رہی تھی اس سبب سے کہیں نہ جا سکے" ('آبِ بقا' ص ۱۲) ۔

---

۱ ۔ صحیح تاریخ ۹ ذی‌حجہ ۱۱۵۱ھ ہے ۔
۲ ۔ صحیح تاریخ ۱۷ ذی حجہ ۱۱۶۷ھ ہے ۔
۳ ۔ ۱۶ ۔ اگست ۱۷۶۵ع 'تاریخِ اودھ' حصہ دوم ، ص ۱۴۲ ۔

آتش کی ولادت :

خواجہ علی بخش کی اولاد کے بارے میں ابھی تک صرف یہی معلوم ہے کہ ان کے ایک صاحب زادے کا نام خواجہ حیدر علی آتش تھا ۔ آتش کی تاریخِ ولادت یقینی طور سے نہیں ملتی ۔ مصحفی کے 'تذکرۂ ریاض الفصحا' میں پہلی مرتبہ آتش کی عمر متعین کی گئی ہے ۔ چونکہ مصحفی آتش کے استاد اور براہ راست راوی ہیں اس لیے اس سے زیادہ معتبر بیان کسی کا کیا ہو سکتا ہے ۔ مصحفی کہتے ہیں :

"حالاکہ سن عمرش بہ بست و نُہ سالگی رسیدہ"۔('ریاض الفصحا' ص ۴) ۔

'تذکرۂ ریاض الفصحا' ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۷ع میں لکھا گیا اور ۱۲۳۶ھ تک زیرِ قلم رہا ۔ چونکہ آتش اس کتاب کے دوسرے شاعر ہیں اس لیے گمان ہوتا ہے کہ ۱۲۲۱ھ ہی میں ان کا حال و کلام داخلِ تذکرہ ہوا ۔ یہ گمان اس لیے مزید قوت حاصل کرتا ہے کہ مصحفی نے ناسخ کی عمر سینتیس سال لکھی ہے اور رشک نے تاریخِ وفات میں صاف صاف ناسخ کی عمر ۶۹ سال بتائی ہے ۔

"ناسخ استاد رشک حسرت عمر　　برد اے ہے بہ سال شصت و نہم"

۲۴ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ع کو ناسخ انسٹھ سال کے مانے جائیں تو ۱۱۸۵ھ کے قریب ولادت اور ۱۲۲۱ھ کے قریب سینتیس سال کے ہوتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے مصحفی نے ان لوگوں کی عمریں براہ راست دریافت کرکے لکھی ہیں ۔ للہذا آتش کے بارے میں یہ تخمینہ قریب قریب درست ہے کہ ان کی تاریخ ولادت ۱۱۹۲ھ کے لگ بھگ ہے ۔ ۱۲۲۱ھ میں ان کا سن انتیس برس اور ۱۲۶۳ھ میں اکہتر سال ہوتا ہے ۔

اگر مصحفی کے بیان میں غلط تخمینہ نہیں تو حساب صحیح ہے ورنہ ایک دو سال آگے پیچھے اور مان لیے جائیں ۔ اس لحاظ سے آتش عمر میں ناسخ سے کم و بیش آٹھ سال چھوٹے نظر آتے ہیں ۔

خواجہ عبدالرؤف عشرت نے 'آب بقا' میں ایک واقعے کے حوالے سے سنہ ولادت متعین کرنے کی کوشش کی ہے :

"جناب عالی (نواب شجاع الدولہ بہادر) نے اپنے فرزند نواب آصف الدولہ بہادر کی شادی نواب خان خاناں کی پوتی سے کی جس میں چوبیس لاکھ روپیہ صرف کیا ۔ یہ واقعہ[1] ۱۷٦۷ع کا ہے ۔ ابھی یہ چہل پہل ہو رہی تھی کہ خواجہ علی بخش کے گھر میں خواجہ حیدر علی آتش پیدا ہوئے" ('آب بقا' صفحہ ۱۲) ۔

نواب آصف الدولہ بہادر کی شادی کا واقعہ ۱۷٦۷ع کا نہیں بلکہ بقول مؤلف[2] 'قیصرالتواریخ' ۱۲۸۳ھ (مطابق ۱۷٦۹ع ، ۱۷۷۰ع) میں یہ جشن منایا گیا ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عشرت کی روایت کے مطابق خواجہ صاحب ۱۱۸٦ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے ۔ لیکن یہ تخمینہ

---

۱ ۔ خلیل الرحمن اعظمی نے 'مقدمہ' کلام آتش' میں ۱۷٦۸ع ۱۱۸۸ھ نقل کیا ہے لیکن میرے پاس جو نسخہ 'آب بقا' ہے اس میں اور 'تقویم تاریخی' (عبدالقدوس) میں ۱۷٦۷ع، ۱۱۸۰ھ ۔ ۱۱۸۱ھ کے مطابق ہے ۔ 'قیصر التواریخ' طبع دوم لکھنؤ ۱۱۸۱ھ مطابق ۱۷٦۷ع کو تجویز شادی اور ۱۱۸۳ھ مطابق ۱۷٦۵ع کو تاریخ شادی لکھا ہے ۔ اور ۱۱۸۳ھ مطابق ۱۷٦۹ع کو شجاع الدولہ کی حاضری الہ آباد لکھی ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ تطابق سنین میں غلطیاں ہیں ۔

۲ ۔ 'قیصر التواریخ' جلد اول ، طبع ۱۹۰۷ع ، صفحہ ۸۱ ۔

مصحفی کے بیان کے مطابق غلط ہے ۔کیونکہ اس حساب سے ۱۲۲۱ھ میں آتش کی عمر انتیس سال کے بجائے پینتیس چھتیس سال ہوتی ہے ۔ عشرت ہی نے ایک جگہ لکھا ہے :

"جب میر تقی میر نے انتقال کیا تو سعادت علی خاں کا زمانہ تھا ۔ آتش کا سن اس وقت اکتالیس برس کا تھا" ('آب بقا' ص ۱۶) ۔ میرصاحب نے ۱۲۲۵ھ میں رحلت کی ہے ۔گویا ۱۱۸۵ھ یا ۱۱۸۶ھ کو پیدا ہوئے ۔ اس صورت میں بھی آصف الدولہ کی شادی والا حساب پڑے گا اور مصحفی کے قول سے تضاد نکلے گا جسے سردست ماننا مشکل ہے ۔ کیونکہ مصحفی کہتے ہیں :

"مومی الیہ از ابتدائے موزنیٔ طبع کم کم خیالِ شعرِ فارسی و ہندی ہر دو می کرد ۔ اما میلان طبعش بہ طرف فارسی بیشتر بود و آں روزہا کلام منظوم خود را بہ نظر فقیر می گذرانید ۔"

یعنی مصحفی آتش کو اس زمانے سے جانتے ہیں ، جب ان میں موزونیِ طبع پیدا ہوئی اور مشقِ سخن کے لیے فارسی کو پسند کیا اور ان سے اصلاح لینا شروع کی ۔

"حالاً کہ سن عمرش بہ بست و نُہ سالگی رسیدہ ، دریائے طبعش بجوش و خروش ۔ در زبان نظم ریختہ کہ آں ہم در متانت و رزانت از غزلِ فارسی کم نیست ، کہ بر معاصرینش سبقت برو جستن دشوار می نماید ۔"

اس عبارت سے بھی آتش و مصحفی کے گہرے روابط کا سراغ

ملتا ہے ۔ لٰہذا 'ریاض الفصحا' کے مقابلے میں عشرت کے روایات کو اہمیت[1] دینا بظاہر مشکل ہے۔

تعلیم و تربیت :

مصحفی کہتے ہیں کہ انتیس برس کی عمر میں جوان اور مہذّب الاخلاق ہیں یعنی تعلیم و تربیت معقول حد تک ہے ۔ ابتدائے موزونیِ طبع سے فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں ۔ گویا فارسی، کا درک قدرتِ سخن تک حاصل کر لیا تھا ۔

مولانا آزاد کہتے ہیں :

"ابتدائی عمر تھی اور استعدادِ علمی تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ طبیعت مشاعروں میں کمال دکھانے لگی ۔ اُس وقت دوستوں کی تاکید سے درسی کتابیں دیکھیں، باوجود اس کے کافیہ کو کافی سمجھ کر آگے پڑھنا فضول سمجھا" (آبِ حیات، ص ۳۸۷) ۔

عشرت کا بیان ہے :

"ابھی لڑکا اچھی طرح جوان نہ ہونے پایا تھا اور تعلیم بھی نامکمل تھی کہ باپ نے انتقال کیا ۔ مزاج میں آوارہ گردی تھی اور سر پر کوئی مربی موجود نہ تھا ۔ فوج کے لڑکوں کی صحبت میں آتش بانکے اور شورہ پشت ہوگئے ۔ اُس زمانے میں بانکپن اور بہادری کی بہت قدر تھی ۔ آتش کو بہادری دکھانے

---

۱ - مزید بحث کے لیے دیکھیے ''انتخابِ آتش'' مؤلفہ حقیر، طبع کتاب منزل لاہور ۱۹۵۷ع، ص ۹ - نیز دیکھیے آتش کے بارے میں نجابت حسین خاں کا بیان جو آگے آ رہا ہے ۔

کے بہت سے مواقع ملے - مغل بچوں کی صحبت میں تیغ زنی بہت اچھی آ گئی تھی - آدمی تھے جیوٹ ، بات بات پر تلوار کھینچ لیتے تھے - کم سنی سے تلورے مشہور ہو گئے - سینکڑوں تلواریں کھائیں ، ہزاروں ٹانکے لگے - اس جوہر کے قدردان فیض آباد میں نواب میر (مرزا ؟) محمد تقی تھے جو آتش کو نوکر رکھ کر اپنے ساتھ لکھنؤ میں لے آئے ، انھی کے ساتھ ناسخ بھی فیض آباد سے لکھنؤ آئے" ('آب بقا' ص ۱۲) -

مرزا محمد تقی ، نواب آصف الدولہ کے خاندان سے تھے - نواب آصف الدولہ نے خورد سالی میں فرزندوں کی طرح پالا تھا - ('قیصر التواریخ' ج ۱ ، ص ۲۶ ، طبع دوم) فیض آباد اور لکھنؤ میں ان کی سرکار اہلِ کمال کی قدردان تھی - مصحفی کہتے ہیں :

"از تہِ دل بہ اہلِ کمال و صاحبانِ سخن از عطیۂ او زر بدست می آرند - ہر کس و ناکس را محروم نمی گذارد -" ('ریاض الفصحا' ص ۵۴) -

دولت و سخاوت سے عالموں اور شاعروں کی پرورش کرتے تھے - حکیم قدرت اللہ قاسم کا بیان ہے :

"در فیض آباد طرح مراختہ بخانہ می انداخت و بہ ہر کس بزرگانہ می ساخت -" ('مجموعۂ نغز' ص ۱۳۸) -
انھی بزرگوار نے آتش[1] کی سرپرستی کی -

آزاد ، صفیر بلگرامی ، عشرت ، عبدالحی اور خلیل الرحمن اعظمی وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آتش بانکے سپاہی تھے - ہوسکتا

---

۱ - 'آبِ بقا' ص ۱۲ - 'گلِ رعنا' ص ۳۵۹ طبع اعظم گڑھ ۱۳۴۲ھ -

ہے کہ نواب محمد تقی خاں کی سرکار میں بہ مدِ سپاہ ملازم ہوں - فیض آباد
میں نواب محمد تقی کی طرح اور بھی امیر زادے آتش کے شاگرد تھے -
ان لوگوں سے مالی امداد اور فنی قدردانی ہوتی رہی -

خواجہ آتش لکھنؤ میں :

آصف الدولہ نے ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ع - ۷۵ع میں فیض آباد کو
چھوڑ کر لکھنؤ کو دارالخلافہ بنایا ، اس لیے فیض آباد کی رونق کم
وگئی - آصف الدولہ کے متوسلین ، امراے دولت اور وابستگان امرا
کے لیے لکھنؤ پائیں باغ بن گیا ، بہت سے لوگ یہاں آکر بس گئے -
بہت سے ہنرمند جب چاہتے لکھنؤ آتے اور کچھ دن رہ کر پھر
فیض آباد چلے جاتے تھے - امرا کا بھی یہی دستور نظر آتا ہے - مرزا
محمد تقی ترقی بھی آصف الدولہ کے زمانے میں آتے جاتے رہے ('گل رعنا'
حاشیہ صفحہ ۳۵۹) - ممکن ہے کہ اسی زمانے میں آتش لکھنؤ آئے
اور یہیں کے ہو رہے ہوں - لیکن تذکرہ نگار کہتے ہیں :

"اس جوہر کے قدردان فیض آباد میں نواب[1] میر محمد تقی تھے جو
آتش کو نوکر رکھ کر اپنے ساتھ لکھنؤ میں لے آئے - انھی کے
ساتھ ناسخ بھی فیض آباد سے لکھنؤ آئے - اس وقت میں ناسخ
اور آتش کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم کبھی لکھنؤ میں شاعروں
کے زمرے میں آئیں گے اور ایک مشہور استاد کے نام سے
مشہور ہوں گے - سردی کے زمانے میں شب کو نواب صاحب کے

---

۱ - 'جواہر سخن' طبع ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد ۱۹۳۳ع جلد سوم
صفحہ ۱۲۵ -

پنبئی پردے اوڑھ لیتے تھے اور دن کو تنزیب کا انگرکھا پہنے ہوئے اکڑتے پھرتے تھے" (آب بقا، ص ۱۲، ۱۳) -

'گل رعنا'، 'تاریخ ادب اردو'، 'مقدمۂ کلام آتش' میں بھی یہی نقل ہے - میرے خیال میں آتش و ناسخ دونوں ہی نواب صاحب کے ایسے ادنیٰ متوسلین میں نہ تھے کہ پنبئی پردے اوڑھ کر رات بسر کرتے - ناسخ کے لیے اس روایت کے خلاف یہ ثبوت ہے کہ ان کے والد تاجر تھے اور ۱۲۱۶ھ سے پہلے وہ لکھنؤ میں تھے - ۱۲۱۶ھ میں انھوں نے رحلت کی اور ناسخ نے قطعۂ تاریخ کہا :

والدِ من از جہاں رحلت نمود   یا الٰہ العالمیں مغفور بد
گشت ناسخ سالِ تاریخِ وفات   با رسول ہاشمی محشور باد

۱۲۱۶ھ کے بعد مصحفی کا بیان ('ریاض الفصحا') ایسی لفظوں میں ہے جس سے یہ دونوں "وجیہ" اور خوش حال معلوم ہوتے ہیں - "جوان سپاہی پیشہ" یا "از متوسلانِ نواب ترق" کے نام سے یاد نہیں کیے گئے -

جناب کلب علی خاں صاحب نے لکھا ہے کہ مصحفی نے ۱۲۲۴ھ کے دیباچۂ دیوان ششم میں ناسخ کے لیے لکھا ہے :

"پس از انقضاے ایام چند چوں سلسلۂ موزونیت دراز کشید حصہ الوان ایس خوان بہ شیخ ناسخ کہ یکے از دوستان محمد عیسیٰ تنہا است و بہ فقیر ہم رسوخ از تہ دل دارد، مقسوم گشت تخلص خود را اسم بامسمیٰ انگاشتہ بر طرز ریختہ گویانِ سادہ کلام در عرصۂ قلیل خط نسخ کشیدہ[1] و از قفایش بر قدم

۱- 'آب بقا' ص ۱۲- 'گل رعنا' ص ۳۵۹- 'تاریخ ادب اردو' ص ۳۴۲ -

او خواجہ حیدر علی ہم در رسیدہ ۔ سمندِ تیزگامِ خیال را از دائرہ چرخ اثیر بیروں برد" (صحیفہ ، شمارہ ۴ ، ص ۸۴) ۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ۱۲۲۴ھ میں ناسخ نے اتنی شہرت و عزت حاصل کرلی تھی کہ مصحفی جیسا استاد عصر انھیں اسم بامسمیٰ کہنے میں باک نہیں کرتا ۔ اور آتش بھی اس درجے کے ہو چکے تھے کہ "از قفایش بر قدم او ہم در رسید" ہی نہیں بلکہ خیال کے سمندِ تیزگام کو فلک کے دائرے سے باہر لیے جا رہے تھے ۔ اس روشنی میں کون باور کرے گا کہ آتش نواب محمد تقی کے یہاں پنبئی پردے اوڑھتے تھے اور ناسخ کسی کے یہاں ادنیٰ درجے کے نوکر تھے ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مصحفی ۱۲۲۴ھ میں یہ بات کہتے ہیں اور دونوں لکھنؤ میں موجود نہیں ۔ فیض آباد سے ترقی ۱۲۳۱ھ کے بعد لکھنؤ آتے ہیں اور آتش سے مصحفی کا تعارف ہوتا ہے ؟ کس قدر غلط ہے یہ کہانی ۔

'قیصر التواریخ' کا مؤلف کہتا ہے :

"نواب بہو بیگم صاحبہ نے ۲۵ محرم "روز پنجشنبہ وقت زوال شمس[۱] ۱۲۳۱ھ" میں انتقال کیا ۔ یہ خبر سنتے ہی غازی الدین حیدر نے اپنے ولی عہد نصیرالدین حیدر کو فیض آباد بھیجا کہ خزانہ و محل کا انتظام سنبھال لیں ۔

---

۱ ۔ 'قیصر التواریخ' جلد اول میں (۲۵ محرم) ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۱۷ع ہے ۔ صحیح ۱۸۱۵ع ۲۷ دسمبر ہے ۔ جناب وحیدقریشی یہ واقعہ بحوالہ ترجمہ 'فرح بخش' ۱۲۳۰ھ کا بتاتے ہیں ۔ اورینٹل کالج مگیزین ، نومبر ۱۹۶۱ع ۔

"بعد اس کے مرزا محمد تقی خاں، مرزا حیدر مع اپنے صاحب زادوں کے مرزا محمد نصیر خاں، نواب اصغر علی خاں اور جتنے امرا و اقربائے جناب مرحومہ تھے، دل میں سب متمنی لکھنؤ آنے کے اور رہنے کے تھے۔ سب آئے، شرفِ ملازمت حاصل کیا۔ ہر صبح وقتِ دربار چائے پینے آتے تھے، زمرۂ کرسی نشیناں میں تھے۔ نواب ناظر محمد داراب علی خاں نے مرزا محمد تقی خاں سے بمنت اور تہِ دل سے عرض کیا کہ اگر آپ سب یہاں تشریف رکھیں گے، میں سب کی غلامی میں حاضر رہوں گا اور سرکار مرحومہ بھی بنی رہے گی اور آپ کا مرتبۂ نوابی بھی یہاں باعزت رہے گا۔ کسی نے نہ سنا اور نہ مانا۔ لکھنؤ میں آ کر لہو و لعب و مرغ بازی، بٹیربازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی میں مشغول ہوئے۔ لکھا روپیہ شرط و شروط میں صرف کیا۔ البتہ بظاہر موجب مزید آبادی لکھنؤ ہو گیا۔ آخر انجام کو نواب معتمد الدولہ کی جہت سے جو پیش آیا، سب جانتے ہیں[۱]۔"

ناصر کے تذکرے میں رشک کی زبانی یہ روایت ہے:

"مرزا محمد تقی خاں ترقی کے دولت خانے میں صحبتِ مشاعرہ مقرر اور روزمرہ وہاں ازدحامِ اہلِ فضل و ہنر۔ چار و ناچار میر مستحسن خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے کوئی بہتر نہ تھا، غزل دکھلائی اور ہنرمندوں کی زبان سے واہ وا پائی۔ چندے زمانہ اسی طور پر گذرا، ۱۲۳۱ھ میں ...... جناب

۱۔ 'قیصر التواریخ' ج اول، طبع دوم، ص ۳۳۴۔

عالیہ نے انتقال کیا اور سررشتہ روزگار کا برہم ہوا - عزم . . .
لکھنؤ کا ٹھہرا - اس وقت . . . دریافت حال شعراے لکھنؤ
میر صاحب مرحوم سے کیا اور سفارش چاہی . . . فرمایا
کہ میرے دوستوں میں . . . ناسخ ہیں کہ طبیعت ان کی بہت
متین اور فی زماننا ایسا شاعر نہیں ، ان کی خدمت میں حاضر
رہنا - میں نے خط سفارش کا طلب کیا - کہا احتیاج نہیں -
میرا سلام کہنا اور اپنا کلام پڑھنا" (حاشیہ 'تذکرہ ابن طوفان'
ص ۴۴ - نیز خوش معرکۂ زیبا جلد ، دوم ص ، ۳۰۹) -

رند بھی فیض آباد میں خلیق سے اصلاح لیتے تھے - لکھنؤ آئے
تو آتش کی شاگردی اختیار کی ('تاریخ ادب' ص ۳۴۸ ، تفصیل
آگے آئے گی) - اسی مرکزیت کی وجہ سے ناسخ و آتش کو لکھنؤ کے
نئے دبستان کا بانی کہا جاتا ہے -

معلوم ہوتا ہے کہ آتش و ناسخ[1] ابتداے عمر میں جب
فیض آباد میں تھے ، ترقی کے یہاں ملازم ہوگئے - پھر لکھنؤ آکر
مستقل زندگی گذارنے لگے - جب ترقی ترکِ وطن کر کے لکھنؤ آئے
تو یہاں پھر وہی دربار جما اور فیض آبادی دوست جمع ہوئے - آتش

---

۱ - پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دو قلمی رسالے ہیں : (۱) رسالہ
در صنعت (۲) رسالہ تاریخ در باب وفات ائمہ و بعضی وفات
پادشاہان سلف و حال - اس نامعلوم المصنف رسالے میں ناسخ کے
متعدد نادر قطعات تاریخ ہیں ، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ
۱۲۱۲ھ میں لکھنؤ میں تھے اور واقعات و عمارات کے لیے ان
سے تاریخیں کہلوائی جاتی تھیں -

بھی اس سرکار سے وابستہ ہو کر بانکوں میں مشہور ہو گئے ۔ حالات و روایات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ نوابی ٹھاٹھ کے آدمی تھے ، مگر آتش کی طبیعت میں انکساری تھی ۔ وہ عوامی زندگی پسند کرتے تھے اور ان کی جوانی شوخیوں میں گزری ۔

کیا آتش فوج میں ملازم تھے ؟ :

آتش کی شعروشاعری کے چرچے تو عام ہیں لیکن ان کی زندگی کا دوسرا رخ اور ان کے طبعی میلان کا ایک اور میدان بھی تھا اور وہ سپاہیانہ شان ہے ۔ عام طور سے آتش کا نام سنتے ہی ایک بانکے جوان یا ایک آزاد منش فقیر طبع بہادر کا تصور ہوتا ہے ۔ 'آب حیات' اور 'آب بقا' پڑھ کر بعض لوگوں کا تاثر تو یہ ہے کہ خواجہ صاحب ایک بانکے تلوارئیے اور شورہ پشت آدمی تھے ('گل رعنا' ص ۳۶۰) ۔

۱۸ جولائی ۱۹۶۲ء کے "معاصر" پٹنہ میں جناب سید حسن صاحب نے نجابت حسین خاں عظیم آبادی کا ایک سفر نامہ شائع کیا ہے ، جس میں لکھا ہے :

"در اوائل ایام جوانی خیالے پیشۂ شجاعت و وضع سپاہیانہ داشتند و افسر رسالہ داراں بودند" (سوانح لکھنؤ ' معاصر ص ۶۸) ۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ آتش نے ۱۲۲۱ھ یا بہ الفاظ دیگر "ریاض الفصحا" میں "ذکر آتش" لکھے جانے کے بعد فوج میں نوکری کرلی تھی ۔

اس ملازمت کی مدت کیا تھی ؟ اور بہ حیثیت افسر رسالہ داراں

آتش کی آمدنی و عزت کیا تھی ؟ ابھی ان سوالوں کے جواب باقی ہیں ۔ البتہ کلب حسین خاں نادر نے لکھا ہے :

"استادِ زمانہ ، بے مثل و یگانہ خواجہ حیدر علی مرحوم رئیس بلدۂ جنت نظیر لکھنؤ" ('تذکرہ نادر' ص ۱۸) ۔

یہ ریاست "افسریِ رسالہ داراں" بھی ہو سکتی ہے اور وہ آمدنی بھی جو بقول عشرت :

"شادی سے پہلے آتش کو ایک ہزار روپیہ ماہوار ملتا تھا" ('آب بقا' ص ۱۳) ۔

سفر :

آتش ، علما و ارکانِ دولت میں شمار نہ ہوتے تھے ۔ اس لیے ناسخ کی طرح ان کی زندگی کے جزئیات نہیں ملتے ۔ کیا معلوم کس سپاہ میں ملازم تھے اور کب اس عہدے سے سبکدوش ہوئے ، کون کون سے کارنامے انجام دیے ، کس کس جگہ کے سفر کیے ۔ ایک شعر ایسا ہے جسے دیکھ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دہلی کا سفر تو نہیں کیا ؟

اک تختہ ہفت کشور دہلی کا ہے ہمارے
نو آسماں ہیں اپنے اکبر کے نو رتن میں

صفدر مرزا پوری نے "حسنِ خیال" میں آتش کو الہ آباد کے ایک مشاعرے میں شریک بتایا ہے :

---

۱ ۔ 'حسن خیال' صفحہ ۱۰۱ ۔ الہ آباد کا یہ سفر کس سنہ میں ہوا ؟ اس کے لیے بحث تفصیل طلب ہے ۔ نیز دیکھیے 'انتخابِ ناسخ' طبع کتاب منزل لاہور ، ص ۲۲ ببعد ۔

"ایک دفعہ الہ آباد میں ایک معرکۃ الآرا مشاعرہ تھا ، شیخ ناسخ اور خواجہ آتش اور دونوں کے شاگردوں کا ہجوم تھا۔ شیخ ناسخ نے طرحی غزل میں جب یہ شعر پڑھا :

دم خفا زیرِ زمیں ہے ، مدد اے جوشِ جنوں
آشنا چاکِ گریبان کفن بھول گئے

تو شیخ صاحب کے شاگردوں نے مشاعرے کو سر پر اٹھا لیا اور کہنے لگے کہ یہ قافیہ شیخ صاحب کا حصہ ہو چکا ہے ، دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ اس فقرے پر خواجہ آتش بھڑک اٹھے اور فوراً اپنے شاگرد خاص مرزا اعظم علی اعظم کو جو میر مشاعرہ تھے ، یہ شعر کہہ کردیا :

یاد انجام کسے عالمِ اسباب میں ہے
جامہ زیبی پہ اکڑتے تھے ، کفن بھول گئے

مصحفی سے عشرت تک تمام تذکروں میں آتش کو مقبول و محبوب شاعر قرار دیا گیا ہے۔ مشاعروں اور نجی محفلوں میں لوگ ان کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مگر خود آتش کی زندگی کا ڈھنگ مصاحبوں اور امیروں کا نہ تھا۔ غالباً آزاد اور عشرت نے ان کے اسی دور کی یہ تصویر محفوظ کی ہے :

"چھریرا بدن ، کشیدہ قامت ، سیدھے سادے ، بھولے بھالے آدمی تھے۔ سپاہیانہ انداز اور آزادنہ وضع رکھتے تھے۔ اور اس لیے کہ خاندان کا تمغہ بھی قائم رہے ، کچھ رنگ فقیری کا بھی تھا۔ ساتھ اس کے بڑھاپے تک تلوار باندھ کر سپاہیانہ بانک پن کو نباہے جاتے تھے۔ سر پر ایک زلف اور کبھی حیدری

'چٹّا کہ یہ بھی محمد شاہی بانکوں کا سکّہ ہے ، اسی میں ایک طرّہ سبزی کا بھی لگائے رہتے تھے اور بے تکلفانہ رہتے تھے ۔ اور ایک بانکی ٹوپی بھوں پر دھرے جدھر چاہتے چلے جاتے تھے" ۔ ('آب حیات' ص ۳۸۷) ۔

جیسے یہ کہانی آتش کی آزادنہ زندگی سے متعلق ہے ، ابھی بال بچوں کے پھیر اور بڑھاپے کے دباؤ میں نہیں آئے تھے ۔ اسی زمانے کی دوسری تصویر عشرت سے سنیے :

"گورے ، شکیل ، وجیہ ، چھریرا بدن اور رندانہ وضع کے آدمی تھے ۔ آدھا سر منڈا ہوا ، آدھے سر پر پٹے(اس وقت اچھے بانکوں کی یہی وضع تھی اور ان کو اک پٹے جوان کہتے تھے) کھانڈا باندھتے تھے ۔ بھنگیری کی دوکان پر چرس کا دم لگا رہے ہیں ۔ کسی نے ان کو دیکھ کر کھنکارا یا سامنے سے مونچھ اونچی کرتا ہوا نکلا ، بس غضب آ گیا ۔ تلوار کھینچ لی اور کہا :"آؤ ہمارے تمہارے دو دو ہاتھ ہو جائیں ۔" ('آب بقا' ص ۱۳) ۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ سنیے :

"غازی الدین بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنے وزیر معتمد الدولہ سے پوچھا : "ہمارے شہر میں کوئی نامی شاعر بھی ہے ؟" عرض کیا : "شاعر تو بہت ہیں لیکن ان میں شیخ امام بخش ناسخ اور خواجہ حیدر علی آتش بہت مشہور ہیں ۔" ارشاد ہوا : "اچھا ہماری کوٹھی میں مشاعرہ منعقد کیا جائے ۔" معتمد الدولہ نے اس مشاعرے کی خبر ناسخ کو کردی اور انھی کی تجویز سے تاریخ اور مصرعِ طرح مقرر ہوگیا اور آتش کو ایک روز

پیشتر چوبدار کے ہاتھ رقعہ طلب آیا ۔
بہت پیچ و تاب کھا کر کہا : "معتمد الدولہ نے اچھا سلوک کیا ۔ اب یہ شہر ہمارے رہنے کے قابل نہیں رہا ۔" یہ کہہ کر گھر میں کہلا بھیجا "کچھ شگوں کی روٹی پکا دو ، ہم کچھ دنوں کے لیے لکھنؤ چھوڑ دیں گے ۔" دوسرے روز علی الصباح گھر سے پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے ۔ سنہری برج میں مرزا محمد تقی ، مرزا حیدر صاحب بیٹھے ہوئے سیر دیکھ رہے تھے ، آتش کو دیکھ کر کہا :"استاد آج گھر سے کیوں نکلے؟" آدمی بھیج کر بلوایا ۔ آتش نے کہا "ہمارا سلام کہہ دینا اور کہنا ہم سفر کو جارہے ہیں ۔"مرزا محمد تقی یہ سن کر خود بوچے پر سوار ہو کر آتش کے پاس پہنچے ، راہ میں روک کر سب حال دریافت کیا اور کہا "استاد آپ کو اس کی کیا پرواہ ہے ۔ آپ نہیں جانتے کہ میرے پاس پانچ سو بانکا پچاس پچاس روپیہ ماہوار کا ملازم ہے ۔ یہ کس کام آئے گا ۔ آپ دیکھ لیجیے گا ۔ اگر معتمد الدولہ نے ہٹ دھرمی کی تو بارہ دری میں لہو کی ندیاں بہہ جائیں گی ۔" مرزا صاحب دس ہزار روپیہ کے وثیقہ دار تھے ، ان کے سمجھانے سے آتش وہیں بیٹھ رہے اور شام تک غزل کہا کیے ۔
اتنی دیر میں مرزا صاحب نے آتش کی طرف سے ایک درخواست لکھی : "حضور! میں ایک فقیر گوشہ نشیں ہوں ۔ اگر حضور نے یاد فرمایا ہے تو اتنی اجازت چاہتا ہوں کہ سب سے پیشتر غزل پڑھوں اور دوسری گذارش یہ ہے کہ خاص گڑگڑی مرحمت ہو ۔" یہ عرضداشت محل کے اندر پیش ہوئی ۔ اگرچہ دربار میں سوائے بادشاہ کے یہ حق کسی کو نہ تھا مگر منظوری دی گئی ۔ شام تک مشاعرے کی دھوم ہو چکی تھی ۔ نواب

عضنفرالدولہ ، نواب مہدیعلی خاں ، نصرت یار خاں ، رند ، خلیل
اور دوسرے شاگردان آتش مرزا تقی صاحب کے یہاں جمع ہوئے۔
جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ ناسخ اپنےشاگردوں سمیت مشاعرے
میں پہنچ گئے تو آتش نے بھی ٹوٹی تلوار کمر سے لگائی ۔ ایک
تہمد باندھے آزادانہ وضع سے نکلے ۔ خادم نواب سڑ پر چتر لگائے
شاگردوں اور نواب کا رسالہ جلو میں لیے مرنے کٹنے پر تیار
ہوکر مشاعرہ گاہ میں پہنچے ۔

بادشاہ صدر محفل میں ، اراکین سلطنت با ادب ایستادہ ، آگے
چلمن پڑی ہوئی ، بارہ دری کی بغل میں داہنی طرف ناسخ اور
ان کے شاگرد فروکش اور بایاں رخ خواجہ کے شاگردوں کے
لیے خالی ۔ درمیانی حصے میں اعلیٰ حضرت کے سامنے کسی کو
بیٹھنے کی اجازت نہیں ۔

خواجہ اسی انداز سے آئے اور حضور کے سامنے والے حصے
میں کورنش بجا لائے اور بیٹھتے ہی عرض کی :

”حضور وعدہ پورا ہو !“

بادشاہ نے اشارہ کیا ، ایک خواص خاص گڑگڑی لے کر حاضر
ہوا ۔ پھر عرض کیا : ”اجازت ہے غزل حاضر کروں ؟“ فرمایا :
”ہوں“ ۔

آتش گڑگڑی لے کر مشاعرے کے پینترے سےبیٹھے اور اسی
ٹھاٹھ سے اپنی غزل پڑھنے لگے ۔ تمام سامعین وجد میں آ گئے ۔
بادشاہ بھی خوش ہوئے ۔ بعض شعروں میں ناسخ پر چوٹ بھی
تھی جسے بادشاہ سن کر مسکرائے ، غزل تھی :

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

ہوتا ہے سن کے زرد جو نامرد مدّعی
رستم کی داستان ہے ہمارا فسانہ کیا ؟

یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش ، غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

آتش کے سب شاگرد بائیں طرف بیٹھے تھے ، استاد کی تعریف کر رہے تھے ۔ دل کھول کر لوگوں نے تعریف کی ۔ شاہی حکم سے دہرا خلعت مرحمت ہوا ۔ مگر اس شاعرِ درویش میرت نے عرض کیا "میری عزت وہی کافی ہے جو حضور نے خاص گڑگڑی مرحمت فرما کر دی ہے ۔" بڑے تیور سے سلام کر کے خوشی خوشی گھر واپس آئے ۔" ('آبِ بقا' ص ۱۷ ببعد) ۔

ہو سکتا ہے کہ اس بیان میں مبالغہ ہو مگر آتش کے کلام و کمال سے اس قسم کے واقعے کا کسی نہ کسی حد تک ظہور پذیر ہونا ممکن ہے ۔

مولوی صادق علی کہتے تھے :

"آتش کو میں نے دیکھا ہے ، گیروا تہبند باندھتے تھے ، ڈنڈا ہاتھ میں رہتا تھا جس میں ایک چھلّا سونے کا رہتا تھا ۔ دوسرے تیسرے فاقے کی حالت میں چھلّا رہن رکھ کر فاقہ شکنی کرتے تھے ۔ سچے کام کا سلیم شاہی جوتا ایک اشرفی کی

قیمت کا پہنتے تھے ، بے طمع اور بے غرض تھے ۔ کبھی شاگرد سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کرتے تھے ۔ اور اکثر اپنی دولت دعوت اور ضیافت میں لٹا دیا کرتے تھے۔ کچھ تنخواہ اودھ کے بادشاہ کی طرف سے ملا کرتی تھی ، وہ چار دن میں خرچ کر ڈالتے تھے ۔" ('آب بقا' ص ۱۴) ۔

نواب سعادت علی خاں مرحوم کی وفات ۲۹ رجب ۱۲۲۹ھ (۱۸ جولائی ۱۸۱۴ع) کے بعد غازی الدین حیدر بہادر مرحوم بادشاہ تو ہو گئے مگر بے ملک و فوج تھے ۔ انگریزوں نے پورے ملک کی داخلی و خارجی سیاست اور تمام آمدنی و ریاست پر قبضہ کر لیا تھا ۔ جب سپاہی اور نوجوان لڑائی سے مطمئن ہو کر بیٹھ گئے تو عیاشی و تماش بینی نہ کرتے تو کیا کرتے ؟ فوج برطرف اور سپاہی خانہ‌نشین تھے ۔ کوئی تعجب نہیں کہ آتش بھی ان دنوں اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے ہوں ۔ شاعر تھے طبیعت دار اور ناسخ سے تھا مقابلہ اس لیے آہستہ آہستہ سپاہ گری چھوڑ کر فقط شاعری کے ہو رہے ۔

شادی :

عشرت لکھنوی نے لکھا ہے :

"نواز گنج کے قریب چوپٹیوں سے آگے ماھولال کی چڑھائی مشہور ہے ۔ وہاں سے اتر کر ایک چھوٹا سا باغیچہ اور ایک کچا سا مکان تھا ، وہ آتش نے خرید لیا تھا اور اسی میں رہنے لگے ۔ مکان لینے کے بعد آتش نے اپنا نکاح کسی شریف خاندان میں کر لیا ۔ تھوڑے زمانے کے بعد ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام محمد علی رکھا ۔

ان کی بیوی بہت نیک عورت تھی - ان کی وارستہ مزاجی اور اس کی گرہستی نے مل کر گھر کو سنبھال لیا - عقد سے پہلے تو آتش کو ایک ہزار[1] روپیہ ماہوار ملتا تھا ، جب بھی مہینے میں دو ایک فاقے ضرور ہو جاتے تھے ، لیکن نکاح کے بعد بی بی کے پس انداز کرنے سے میاں فاقے سے بچ جاتے تھے" -('آب بقا' صفحہ ۱۳) -

اس بیان سے اندازہ لگایا جائے تو ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ع کے لگ بھگ آتش کے عقد کی تاریخ نکلتی ہے - اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محمد علی جوش کی شادی اس وقت ہوئی جب آتش کی بینائی جا چکی تھی - فرض کیجیے ۱۲۶۰ھ کا یہ واقعہ ہے تو جوش کی عمر اٹھارہ سے پچیس برس تک ہونا چاہیے - اس حساب سے بھی کم از کم ۱۲۴۰ھ ہی کا حساب بیٹھتا ہے - لیکن ۱۲۴۰ھ میں خواجہ صاحب اڑتالیس سال کے ہوتے ہیں - اگرچہ اس سے ہمارا مفروضہ غلط نہیں ہوتا لیکن اس تحدید کو ذرا اور بڑھا لیا جائے تو ۱۲۳۰ھ اور ۱۲۴۰ھ کے درمیان عقد کا ماننا غلط نہ ہوگا - اس سے پہلے کا زمانہ وقین مزاجی میں گزرا ہو تو کوئی عجب نہیں :

حسینوں نے بھی آتش خوب لوٹا
رہا فرمائشوں سے خرچ پر خرچ

ڈھلتی ہے عاشقانہ ہماری غزل تمام
چھانے ہوئے ہیں کوے فرنگی محل تمام

وہ پھول کون سا ہے کہ سونگھا نہیں جسے
چکھے ہوئے ہیں باغِ جہاں کے یہ پھل تمام

---

۱ - ایک ہزار روپے ماہوار کی آمدنی مبالغہ معلوم ہوتا ہے -

اور آخر میں ایک شعر یہ بھی دیکھیے :

میں ایسے صاحب عصمت پری پیکر پہ عاشق ہوں
کہ حوریں آکے پڑھتی ہیں نمازیں جس کے دامن پر

درباری سیاست اور شہر کے ہنگاموں سے آتش کو دل چسپی نہ تھی ۔ ناسخ کی خوش اقبالی ، علم اور دولت کی بنا پر آتش کا وہ زور تو نہ تھا مگر شہر کے امیر و غریب ، شاعر و سخن فہم خواجہ کی قدر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی آمدنی اچھی خاصی ہوجاتی تھی - نواب سید محمد خاں رند ، امیر بھی تھے اور شاگرد بھی ، عیش و نشاط کے دل دادہ اور آتش کے فدائی ، کچھ نہ کچھ وہ دیتے ہوں گے - فقیر محمد خان گویا شاگرد تو ناسخ کے تھے مگر آتش کو بھی پچیس[1] روپے ماہوار نذر کرنے کی روایت ہے ۔ دربار سے بقول نجابت حسین خاں ساٹھ روپے مہینہ اور بقول محمد حسین آزاد اسّی روپے مہینہ ملتا تھا ۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں :

"پندرہ روپے گھر میں دیتے تھے ، باقی غربا اور اہلِ ضرورت کو کھلا پلا کر مہینے سے پہلے ہی فیصلہ کر دیتے تھے" ۔ کلب حسین خاں نادر ، آتش کو "رئیسِ بلدۂ جنت نظیر لکھنؤ" کہتے ہیں ۔ یہ ریاست وظیفہ دربار ہی کا دوسرا نام ہے وگرنہ گھر میں صرف ایک خزانہ شعر تھا اور اس کے لیے بھی یہ اعلان :

۱۔ آمدنی کے بارے میں صرف سنی سنائی باتیں ہیں ۔ صحیح مقدار اور ماہانہ آمدنی کا حساب کسی نے نہیں لکھا ۔ دیکھیے 'آب حیات' ص ۳۸۸ ، 'آب بقا' ص ۱۴ ، 'گل رعنا' ص ۳۶۰ ، 'تاریخ ادب اردو' ص ۲۴۳ ، 'جواہر سخن' ص ۱۲۵ (پچاس روپے ماہوار جو شاہی عطیہ تھا) ۔

جو چاہے بیچ لے چھپوا کے اپنے دیواں کو
ہمارے پاس ، سوا اس کے اور مال نہیں

استاد ولی عہد واجد علی شاہ :

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آتش گھر بیٹھے واجد علی شاہ اختر کے اشعار دیکھتے تھے ۔ 'آب بقا' کی روایت ہے :

"ولی عہدی کے زمانے میں حضرت محمد واجد علی شاہ آخری شاہ اودھ ، آتش کے شاگرد ہوئے ۔ سو روپے ماہوار دیتے رہے ۔ غزل اصلاح کو بھیج دیا کرتے تھے ۔ آتش نابینا تھے ، غزل سن کر شاگرد سے اصلاح لکھوا دیا کرتے تھے ۔ ایک شعر پر بادشاہ کو کچھ شک ہوا ، رفقا سے بیان کیا ، سب نے کہا: خداوند ! آپ کا شعر بے مثل ہے ۔ آتش نابینا ہیں ، شاگرد جو چاہتا ہے کاٹ دیتا ہے ۔ یہ خبر آتش کو معلوم ہوئی ۔ دوبارہ غزل آئی ۔ اس پر لکھ دیا : ماشاء اللہ خوب غزل کہی ہے ۔ اس سہ ماہی میں جتنی غزلیں آئیں سب پر یہی لکھ دیا ۔ جب سہ ماہی تنخواہ آئی تو واپس کر دی اور کہا "میں حرام کی تنخواہ نہیں لیتا ۔ جب غزل بناتا تھا ، تنخواہ لے لیتا تھا ۔ اب اصلاح نہیں ہوتی ، تنخواہ کس بات کی لوں ؟" بادشاہ نے علی نقی خاں وزیر کو بھیجا ، آتش نے یہی جواب دیا ۔ علی نقی خاں نے شاگردوں سے ناراضگی کا سبب دریافت کر کے بادشاہ[1] سے بیان کیا ۔ بادشاہ خود معذرت کے لیے آتش کے مکان پر آئے ۔" ('آب بقا' ص ۲۹) ۔

---

۱ ۔ عشرت خود کہتے ہیں کہ واجد علی شاہ کی ولی عہدی تھی ۔ پھر علی نقی خاں کو وزیر اور ولی عہد کو بادشاہ کہنا کس قدر زیادتی ہے ۔ آتش ، واجد علی شاہ کی تخت نشینی سے پہلے انتقال کر چکے تھے ۔ مرتب

سیرت و کردار :

آتش کی طبعی افتاد اور نفسیاتی رجحانات کا ایک عکس تو وہ کہانیاں ہیں جو آتش کے دوستوں اور مخالفوں میں مشہور تھیں۔ ان میں سے بعض باتیں نقل کر چکا ہوں۔ دوسرے وہ معتدل خیالات ہیں جو تذکروں میں معاصر مصنفوں نے لکھے ہیں۔ کسی نے ان کو بداخلاق نہیں بتایا، نہ ان کے کلام میں اس کی سندیں ملتی ہیں۔ مصحفی نے ان کے شباب کا کلام لکھا ہے اور کلیات میں ہر دور کی چیزیں ہیں لیکن ان میں اخلاقی گراوٹ کا واضح ثبوت نہیں ملتا۔ کچھ شعر ایسے بھی[1] ہوں گے مگر وہ ان کے معاصر شعرا کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ہاں ان میں قلندرانہ انداز، خوش اعتقاد مسلمان کے جذبات[2] اور نام و نمود سے بے نیازی، سادگی اور تیکھا پن ضرور ہے۔ اس سلسلے میں وہ اس حد تک آزاد و بے نیاز ہیں کہ :

توڑتا پاؤں کو جو تخت کی خواہش کرتے
کاٹتا سر کو اگر مائلِ افسر ہوتا

بانٹ چاہے جسے دولت دوجہاں کی اے دوست
چاہتا تیرے سوا کچھ نہیں خواہاں تیرا

---

۱ - بعض شعر ایسے ضرور ہیں جن کی بنا پر تنقیدی اور تحلیلی بحث اٹھ سکتی ہے۔

۲ - مثلاً :

پہنچا مجاز سے جو حقیقت کی کنہ تک
یہ جان لے کہ راستے میں پھیر پڑ گیا

شاعر ہوں، کیا سمجھ کے ہنسوں بادہ خوار پر
قولِ دروغ کم نہیں فعلِ حرام سے

کہتے ہیں کہ بھنگ کا شوق تھا اور وارث علی ان کے رفیق انھیں گھوٹ کر پلایا کرتے تھے۔ ('آب بقا' ص ۴۱) ہوسکتا ہے آخر میں اس سے بھی توبہ کرلی ہو (جیسا کہ آیندہ واقعات سے گمان ہوتا ہے) ۔

میل جول میں وسیع الاخلاق تھے ، نان و نمک میں سب کو شریک کرتے تھے ، خودداری و غیرت مندی کی وجہ سے امیروں کی درباداری سے دور رہے ۔ ہاں ناسخ کے حریف تھے اور خوب خوب چوٹیں چلتی تھیں ، یہاں تک کہ غلام کی پھبتی بھی کہی ہے :

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفے میں بازیِ غلام نہیں

ناسخ نے کہا :

جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام نہیں
ہزار بار جو یوسف بکے ، غلام نہیں

منشی امیر اللہ کہتے تھے :

"جس وقت ہم نے آتش کو دیکھا کوئی ستّر کے قریب ہوں گے ۔ ایک بالشت سے زیادہ ڈاڑھی تھی ، مہندی کا خضاب کرتے تھے ، معالی خاں کی سرا میں رہتے تھے۔ ایک لنگوٹ باندھے ٹوٹے ہوئے کھٹولے پر ، جو زمین دوز تھا ، تکیہ لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ بھچ بھچا حقہ سامنے رکھا رہتا تھا ۔ جو کوئی امیر غریب آتا ، سب کے سامنے وہی ٹوٹا حقہ پیش ہوتا ۔ وارث علی خاں ان کے رفیق بھنگ گھوٹ کر پلایا کرتے تھے ۔

مزاج میں توکل تھا ، جو کچھ آتا اس کو اسی روز خرچ کر ڈالتے تھے ، دوسرے روز کے لیے کچھ نہ رکھتے تھے۔ جس روز فاقہ ہوتا ، دروازہ بند کرکے گھر میں رہتے۔ ایک روز فقیر محمد خاں گویا

کو معلوم ہوا کہ آتش آج کل بہت تکلیف میں ہیں ۔ کچھ روپیہ لے کر گھر پر آئے ۔ دروزہ بند تھا ، آواز دی ۔ اندر سے آواز آئی "کون ہے ؟" یہ بولے : "فقیر!" آتش نے کہا "فقیر کا میرے یہاں کام نہیں ، آج خدا سہمان ہے" (فاقہ ہے) ۔ دوسرے روز پھر آئے ، مشکل سے دروازہ کھولا ۔ ان کا لڑکا بہت کم سن تھا ۔ کوٹھے پر کنکوا اڑا رہا تھا ۔ سامنے بلایا اور اس کا کنکوا ، چرخی ، ڈور دیکھ کر کہا "یہ کنکوا تو اچھا نہیں ہے ، کنی لیتا ہوگا ، ڈور بھی اچھی نہیں ستی ہے ۔ دو ہزار کی دو تھیلیاں سامنے رکھوا دیں کہ لو بھئی اس کا ڈور کنکوا منگانا ۔

آتش اس بات کی تہ کو پہنچ گئے کہ خاں صاحب مجھ کو زیربار احسان کرنا چاہتے ہیں ۔ کہنے لگے "خان صاحب ! آپ کو چاہیے تھا اس کو تادیب دیتے کہ ایسے اشغال سے باز رہتا ، نہ کہ آپ خود ڈور کنکوے سے مدد دیں ۔" یہ کہہ پانچ روپے نکال کر دیے اور کہا "خان صاحب کو سلام کرو ۔ اس کی چیز کھانا" باقی روپے خاں صاحب کو واپس کر دیے ۔"
گھی میں تلی مرچیں کھایا کرتے تھے ('آب بقا' ص ۱۴) ۔

سید محمد رضا سیّاح بلگرامی نے خواجہ کے بارے میں بتایا کہ انھیں کبوتروں کا بہت شوق تھا ۔ ان کے رہائشی کمرے میں کبوتروں کی ڈھابلیاں تھیں اور کبوتر آن کے سر و گردن پر بے تکلف بیٹھ جایا کرتے تھے ۔ (مقدمۂ کلامِ آتش ، ص ۲۴ ، بحوالۂ جلوۂ خضر ، ص ۱۰۷) ۔

آتش سے ملنے والوں کے تاثرات :

آتش کے بے شمار ملنے والوں میں سے ان کے استاد غلام ہمدانی

مصحفی کا تاثر سب سے اہم اور مقدم ہے ۔ انھوں نے آتش کے بارے میں "جوانِ وجیہ ، مہذب الاخلاق" اُس وقت لکھا ہے جب ان کی عمر انتیس برس تھی (۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ع - ۱۸۰۷ع) ۔ اس کے بعد نواب سید محمد خاں رند ہیں جو پہلے میر خلیق (متوفی ۱۲۶۰ھ) کے شاگرد تھے اور فن میں پختگی پیدا کر چکے تھے ۔

رند بڑے خاندان کے بڑے آدمی ہیں ، ان کا بیان استاد کے مقابلے میں شاگرد کا تاثر ظاہر کرتا ہے ۔ 'گلدستۂ عشق' کے خاتمے میں خود رند کی عبارت ہے :

"و راقم آثم بتاریخ ہفتم رجب ۱۲۴۰ ہجری از فیض آباد واردِ دارالخلافت لکھنؤ گردیدم ۔ از حسنِ اتفاقات باجناب مولائے معظم و مکرم زبدۂ شعرائے عالم ، خلاق المعانی ، نہنگِ بحرِ سخندانی ، غـوّاصِ بحارِ کمال ، فارسِ مضمارِ سحر حلال ، صیرفیِ دینارِ بلاغت ، محکِ عیارِ فصاحت ، چکیدۂ قلمِ اعجاز رقمش را اگر مغز قلم گویم بجاست و زادگان طبع وقادش را اگر یوسفِ وقت خوانم زیباست ۔ ابلغ البلغا ، افصح الفصحا جناب خواجہ حیدر علی صاحب متخلص بہ آتش مدظلہ العالی ملاقات افتاد ۔ بصد ذوق و کمالِ شوق استدعائے تلمذی بخدمت فیض موہبت شاں نمودم ۔ از وفور مہربانی ھا و اقتضائے حسن اخلاق کہ طریقۂ مرضیہ و شیوۂ سنیہ ذاتِ بابرکات است ، عرض آثم مقبول گردید ۔ ازاں روز داخل زمرۂ شاگردان عقیدت گزیں و حلقہ بگوشان ارادت آئیں گشتہ ۔" (تحریر ماہ رجب ۱۲۴۸ھ) ۔

تیسرے آدمی نجابت حسین خاں عظیم آبادی ہیں جو ۲۳ صفر ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ع کو آتش سے ملے ہیں اور بے حد اہم اطلاعات چھوڑ

گئے ہیں ۔ مجھے یہ اقتباس کلب علی خاں فائق صاحب نے مہیا کیا ہے :

"حاضر شدن بہ خدمت خواجہ حیدر علی صاحب آتش و ذکر خوبی اخلاق ، کمال شہرۂ آفاق شان مع غزلہا کہ از زبانِ خود ارشاد نمودند :

تاریخ بست و سوم روز سہ شنبہ ، چہار گھڑی روز برآمدہ ہمراہ نواب مرزا صاحب و مرزا افضل علی صاحب بہ خدمت عالی افضل شعرائے ریختہ گویاں اکمل فصحائے طلاقت لسان . . . جناب خواجہ حیدر علی آتش . . . حاضر شدہ ، شرف اندوز ملازمت گردید ۔ چہرۂ نورانی باریش سفید و قامت کشیدہ دارند ۔ سنِ شریف قریب[1] ہفتاد ، طبع ہوایش از قیدِ حرص و ہوا آزاد ، با وضعِ سادہ و طبعِ درویشانہ پارچہ کرتہ (؟) در بر ، فرشِ حصیر بردرگسترده ، نشستہ بودند ۔ باکمال عزت و قدر وحیدِ عصرند ۔ نخوت و کبر گرد خاطر شریفش نہ گشتہ و از مضمونِ جود و کرم در طبعِ لطیفش معنیِ دیگر نہ گذشتہ ۔ حرارتِ ایمان و بستگی بیش تر و افکار قصائد مدح علی ابن ابی طالب علیہ السلام اکثر دارند ۔ و تسلی طبع بہ استماع اخبار شہر و دیار بسیار ، اذکار آں اخبار بتکرار زیب بیان می فرمودند ۔ چنانچہ بدریافت سبب ورود راقم محض بزیارت کملائے ایں دیار خیلے متوجہ شدہ حالات شہر عظیم آباد تا دیر مستفسر ماندند ۔ ہرچند در اوائل ایام جوانی خیلے پیشۂ شجاعت و وضع سپاہیانہ داشتند و افسر رسالہ داراں بودند و دراں ہنگام توجہ خاطر شریفش بہ شعر و سخن چنداں نہ بودہ مگر از زمانے کہ ازاں حال درگذشتہ ، درویشانہ

---

۱ ۔ یہاں سے لوگوں کے تخمینوں کا خیال رکھا جائے ۔

در آمدند ۔ باندک توجہ علمِ نام آوری در شعر و سخن افراشتند کہ صیتِ فضائلِ شان باکناف عالم رسیدہ و ظاہرا شاگردِ احدے دریں فن نہ بودہ اند ۔ و پیوستہ در مشاعرہ موردِ تحسین و آفریں ماندند ۔"

اربابِ دولت سے بے نیازی کی ایک مثال :

"چوں در اوائل ایام متانت بسیار در طبع خواجہ صاحب موصوف بودہ ، از استغنائے کمال بطلبِ ہر خاص و عام از جای خود نمی برخاستند لہٰذا باستماع ایں حال نواب معتمدالدولہ عرف آغا میر ہرچند ایشاں را چند بار طلب کردہ مگر ایشاں (نرفتند) ۔ ہر چند ایں امر بر طبع نواب گراں آمد صحبت مشاعرہ در مکان نو تعمیرِ خویش قرار دادہ بجمیع شعرائے حضار حکم داد کہ احدے لب بتوصیفِ کلامش نہ کشاید ۔ چوں ایں صحبت قرار یافت در عین صحبت آتش را طلب داشتہ مصرع طرح عنایت نمود کہ فوراً غزل گفتہ شریک صحبت شوند ۔ چوں آتش مجلس بدیں گونہ دیدند و سامان توہین برائے خود ملاحظہ کردند برضایت وقت مطلع غزل در صفتِ مکانِ نوتعمیر گفتہ با تمام (عجلت خود را بہ مشاعرہ) رسانیدند ۔ چوں نوبت خواندن بخواجہ صاحب رسید مخاطب نواب شدہ ایں مطلع خواندند :

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے
زمیں یاں کی چہارم آسماں ہے

نواب بسیار محظوظ شدہ بے اختیار آفریں گفت ۔ پس ازاں از حاضرین شور تحسین برخاست۔ ازاں روز جناب خواجہ یک قلم ترکِ

انجمن آرائی کردند و عزلت اختیار نمودند ۔"

چنانچہ فردوس منزل محمد علی شاہ در عہد سلطنت خود ہرچند طلب داشتند مگر بہ عذراتِ چند حاضر نہ شدند ۔ با آں ہمہ آں حضرت بمقتضائے قدردانی دو روپیہ روزینہ برائے مصارف خواجہ صاحب مقرر گردید کہ ہنوز جاری است ۔

خواجہ کے قصائد :

غرض چوں ذکر شعر و سخن بمیان آمد ، حسب استدعائے راقم چند اشعار از قصیدۂ[1] کہ در مدح حضرت امیرالمومنین[4] فرمودہ اند و از قصیدۂ مدحیہ حضرت امجد علی شاہ بادشاہ سرودند ۔"

چوتھے بزرگ نواب محمد علی خاں قمر عرف نواب چندا میاں ہیں ۔ موصوف نے خواجہ کو اُس زمانے میں دیکھا جب وہ نابینا ہو چکے تھے ۔ انھوں نے کہا ہے : "مکان میں چھپر پڑا تھا ، ایک کھٹولا بچھا تھا جس پر خواجہ صاحب بیٹھے رہتے تھے ۔ آنے جانے والوں کے لیے نرکل کی چٹائیوں کا فرش تھا ۔" ('آب بقا' ص ۱۷)

۵ ۔ منشی قمر صاحب نے جب آتش کو دیکھا تھا ، تو بینائی جا چکی تھی ، گورے اور دبلے پتلے تھے ، سر پر بال لمبے لمبے تھے ، جوڑا باندھتے تھے ۔ موچھیں بڑی بڑی ، ڈاڑھی منڈی ہوئی ، ایک تہمد باندھے

---

۱ ۔ اس کے بعد عشرت کا بیان کس قدر تعجب خیز ہے کہ "آتش صرف ایک فنے شاعر تھے ۔ نہ کسی کی مدح میں کبھی قصیدہ لکھا ، نہ تخت نشینی کی تاریخ کہی ، نہ مثنوی ، نہ رباعی ، نہ قطعہ ، نہ سلام ، نہ مرثیہ" ('آب بقا' ص ۲۲) ۔

ہوئے ادھی اوڑھے ہوئے مکان میں بیٹھے رہتے تھے - چہرے سے بانکپن ٹپکتا تھا - ایسا متوکل آدمی آج تک دیکھنے میں نہیں آیا -

۶ - خواجہ محمد بشیر کہتے ہیں کہ ہم بہت کم سن تھے - صفر کا مہینہ تھا ، سنہ ۱۸۴۷ء تھا - آتش کی بیماری کی خبر مشہور ہوئی - خواجہ رکن الدین کے ساتھ ہم بھی آتش کی عیادت کو گئے - اس زمانے میں واجد علی شاہ کا عہدِ سلطنت تھا اور اسی سال سریر آرائے سلطنت ہوئے تھے -

آتش کا مکان ماھو لال کی چڑھائی پر تھا جہاں اب چونے والی بھٹی ہے - کچامکان تھا ، اس پر ایک چھپر پڑا ہوا ، تقریباً اسّی بیاسی برس کا ایک آدمی چاروں ابروؤں کا صفایا ، رنگ کھلتا ہوا ، چارپائی پر لیٹا تھا - دریافت کرنے سے معلوم ہوا یہی آتش ہیں - کچھ منہ سے کہنا چاہتے تھے ، آواز نہ نکل سکی ، شاگرد لوگ نرکل کی چٹائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے - ہم لوگ تھوڑی دیر تک کھڑے رہے ، پھر چلے آئے - اس کے آٹھ روز کے بعد سنا کہ آتش کا انتقال ہوگیا اور اپنے مکان میں دفن کیے گئے [1] -

چراغِ سحری ،

آتش نے اپنی زندگی میں لکھنؤ میں بہار آتے دیکھی - پھر وہ عہد

---

۱ - خواجہ بشیر صاحب کو دھوکا ہوا - یہ واقعہ خواجہ حیدر علی آتش کے بجائے کسی اور شخص سے متعلق ہے - نہ تو خواجہ صاحب چار ابرو کا صفایا کرتے تھے ، نہ یہ کہ مرنے سے پہلے ان کی زبان بند ہوئی تھی ، نہ وہ اپنے گھر میں دفن ہوئے - نہ مہینہ صحیح ، نہ سنہ ، نہ بیماری کی شہرت کا واقعہ -

دیکھا جو برعظیم کو دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوا ۔ نواب سعادت علی خاں کا تدبّر و علم پروری ، غازی‌الدین حیدر اور نصیرالدین حیدر کی آرام طلبی و عشرت پسندی ، محمد علی شاہ اور امجد علی‌شاہ کی دین‌داری نے لکھنؤ میں جوار بھاٹے دکھائے ۔ جرأت و مصحفی کے زور اور ناسخ کا ٹھاٹھ باٹھ ۔ ناسخ کے بعد آتش کا دل ٹوٹ گیا ، موت کی خبر سن کر ڈاڑھیں مار مار کر روئے ۔ کسی نے اعتراض کیا تو کہا :

"میاں ! کیا کہتے ہو ، ہم اور وہ فیض‌آباد میں مدتوں ایک رئیس کے نوکر رہے ، مدت تک ہم پیالہ و ہم نوالہ رہے ، ہمیشہ دوستی کا برتاؤ رہا ۔" ('آب بقا' ص ۱۷) ۔

۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ع کا یہ سانحہ اس وقت ہوا جب آتش ترسٹھ سال کے لگ بھگ تھے ۔ اس کے بعد ان کی آنکھیں بھی جاتی رہیں ۔

آتش کا ایک لڑکا حیدر علی نامی تھا ۔ حیدر علی نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور شعر کہنے لگے ، جوش تخلص پایا ۔ جوان ہوئے اور باپ کے بعد ایک سال تک زندہ رہے ۔

بیٹے کی شادی :

حیدر علی جوش جوان ہوئے تو دوستوں اور شاگردوں نے شادی کا تذکرہ شروع کیا ۔ غالب جنگ کے بیٹے جےدیال مصر ہوئے کہ جوش کی شادی کر دیجیے ۔ آتش نے عذر کیا کہ فقیر کی کیفیت تم کو معلوم ہے ۔ شادی حوصلے کے موافق ہونا چاہیے ۔ ہاتھ باندھ کر عرض کیا "آپ اپنے کفو میں نسبت ٹھہرالیں ، شادی کا سامان ہو جائے گا ۔" آتش نے ہرچند ٹالنا چاہا، آخر مجبور ہو کر شادی ٹھہرائی ۔ مکان کے قریب ہی "دلآرام" کی بارہ دری ہے ، یہاں دھوم دھام سے جشن کا انتظام

ہوا ۔ جوش دولھا بن کر باپ کو سلام کرنے آئے تو خواجہ صاحب بہت روئے ۔ شاگردوں نے عرض کیا "استاد ! یہ وقت خوشی کا ہے ، شکر خدا بجا لائیے ، بدشگونی نہ کیجیے ۔" کہنے لگے "افسوس آج محمد علی کی والدہ[1] نہیں جو اصل میں خوش ہونے والی تھیں ۔ نہ آنکھوں میں روشنی ہے کہ میں ہی دیکھ سکتا ۔" غرض دھوم[2] سے شادی ہوئی ۔ اس کے بعد آتش بالکل سبک‌دوش تھے ۔

وفات :

بڑھاپا اپنا اثر دکھا چکا تھا ، خدا سے لو لگائے زندگی کے دن گذار رہے تھے ۔ میر دوست علی خلیل (متوفی ۱۸۶۹ع) ان کی خدمت کرتے تھے : "تمام عمر کی کمائی ، جسے حیاتِ جاودانی کا مول کہنا چاہیے ، ایک دیوان غزلوں کا ہے جو کہ ان کے سامنے رائج[3] ہو گیا تھا ۔"

اس کے بعد دنیا سے انھیں کوئی تعلق نہ رہا ۔ ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے ، یکایک ایسا موت کا جھونکا آیا کہ شعلے کی طرح بجھ کر رہ گئے ۔ آتش کے گھر میں راکھ کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہوتا ۔ میر دوست علی خلیل نے تجہیز و تکفین کی اور رسومِ ماتم بھی بہت اچھی طرح ادا کیں ۔

بی بی ـــــ اور ایک لڑکا ـــــ لڑکی خورد سال تھی ، ان کی بھی

---

۱ ۔ مولانا آزاد کی اطلاع کے مطابق آتش کی اہلیہ نے آتش کے بعد انتقال کیا ۔

۲ ۔ 'آب بقا' ص ۱۸ ، طبع نول کشور ندارد ، غالباً طبع اول ۔

۳ ۔ 'آب حیات' صفحہ ۳۸۹ ، طبع دوازدہم لاہور ۔

سرپرستی وہی کرتے رہے[۱] "

بہت سے لوگوں نے بہت اچھی اچھی تاریخیں لکھیں مگر رشک کی تاریخوں سے واقعہ ، دن ، تاریخ اور وقت ، نیز اخلاق و سیرت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ رشک نے تین قطعے لکھے اور تینوں بہت عمدہ :

(۱)

خواجہ صاحب متخلص آتش
چاق بودند و قضا را مردند
ہاتف اے رشک ! چنیں مصرع گفت
خواجہ حیدر علی اے وا مردند

۱۲۶۳

(۲)

مردِ نیک و شاعرِ جادو بیان و وضع دار
از محاسن ممتلی بودند آتش ہائے ہائے
جائے ایشان در گلستان جناں بے وجہ نیست
آتشِ گل واقعی بودند آتش ، ہائے ہائے
رشک تاریخِ وفاتِ آں چہ عالم سوز گفت
یادگارِ[۲] مصحفی بودند آتش ، ہائے ہائے

۱۔ 'آب حیات' ص ۳۸۹ ، طبع دوازدہم لاہور ۔
۲۔ موصوف معالی خاں کی سرا میں رہتے تھے۔ لکھنؤ کی شاہی عمارتوں کا علم تحقیق کی حدتک تھا ۔ میں نے موصوف کے ساتھ جاکر وہ علاقہ دیکھا ہے ۔ مرتّب

(۳)

خواجہ و آتش تخلص ، نامِ شان حیدر علی
صبح روز چار شنبہ بود ، مردند از قضا
رشک صوری معنوی بنوشت تاریخ وفات
از محرّم بست و پنجم صبح ، ہے ہے اربعا

چہار شنبہ ۲۵ محرم ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۸۴۶ع صبح کو اپنے مکانِ مسکونہ واقع معالی خاں کی سرا متصل نالہ چھجو رنگریز میں جاں بحق ہوئے ۔ میں نے وہ علاقہ دیکھا ہے جہاں آتش کے مکان کی نشان دہی کی جاتی ہے ۔ معالی خاں کی سرا ، ساھو لال کی چڑھائی ، نواز گنج ، چوپٹیوں سب ہی راستے ہیں مگر میرے خیال میں صحیح اور آخری نشانی کلب حسین خاں نادر ہی کی ہے : "متصل نالۂ چھجو رنگریز" ('تذکرۂ نادر' ص ۱۸) ۔

جناب تصدق حسین صاحب' وکیل کو بھی عشرت وغیرہ کی طرح قبر کا نشان نہیں معلوم تھا ۔ اب جناب پروفیسر سید مرتضٰی حسین صاحب موسوی (اسلامیہ کالج لکھنؤ) نے "مشاعرۂ عالمِ ارواح" نامی کتاب میں آتش پر نوٹ لکھتے ہوئے قبر کا پتا لکھا ہے :

---

۱ ۔ یہ قطعات بصد کرم جناب محترمی کلب علی خاں فائق نے مرحمت فرمائے جو دیوان رشک کے حاشیے صفحہ ۱۸۴ سے نقل ہوئے ہیں ۔ میں اپنے محترم دوست کا شکر گذار ہوں ۔

"محلہ نخاس کنگھی والوں میں دفن ہیں ، نشانِ قبر موجود ہے[۱] ۔"
(کتاب مذکور ، ص ۱۳۶ ، طبع سرفراز پریس ۱۹۵۵ع) ۔

فرزند کی وفات :

دیوان رشک میں محمد علی جوش کی وفات کا قطعہٗ تاریخ درج ہے جس سے معلوم ہوا کہ باپ کی رحلت کے سال بھر بعد تخمہ کی وجہ سے رحلت کی ۔ قطعہ :

کجائی تو خواجہ محمد علی — زہیضہ مگر رفتی افسوس حیف
دلت آتش داغ بابا بسوخت — چہ بریاں جگر رفتی افسوس، حیف
پئے خدمت خواجہ حیدر علی — ز دنیا بدر رفتی ، افسوس، حیف
چنین گفت تاریخ فوت تو رشک — بنزد پدر رفتی افسوس ، حیف

۱۲۶۳ھ

مرتضیٰ حسین فاضل

۲۱ فروری ۱۹۶۷ع / ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

۱ ۔ جناب مرتضیٰ حسین صاحب بزرگوں میں ہیں ۔ پڑھے لکھے اور پرانے خاندان کے فرد ہیں ۔ کوئی وجہ نہیں کہ بات بلا تحقیق فرمائی ہو ۔ محلہ کنگھی والوں کا قبرستان نخاس سے نادان محل جاتے ہوئے پڑتا ہے ۔ میں بارہا اُدھر سے گذرا ہوں مگر کبھی کسی سے یہ بات نہیں سنی — مشاعرۂ عالمِ ارواح کے اس نوٹ میں ، جو آتش کے متعلق ہے ، دو باتیں اور معلوم ہوئی ہیں : (۱) کتری ہوئی لبیں ، ڈاڑھی کھچڑی ، گل مچھے (یہ شاید خیالی خاکہ ہے) ۔ (۲) محلہ پیر بخارا میں مکان مسکونہ تھا ، اس کا پتا نہیں ۔ غالباً یہ مکان ابتدائی رہائش گاہ ہوگا کیونکہ لکھنؤ کی پہلی شاہی آبادی اور شعرا اسی طرف رہتے تھے ، معالی خان کی سرا بھی اس سے بہت دور نہیں ہے ۔ مرتّب

کلیاتِ آتش اور اس کی ترتیب

آتش کی سب سے بڑی یادگار ان کا وہ کلام ہے جو "کلیات آتش" کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔ دراصل اسے کلیات کہنا مبالغہ ہے، کیونکہ اس میں نہ قصائد ہیں، نہ قطعات تاریخ اور نہ دوسرے اصنافِ سخن۔ صرف غزلیں ہیں اور وہ بھی سب کی سب نہیں ہیں۔ بظاہر آتش لاآبالی مزاج آدمی تھے، شاید اپنا کلام بھی پوری طرح جمع نہ کرتے ہوں۔ ۱۲۶۱ھ میں جب کہ ناسخ کے دیوان کو چھپے کئی سال گذر چکے تھے، ان کا دیوان چھپا۔ یہ دیوان مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ آتش کی وفات کے بعد ان کے احباب کو دوبارہ دیوان چھاپنے کی فکر ہوئی تو شیخ رجب علی صاحب نے کچھ منتشر غزلیں بڑی محنت سے تلاش کرکے "دیوان دوم" کے ساتھ شائع کردیں[1]۔

یہ اشاعت ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ع کی اشاعت کہلاتی ہے، جیسا کہ خاتمے کی تاریخ میں درج ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کلیات[2] کا پہلا حصہ، جسے دیوانِ اول کہنا چاہیے (خاتمے میں یہی نام ہے)، "ماہ ذی حجہ ۱۲۶۷ھ" میں اور دوسرا دیوان مع الحاق غزل ہائے

---

۱ - قاضی عبدالودود صاحب نے تذکرۂ ابن طوفان کے حاشیہ ص۹۴ پر لکھا ہے: "آتش کے دونوں دیوان (؟) مطبع محمدی، لکھنؤ نے ۱۲۶۱ھ میں چھاپے تھے، خود آتش نے تصحیح کی تھی۔ یہ نسخہ پٹنہ میں موجود ہے۔" (تذکرۂ شعرا، طبع پٹنہ ۱۹۵۴ع) موصوف ہی نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ دیوان طبع اول میں واسوخت بھی تھا۔ لیکن خلیل الرحمان اعظمی کہتے ہیں کہ ۱۲۵۶ھ میں مطبع علوی میں چھپا تھا۔ ('مقدمۂ کلام آتش' ص ۲۶)۔

۲ - سرورق پر یہی نام ہے۔

بقیہ ، اور قطعاتِ وفاتِ مصنف کے ساتھ ۱۲۶۸ھ میں چھپ کر مکمل ہوا ۔

پہلا دیوان ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے ۔ متن اور حاشیے پر پانچ سو غزلوں کا اندازہ ہے ۔ دوسرا دیوان ۲۲۸ سے شروع ہو کر ۲۹۲ پر ختم ہوتا ہے ۔ صفحہ ۲۲۷ سرورق اور لوح[1] کے لیے مختص ہے ۔ یہ دیوان بھی پہلے کی طرح ہودے اور حاشیے کو گھیرے ہوئے ہے ۔ ۱۲۹ غزلیں اور ایک فرد اس کا ذخیرہ ہے ۔ اس کے بعد حاشیے ہی پر مظفر علی اسیر کا ایک اور میر ولد حسن فوق کے دو قطعے وفاتِ آتش پر ہیں ۔ صفحہ ۲۹۳ کی تیسری سطر سے خاتمے کی عبارت شروع ہو کر حاشیے کی ۲۳ ویں سطر پر ختم ہوتی ہے ۔ پھر امیر علی خاں ہلال اور اشرف علی اشرف کے دو دو شعروں کے اردو قطعاتِ تاریخ طبع دیوان ہیں ۔ ۲۹۳ کی پشت سادہ ہے ۔

ہودے کا مسطر تیرہ سطری اور حاشیے کا مسطر اڑتیس سطروں کا ہے ۔ اس طرح ایک صفحے پر بتیس شعر لکھے گئے ہیں ۔ عموماً ہودے میں مقطع کو دو سطری کر دیا گیا ہے ۔

کتابت خوش نما اور کاتب خوش خط ہے ۔ سفید دبیز اور کھردرا کاغذ ہے جو سو برس سے زیادہ پرانا ہونے کے باوجود جاندار ہے ۔ مرتّب و مصحح نے غزلوں پر نمبر لگانے کی کوشش کی ہے اور اکثر یہ بھی لکھا ہے کہ غزل میں کتنے شعر ہیں ۔ اگرچہ کاتب یا مصحح کی غلطی سے اس میں گڑبڑ بھی ہو گئی ہے ۔ پہلے دیوان میں حاشیے

---

۱ ۔ دونوں لوحیں اور خاتمے کی عبارتیں میں نے اس ترتیب میں محفوظ کر دی ہیں ۔

کے درمیان میں ایک مثلث میں تتمہ لکھا ہے اور اس کے اوپر صفحے کا نمبر۔ یہ مسلسل نمبر دوسرے دیوان میں بھی اسی طرح چلے گئے ہیں۔ لیکن دوسرے دیوان میں یہ بھی اہتمام ہے کہ صفحے اور حاشیے کے اوپر اس حصے کے الگ نمبر بھی لگائے گئے ہیں جو ۲ سے شروع ہو کر ۶۷ پر ختم ہوتے ہیں۔

میں نے اسی نسخے کو بنیاد قرار دیا ہے، کیونکہ یہ نسخہ قدیم ہونے کے علاوہ صحیح بھی زیادہ ہے اور آتش کے ایسے کلام پر بھی مشتمل ہے جو دوسرے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملتا۔ ہوسکتا ہے کہ نول کشور کے نسخے طبع اول پر مبنی ہوں، اسی لیے طبع دوم کے زوائد اس سے رہ گئے ہوں۔

میں نے دیوانِ اول و دوم کی ترتیب ختم کر کے ہر ردیف میں تمام متعلقہ غزلیں یک‌جا کر دی ہیں اور حاشیے میں (کلیاتِ طبع علی‌بخش) حوالہ دے دیا ہے۔ ہر شعر کو متعدد مآخذ سے مقابلہ کر کے بھی دیکھا ہے۔

یہ ایڈیشن بہت کمیاب ہے۔ جناب سید امتیاز علی صاحب تاج زِید مجدھم نے مجلس ترقی ادب کا یہ نادر نسخہ مرحمت فرما کر انتہائی کرم کیا جس کے لیے میں بے حد ممنون ہوں۔ اس کتاب کو کیڑے نے خراب کر دیا ہے اور بعض حصے اس قدر مجروح ہیں کہ اگر جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب اپنا مملوکہ نسخہ مستعار نہ دیتے تو کئی غزلیں نامکمل رہ جاتیں۔ ڈاکٹر صاحب میرے کرم فرما ہیں اور ان کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے۔

کلیات طبع علی‌بخش کے بعد دوسرا ماخذ "بہارستان سخن" ہے

ہو ناسخ و آتش کی ہم وزن و ہم ردیف و ہم قافیہ جوابی غزلوں کا ایسا دیوان ہے جس کا جواب مہدی حسین خاں آباد شاگرد ناسخ نے لکھا ہے۔ یہ مجموعہ بائیسویں ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ (مطابق مارچ ۱۸۴۶ع) یعنی وفات آتش کے تقریباً ایک سال پہلے مطبع محمدیہ جھنوائی ٹولہ لکھنؤ سے چھپا ہے۔ اس میں آتش کی دو سو انتیس غزلیں ہیں جو سب کی سب دیوان اول میں موجود ہیں۔ میں نے "بہارستان" کے نام سے حاشیے میں اس کی توضیح کر دی ہے۔ "بہارستان سخن" کے ۲۵۶ صفحے ہیں۔ ہر صفحے میں تین کالم اور ہر کالم میں کم و بیش نو شعر ہیں۔ پہلے کالم میں ناسخ، دوسرے میں آتش اور تیسرے میں آباد کی غزل ہے۔ صفحہ ۲۵۶ پر کتاب کی طباعت کے لیے اظہر اور آباد کے دو قطعے ہیں۔ یہ کتاب بھی مقابلے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔

ان دونوں کتابوں کے علاوہ جن مآخذ سے تقابل میں کام لیا گیا ہے، یہ وہ ہیں:

۳ - "ریاض الفصحا" از مصحفی، طبع ہندوستان ۱۹۳۴ع - اس سے کچھ غزلیں اور کچھ شعر حاصل ہوئے ہیں - بعض غزلیات کی تاریخ کا علم ہوا، بعض اشعار میں اختلاف نسخ ثابت ہوا۔

۴ - "طبقات شعرائے ہند" از کریم الدین، طبع ۱۸۴۷ع -

۵ - "گلدستۂ نازنینان" از کریم الدین، طبع ۱۸۴۵ع (ایک واسوخت حاصل ہوئی)۔

۶ - "سراپا سخن" از محسن علی محسن، طبع ۱۸۹۸ع -

۷ - "چمن بے نظیر" از محمد ابراہیم، طبع دہلی ۱۸۶۵ع -

۸ - "جواہر سخن" از محمد مبین، طبع الہ آباد ۱۹۳۹ع -

۹ - "کلیات آتش" (الف) طبع ۱۸۷۳ع نول کشور پریس کان پور۔
(ب) - طبع ۱۹۰۷ع ، نول کشور پریس کان پور -
(ج)- طبع ۱۹۲۹ع نول کشور پریس لکھنؤ - یہ نسخہ غالباً مرزا محمد عسکری نے بہت قدیم نسخے سے مقابلہ کرکے مرتب کیا ہے ، جیسا کہ تقریظ اور حاشیہ جلد اول ، صفحہ ۱۷۶ سے ظاہر ہوتا ہے -
(د) - طبع لاہور ۱۹۶۳ع جو مذکورہ بالا نسخے کی نقل ہے مگر ایک غزل کا اضافہ ہے -
۱۰ -(الف) "انتخاب دیوان آتش"۔ فاضل لکھنؤی طبع لاہور ۱۹۵۷ع -
(ب) "انتخاب آتش" - اعجاز حسین ، الہ آباد ۱۹۵۵ع -
(ج) "انتخاب آتش" ڈاکٹر وحید قریشی ، طبع لاہور ۱۹۶۴ع
۱۱ - "آب حیات" از محمد حسین آزاد ، طبع دوازدہم لاہور -
۱۲ - "آب بقا" از عبدالرؤف عشرت ، طبع اول لکھنؤ۔
۱۳ - "گلشن بے خار" از نواب مصطفیٰ خان شیفتہ ، طبع نول کشور پریس لکھنؤ ۱۳۵۲ھ -
۱۴ - "گل رعنا " از عبدالحی ، طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۶ع -

تواریخ و سوانح کے لیے :

۱۵ - "قیصر التواریخ" - دو جلدیں ، تالیف کمال الدین حیدر ، طبع نول کشور ۱۹۰۷ع -
۱۶ - "تاریخ اودھ" - پانچ جلدیں ، تالیف نجم الغنی ، طبع مراد آباد ۱۹۰۹ع بیعد -
۱۷ - "تاریخ ادب اردو" از محمد عسکری - رام بابو، طبع دوم نول کشور پریس لکھنؤ -

۱۸ - "مقدمۂ کلامِ آتش" از خلیل الرحمان اعظمی ، طبع انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۵۹ء -
۱۹ - "خم خانۂ جاوید" از سری رام ، طبع اول -
۲۰ - "نغمۂ عندلیب (گلستان بے خزاں)" از قطب الدین باطن - طبع لکھنؤ ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۵ء
۲۱ - "سخن شعرا" از عبدالغفور نساخ -
۲۲ - "قاموس المشاہیر"۔نظامی بدایونی، طبع بدایوں ، ۱۹۲۴ء-۲۶ -
۲۳ - "تقویم تاریخی" از عبدالقدوس ہاشمی کراچی ۱۹۶۵ء -
۲۴ - "تذکرۂ نادر" از مسعود حسن ، ادیب لکھنؤ ۱۹۵۷ء -
۲۵ - "بزم سخن" از علی حسن خاں ، طبع اول -
۲۶ - "مشاعرۂ عالم ارواح" از پروفیسر مرتضٰی حسین موسوی ، طبع سرفراز پریس لکھنؤ ، ۱۹۵۵ء -
۲۷ - "بیاض سخن" از عبدالشکور سید ، طبع دکن ، ۱۳۵۵ھ -
۲۸ - "تذکرۂ شعراء" از ابن طوفان - قاضی عبدالودود ، طبع پٹنہ ۱۹۵۴ء -
۲۹ - "دائرۂ معارف اسلامیہ" - (پنجاب یونیورسٹی) جلد اول -
۳۰ - "گلستان سخن" از قادر بخش ، طبع مجلس ترقی ادب ۱۹۶۶ء -
۳۱ - "عمدۂ منتخبہ" از سرور ، طبع دہلی ، ۱۹۶۱ء -
۳۲ - "حسن خیال" از صفدر علی مرزا پوری ، طبع لاہور -
۳۳ - "مشاطۂ سخن" از صفدر مرزا پوری ، طبع لکھنؤ ۱۳۳۶ھ -
۳۴ - "دیوان رند" از سید محمد خاں رند ، طبع لکھنؤ ۱۹۱۴ء -
۳۵ - "طور کلیم" از نورالحسن ، طبع آگرہ -

(مضامین ، رسائل ، اور متفرقات کے حوالے حاشیہ و متن میں ہیں) -

مرتضٰی حسین فاضل

غزلیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردیف الف

۱

حباب[۱] آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا

اسیر اے دوست تیرے عاشق و معشوق دونوں ہیں
گرفتار آہنی زنجیر کا یہ ، وہ طلائی کا

تعلق روح سے مجھ کو جسد کا ناگوارا ہے
زمانے میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

فراقِ یار میں مر مر کے آخر زندگانی کی
رہا صدمہ ہمیشہ روح و قالب کی جدائی کا

ہوئی منظور محتاجی نہ تجھ کو اپنے سائل کی
بنایا کاسۂ سر واژگوں کاسہ گدائی کا

نظر آتی ہیں ہر سُو صورتیں ہی صورتیں مجھ کو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

---

۱ - کلیات آتش ، طبع علی بخش لکھنؤ ۱۲۶۳ھ ص ۲ - کلیات آتش طبع نول کشور ۱۸۷۳ع ص ۲ - 'کلیات آتش' طبع نول کشور ۱۹۲۹ع ص ۲ - آئندہ صفحات میں ہم اس حوالے کو مختصر کر دیں گے اور کلیات نول کشور قدیم سے مطبوعہ ۱۸۷۳ع اور جدید سے مطبوعہ ۱۹۲۹ع مراد ہوگا ۔

نکل اے جان تن سے تا وصالِ یار حاصل ہو
چمن کی سیر ہے انجام بلبل کی رہائی کا
وصالِ یار کا وعدہ ہے فردائے قیامت پر
یقیں تجھ کو نہیں ہے گور تک اپنی رسائی کا
بھروسا آہ پر ہرگز نہیں اے یار عاشق کو
شکار اب تک کہیں دیکھا نہیں تیرِ ہوائی کا
دکھایا حسن سے اعجاز موسیٰ کلکِ قدرت نے
یدِ بیضا بنایا چور انگشتِ حنائی کا
نہیں مٹتی ہے پتھر کی لکیر، احباب کہتے ہیں
رہے گا پائے بت پر نقش اپنی جبہہ سائی کا
شکستِ خاطرِ احباب ہوتی ہے درست اس سے
توجہ میں تری اے یار اثر ہے مومیائی کا
دل اپنا آئنہ سا صاف عشقِ پاک رکھتا ہے
تماشا دیکھتا ہے حسن اس میں خودنمائی کا
کف افسوس ملواتی ہے تیری پاک دامانی
پنہا کر شاہدِ عصمت کو جامہ پارسائی کا
نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے **آتش** نے
بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعویٰ ہے خدائی کا

۲

حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اُس کا
ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُس کا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲، کلیات طبع نول کشور قدیم جدید ۳ ۔

گل آتے ہیں ہستی میں عدم سے ہمہ تن گوش
بلبل کا یہ نالہ نہیں ، افسانہ ہے اُس کا
گریاں ہے اگر شمع تو سر دھنتا ہے شعلہ
معلوم ہوا ، سوختہ پروانہ ہے اُس کا
وہ شوخ نہاں گنج کے مانند ہے اِس میں
معمورۂ عالم جو ہے ، ویرانہ ہے اُس کا
جو چشم کہ حیراں ہوئی ، آئینہ ہے اُس کی
جو سینہ کہ صد چاک ہوا ، شانہ ہے اُس کا
دل قصرِ شہنشہ ہے وہ شوخ اُس میں شہنشاہ
عرصہ یہ دو عالم کا جلوخانہ ہے اُس کا
وہ یاد ہے اُس کی کہ بھلا دے دو جہاں کو
حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا
یوسف[۴] نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے
قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُس کا
اللہ رے صفائے دو بناگوش کا عالم اک
مشتاق ہر اک گوہرِ یک دانہ ہے اُس کا
آوارگیِ نکہتِ گل سے ہے اشارا
جامے سے جو باہر ہے وہ دیوانہ ہے اُس کا
یہ حال ہوا اُس کے فقیروں سے ہویدا
آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُس کا
شکرانۂ ساقیِ ازل کرتا ہے آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اُس کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۲ ، جدید ۳ ۔

۳

محبت کا تری بندہ ہر اک کو اے صنم پایا
برابر گردنِ شاہ و گدا دونوں کو خم پایا
برنگِ شمع جس نے دل جلایا تیری دوری میں
تو اُس نے منزلِ مقصود کو زیرِ قدم پایا
بجا کرتے ہیں عاشق طاقِ ابرو کی پرستاری
یہی محراب دیر و کعبہ میں بھی ہم نے خم پایا
نشانہ تیرِ تہمت کا ہے میرا اخترِ طالع
اٹھاؤں داغ میں تو آساں سمجھے درم پایا
ہزاروں حسرتیں جاویں گی میرے ساتھ دنیا سے
شرار و برق سے بھی عرصۂ ہستی کو کم پایا
سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں
غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا
نظر آیا تماشائے جہاں جب بند کیں آنکھیں
صفائے قلب سے پہلو میں ہم نے جامِ جم پایا
جلایا اور مارا حسن کی نیرنگ سازی نے
کبھی برقِ غضب اُس کو، کبھی ابرِ کرم پایا
فراق انجام کام آغاز وصلت کا بلا شک ہے
بہت رویا میں روح و تن کو جب مشتاق ہم پایا
ہر اک جوہر میں اُس کا نقش پائے رفتگاں سمجھا
دمِ شمشیرِ قاتل جادۂ راہِ عدم پایا

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۳ ، نول کشور ص ۳ ، طبع جدید ص۳ ۔

ہمارا کعبہ مقصود تیرا طاقِ ابرو ہے
تری چشمِ سیہ کو ہم نے آہوے حرم پایا
ہوا ہرگز نہ خطِ شوق کا ساماں درست **آتش**
سیاہی ہو گئی نایاب اگر ہم نے قلم پایا

۴

[1] کیا داد خواہ ہو کوئی اُس کے قتیل کا
عاشق کے خوں کو حکم ہے آبِ سبیل کا
طے کس طرح سے ہووے رہِ عشق دیکھیے
سنگِ نشاں کا دخل ہے اس میں نہ میل کا
راہِ عدم کو جاتے ہیں خاموش قافلے
بھرِ جرس ہے سرمہ غبار اس سبیل کا
آوارہ ہوں میں گور کی منزل کے شوق میں
رہزن سلوک مجھ سے کرے گا دلیل[1] کا
لے جائے خطِ شوق کبوتر غریب کیا
واں ، جس جگہ مقام نہیں جبرئیل کا
محتاج خضرِ راہ نہیں تیری راہ میں
کرتا ہے کام شوق ہمارا ، دلیل[2] کا
شب کو چراغ کی نہیں رہرو کو احتیاج
ہر ذرہ آفتاب ہے تیری سبیل[3] کا
یوسف[4] کی جستجو میں روانہ ہیں قافلے
نالاں جرس ہیں ، شور ہے کوسِ رحیل کا

۱- کلیات طبع علی بخش ص۳، طبع نول کشور قدیم ص۳، طبع جدید ص۴ ۔
۲ - دلیل : رہنما ۔
۳ - سبیل : راستہ ۔

عاجز نواز دوسرا تجھ سا کوئی نہیں
رنجور کا انیس ہے، ہمدم علیل کا
باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا
مشکل کے وقت حامی ہوا تو خلیل[ع] کا
موسیٰ[ع] کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی
فرعون کو تو نے غرق کیا رودِ نیل کا
طوفاں میں ناخدائی کی کشتیٔ نوح[ع] کی
حقّا جواب ہی نہیں تجھ سے کفیل کا
بندہ ہے کس کا پوچھیں گے جب منکر و نکیر
عاشق ہوں، میں کہوں گا کہ بندہ جمیل کا
سائل ہوں تجھ کو قید کم و بیش کی نہیں
مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا
کوتاہ یاں کمند ہے، قاصر ہے نردبان
بامِ مراد عرش ہے ربِ جلیل کا
آوازہ تیرے عدل کا ہے بسکہ گوش زد
پشّے سے زور چل نہیں سکتا ہے فیل کا
دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہے
دل توڑتا نہیں تو عزیز و ذلیل کا
دی ہے جو تو نے تشنۂ عزت کو آبرو
کوثر کا پانی ایسا ہے، نے سلسبیل کا
سرمہ کیا جو برقِ تجلّی نے طور کو
منظور تجھ کو جلوہ تھا چشمِ کحیل کا
آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

۵

[1]آئینہ سینۂ صاحب نظراں ہے ، کہ جو تھا
چہرۂ شاہدِ مقصود عیاں ہے ، کہ جو تھا

عشقِ گل میں وہی بلبل کا فغاں ہے ، کہ جو تھا
پرتوِ مہ سے وہی حالِ کتاں ہے ، کہ جو تھا

عالمِ حسنِ خداددِ بتاں ہے ، کہ جو تھا
ناز و انداز بلاے دل و جاں ہے ، کہ جو تھا

راہ میں تیری شب و روز بسر کرتا ہوں
وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے ، کہ جو تھا

روز کرتے ہیں شبِ ہجر کو بیداری میں
اپنی آنکھوں میں سبک خوابِ گراں ہے ، کہ جو تھا

ایک عالم میں ہو ہرچند مسیحا مشہور
نامِ بیمار سے تم کو خفقاں ہے ، کہ جو تھا

دولتِ عشق کا گنجینہ وہی سینہ ہے
داغِ دل زخمِ جگر مہر و نشاں ہے ، کہ جو تھا

ناز و انداز و ادا سے تمھیں شرم آنے لگی
عارضی حسن کا عالم وہ کہاں ہے ؟ کہ جو تھا

جاں کی تسکیں کے لیے حالتِ دل کہتے ہیں
بے یقینی کا تری ہم کو گماں ہے ، کہ جو تھا

اثرِ منزلِ مقصود نہیں دنیا میں
راہ میں قافلۂ ریگ رواں ہے ، کہ جو تھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴ ، نول کشور ص ۴ ، جدید ص ۵ ۔

دہن اُس روے کتابی میں ہے ، پر نا پیدا
اسمِ اعظم وہی قرآں میں نہاں ہے ، کہ جو تھا

کعبۂ مدّ نظر قبلہ نما ہے تا حال
کوے جاناں کی طرف دل نگراں ہے ،کہ جو تھا

کوہ و صحرا و گلستاں میں پھرا کرتا ہے
متلاشی وہ ترا آبِ رواں ہے ، کہ جو تھا

سوزشِ دل سے تسلسل ہے وہی آہوں کا
عود کے جلنے سے مجمر[1] میں دھواں ہے ،کہ جوتھا

رات کٹ جاتی ہے باتیں وہی سنتے سنتے
شمعِ محفل صنمِ چرب زباں ہے ، کہ جو تھا

پاے خم مستوں کے ھُو حق کا جوعالم ہے سو ہے
سرِ منبر وہی واعظ کا بیاں ہے ، کہ جو تھا

کون سے دن نئی قبریں نہیں اس میں بنتیں
یہ خرابہ وہی عبرت کا مکاں ہے ، کہ جو تھا

بے خبر شوق سے میرے نہیں وہ نورِ نگاہ
قاصدِ اشک شب و روز رواں ہے ، کہ جو تھا

لیلۃ القدر کنایہ نہ شبِ وصل سے ہو ؟
اس کا افسانہ میانِ رمضاں ہے ، کہ جو تھا

دین و دنیا کا طلب گار ہنوز **آتش** ہے
یہ گدا سائلِ نقدِ دوجہاں ہے ، کہ جو تھا

٦

[2]اے جنوں دشتِ عدم کے کوچ کا ساماں کیا
جسم کے جامے کو میں نے چاک تا داماں کیا

۱ - مجمر : انگیٹھی -
۲ - طبع علی بخش ص ۴ ، نول کشور قدیم ص ۴ ، جدید ص ٦ -

منہ چھپا اب تو نہ مشتاقوں سے اے خورشید رو !
چرخِ گرداں کی طرح برسوں ہی سرگرداں کیا
مر گئیں تیری جدائی میں ہزاروں حسرتیں
عشقِ غارت گر نے میرے دل کو گورستاں کیا
نالہٗ جانکاہ نے پتّھر کو پانی کر دیا
مرغ و ماہی کو دلِ بیتاب نے گریاں کیا
جلد نہلا مجھ کو میرے خوں سے اے شمشیرِ یار !
دامنِ دل سال‌ہا آلودۂ عصیاں کیا
شام سے تا صبح نیند آئی نہ اک دم تجھ بغیر
آگ نالوں نے لگائی اشک نے طوفاں کیا
اے فلک مرہونِ احساں تو نہ تیرا میں ہوا
شکر ہے مجھ کو خدا نے بے سر و ساماں کیا
آدمی کیا وہ نہ سمجھے جو سخن کی قدر کو
نطق نے حیواں سے مشتِ خاک کو انساں کیا
آتشِ دل خستہ تیرا یا الٰہی کچھ نہ تھا
قطرۂ ناچیز کو دریائے بے پایاں کیا

۷

[1]چاندنی میں جب تجھے یاد اے مہِ تاباں کیا
رات بھر اختر شماری نے مجھے حیراں کیا
قامتِ موزوں تصوّر میں قیامت ہو گیا
چشم کی گردش نے کارِ فتنۂ دوراں کیا

۱ - کلیات علی بخش ص ۴ ، ۵ ، نول کشور قدیم ص ۴ ، جدید ص ۶ -

پھر گئی آنکھوں میں وہ مژگانِ برگشتہ تو پھر
ذکرِ آرہ تھا جو آہ و نالہ و افغاں کیا
شام سے ڈھونڈھا کیا زنجیر پھانسی کے لیے
صبح تک میں نے خیالِ گیسوے پیچاں کیا
سلکِ دنداں سے دلِ بیتاب پر بجلی گری
تلخ حسرت نے لبِ شیریں کی کامِ جاں کیا
یاد ابرو و ذقن میں اڑ گئی آنکھوں سے نیند
گہ کنواں جھانکا، کبھی تلوار کو عریاں کیا
چہرے کو آتش کدہ سمجھا دلِ دیوانہ نے
گوش و بینی پر گمانِ اخگرِ سوزاں کیا
دھیان میں ساقوں کی شمعوں کے جلا پروانہ وار
زانووں کے آئنوں نے رات بھر حیراں کیا
کر دیا مدہوش گردن کی صراحی نے مجھے
ناف نے جامِ شرابِ تند سے طوفاں کیا
دست و بازو کے تصور میں ہوا آتش میں قتل
پاے بوسی کی ہوس نے خاک سے یکساں کیا

۸

[۱]غبارِ راہ ہو کر چشمِ مردم میں محل پایا
نہالِ خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا
برنگِ شمع ہم دل سوختوں نے بزمِ عالم میں
زباں کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵، نول کشور قدیم ص ۵، جدید ص ۷ -

کشاکش دم کی مارِ آستیں کا کام کرتی ہے
دلِ بیتاب کو پہلو میں اک گرگِ بغل پایا

نظر آتے ہیں خالِ عنبریں گردِ لبِ لعلیں
سپاہ زنگ[1] نے شہرِ بدخشاں میں عمل پایا

گھڑی بھررو کے کوے یار میں یوں زنگ دل کھویا
کہ کپڑا جیسے مفلس نے کھڑے[2] گھاٹ آکے کلپایا

غمِ فرقت سے عمرِ رفتہ گزری بے قراری میں
تری امداد سے آرام ہم نے اے اجل پایا

شکستہ دل نہ ہو انسان عوض ہر شے کا ملتا ہے
موا[3] فرزند اگر تو داغِ دل نعم البدل پایا

نہ جانا تھا چمن کی سیر کو ہمرہ رقیبوں کے
دلِ عاشق کے توڑے سے بھلا کیا تم نے پھل پایا

رعونت کون سی شے پر ہے ان عزلت گزینوں کو
حصیرِ کہنہ دیکھا دستِ خشک و پاے شل پایا

غضب ہے منزلِ ہستی میں آسائش طلب ہونا
ہجومِ خواب سے رہرو نے ہے آخر خلل پایا

حرارت ہوتی ہے سردار سے افزوں سپاہی میں
زیادہ تر مزاجِ یار سے زلفوں میں بل پایا

ہمیشہ جوشِ گریہ سے رہا پانی میں اے **آتش**
کبھی تازہ نہ لیکن اپنے دل کا یہ کنول پایا

---

۱ - حبشی ، سیاہ فام -
۲ - محاورہ ہے ، دھوبیوں کے پاس جا کر کپڑے دھلوانا
۳ - موا : مرا -

۹

امری آنکھوں کے آگے آئے گا کیا جوش میں دریا
ہمیشہ صورت ساحل ہے یاں آغوش میں دریا
وہ حد کم ظرف ہیں جو ایک ساغر میں بہکتے ہیں
نہیں قطرہ بھی یاں ہنگامِ نوشانوش میں دریا
نکالا چاہے اے غوّاص تو جلد اب نکال اس کو
خدا جانے کہ کیا پھونکے صدف کے گوش میں دریا
خموشی اور گویائی مری اک اک سے بہتر ہے
سکونت میں یہ قطرہ ہے گہر ، تو جوش میں دریا
سرک جائے جو روے چشمِ تر سے گوشہ دامن کا
نہ دیکھا ہو کسی نے ایسا اپنے ہوش میں دریا
کیا جو ضبطِ گریہ تو کیا دریا کو کوزے میں
کبھی دل کھول کر رویا تو آیا جوش میں دریا
اگر موتی نہ بنتے قطرہ ہاے ابرِ نیساں سے
تو حلقہ ڈالتا آتش صدف کے گوش میں دریا

۱۰

۲دل چھٹ کے جاں سے گور کی منزل میں رہ گیا
کیسا رفیق ساتھ سے مشکل میں رہ گیا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۵ ، طبع نول کشور قدیم ص ۵ ، جدید ص ۴ ۔

۲ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۶ ، نول کشور قدیم ص ۵ ، جدید ص ۷ ۔

[1]آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل میں رہ گیا
ناقص ہے دوست داری میں کامل نہیں ہے تو
دشمن سے بھی غبار اگر دل میں رہ گیا
قاتل سنبھل کے تیغ لگا، جائے شرم ہے
تسمہ لگا جو گردنِ بسمل میں رہ گیا
آزادی سے زیادہ اسیری میں لطف ہے
دل مرغِ روح کا قفسِ گل میں رہ گیا
سبقت جو زندگی میں سکندر سے کی تو کیا
اے خضر پیچھے مرگ کی منزل میں رہ گیا
مجنوں برہنہ کرتا اسے اپنی طرح سے
لیلیٰ کا پردہ پردۂ محمل میں رہ گیا
پار اُترا، جوکہ غرق ہوا بحرِ عشق میں
وہ داغ ہے جو دامنِ ساحل میں رہ گیا
کافر ہے منکر اس کی کریمی کی شان کا
خالی پیالہ کب کفِ سائل میں رہ گیا
آتش کو دست و تیغ سے ممکن ہوا نہ زخم
بے چارہ مر کے حسرتِ قاتل میں رہ گیا

۱۱

[2]سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

---

۱ - کلیات طبع نول کشور: "آئے بھی لوگ بیٹھے بھی" -
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۶، نول کشور قدیم ص ۵، جدید ص ۸ -

کیا کیا اُلجھتا ہے تری زلفوں کے تار سے
بخیہ طلب ہے سینۂ صد چاک ، شانہ کیا
زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا
اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا
زینہ صبا کا ڈھونڈھتی ہے اپنی مشتِ خاک
بامِ بلند ، یار کا ہے آستانہ کیا ؟
چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا
صیّاد اسیرِ دامِ رگِ گل ہے عندلیب
دکھلا رہا ہے چھپ کے اسے دام و دانہ کیا
طبل و علم ہے[1] پاس نہ اپنے ہے ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا !
آتی ہے کس طرح سے مری قبض روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا
ہوتا ہے زرد سن کے جو نامرد مدّعی
رستم کی داستاں ہے ہمارا فسانہ کیا ؟
بے یار سازوار نہ ہوئے گا گوش[2] کو
مطرب ہمیں سناتا ہے اپنا ترانہ کیا

۱ ۔ کلیات طبع نول کشور جدید و قدیم : ''طبل و علم نہ پاس ہے اپنے نہ ملک و مال''۔
لیکن آب حیات ''طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال''
۲ ۔ آب حیات : بے یار ساز وارنہ ہوگا وہ گوش کو

صیّاد گل عذار دکھاتا ہے سیرِ باغ
بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا
ترچھی نگہ سے طائرِ دل ہو چکا شکار
جب تیر کج پڑے گا، اڑے گا نشانہ کیا؟
بے تاب ہے کمال ہمارا دلِ حزیں
مہماں، سرائے جسم کا ہوگا روانہ کیا؟
یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا!

۱۲

بیمارِ عشق رنج و محن سے نکل گیا
بیچارہ منہ چھپا کے کفن سے نکل گیا
مرغانِ باغ، آتشِ گل نے جلا دیے
صیّاد ہاتھ مل کے چمن سے نکل گیا
پیکِ نگاہ چشمۂ حیواں دہن میں ہے
بچ کر اگر یہ چاہ ذقن سے نکل گیا
دیکھا جو مجھ غریب کو بولے عدم کے لوگ
مدت سے تھا یہ اپنے وطن سے نکل گیا
عالم جو تھا مطیع ہمارے کلام کا
کیا اسمِ اعظم اپنے دہن سے نکل گیا؟
جوشِ جنوں نے فصدوں سے مطلق کمی نہ کی
سیروں لہو ہمارے بدن سے نکل گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ٦ ، نول کشور قدیم ص ٦، جدید ص ۹ ، بہار سخن ص ٦٥ -

آویزہ تیرے گوش کا ہو اس امید پر
کیا کیا عقیق کانِ یمن سے نکل گیا

زنجیر کا وہ غل نہیں زنداں میں اے جنوں
دیوانہ قید خانۂ تن سے نکل گیا

رتبے کو تیرے سن کےسبک ہوکے ہرغزال
دیوانہ ہو کے دشتِ ختن سے نکل گیا

پھر طفلِ حیلہ جُو کا بہانہ نہ مانیو
آتش وہ اَب کی بار تو فن سے نکل گیا

۱۳

[1]جگرکو داغ میں مانندِ لالہ کیا کرتا ؟
لبالب اپنے لہو کا پیالہ کیا کرتا ؟

ملا نہ سروکوکچھ اپنی راستی میں پھل
کلاہ کج جو نہ کرتا ، تو لالہ کیا کرتا ؟

جریدہ میں رہِ پرخوفِ[2] عشق سے گزرا
جرس سے قافلے میں بحثِ نالہ کیا کرتا ؟

جنونِ عشق میں رہتا تھا امتیاز نہ کچھ
چکور طوقِ گلو مہ کا ہالہ کیا کرتا ؟

بجا کیا اسے توڑا جو سر سے دریا کے
حباب لے کے یہ خالی پیالہ کیا کرتا ؟

نہ کھایا غصہ کبھی خوانچہ سے قسمت کے
پھنسے جو حلق میں ، میں وہ نوالہ کیا کرتا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۷ ، نول کشور قدیم ص ۶، جدید ص ۹ ۔
۲ ۔ کلیات طبع نول کشور ”راہ پر خون ۔“

بلائے بد ہوئی داغوں کو سردیِ کافور
سلوک نیک زراعت سے ژالہ کیا کرتا ؟

دیا نوشتہ نہ اس بت کو دل کے سودے میں
خدا کے گھر کا بھلا میں قبالہ کیا کرتا ؟

صفا ہوا نہ ریاضت سے نفسِ امّارہ
کوئی نجاستِ سگ کا ازالہ کیا کرتا ؟

لگی ہے آگ جو کمبل کبھی اڑھایا ہے
ترے برہنہ سے گرمی دوشالہ کیا کرتا ؟

نہ کرتی عقل اگر ہفت آسماں کی سیر
کوئی یہ سات ورق کا رسالہ کیا کرتا ؟

مری طرف جو انھیں کھینچتی کشش دل کی
بتوں کو برہمنوں کا حوالہ کیا کرتا ؟

کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا ؟

عروسِ دہر سے بوئے وفا نہیں آتی
بھلا میں بکر کا اس کے ازالہ کیا کرتا ؟

مہ دو ہفتہ بھی ہوتا، تو لطف تھا آتش
اکیلے پی کے شرابِ دوسالہ کیا کرتا ؟

۱۴

[1]ایک دن فرصت جو میں برگشتہ قسمت مانگتا
دیدۂ تر نوح[4] کے طوفاں کی رخصت مانگتا

۱۔ کلیات، طبع علی بخش ص ۷، نول کشور قدیم ص ۷، جدید ص ۱۰۔ بہارستان سخن طبع اول ص ۵۴ میں ''ایک دن'' کے بجائے ''یک دم'' ہے۔ چونکہ بہارستان سخن ۱۲۶۳ھ میں ولی محمد کے مطبع سے شائع ہوئی ہے اس لیے انتہائی اہم نسخہ ہے اور اس کا اختلاف قابلِ لحاظ ہے۔

تشنگی کرتی جو مشتاقِ دمِ خنجر مجھے
آبِ آہن ، شیرِ دایہ کی حلاوت مانگتا
تیرِ بارانِ بَلا سے ہو گئی کشت اپنی سبز
رہ گیا دہقاں دعائے ابرِ رحمت مانگتا
داغ لگتا تھا جنوں کو کیا وطن میں مر کے میں
چادرِ گل ، شمعِ بالیں ، سنگِ تربت مانگتا
دم نکلتا ہی نہیں اے حسرتِ دیدارِ یار
کاش عزرائیل[۴] بھی تیری سی صورت مانگتا !
دوسرا مجھ سا زمانے میں نہیں برگشتہ بخت
گور میں چوری کفن جاتا جو خلعت مانگتا
بے رخِ عالم فروزِ یار ، عزرائیل[۴] تھی
شمعِ بالیں ، کیا میں بیمارِ محبّت مانگتا
آ کے میری خاک پر روتے حسینانِ بہشت
میں اگر اللہ سے بارانِ رحمت مانگتا
روز و شب رکھتا ہوں آغوشِ تصور میں انھیں
سیم تن محبوب ہنستے ، میں جو دولت مانگتا
حسن کا افسوں دکھاتا معجز روح اللّٰہی
نقشِ پا تیرا یدِ بیضا سے بیعت مانگتا
یار کے دل میں کدورت آئی ہے ، ملتی تو میں
دو گھڑی دل کھول کر رونے کی فرصت مانگتا
رہ گئی عزت خموشی کے سبب سے ، شکر ہے
زہر دیتا آسماں مجھ کو جو شربت مانگتا
کیا کہوں آتش اثر اپنی زباں کم بخت کا
تنگ ملتی گورِ تیرہ گر فراغت مانگتا

۱۵

[1]وحشت آ گیں ہے فسانہ مری رسوائی کا
عاشقِ زار ہوں اک آہوے صحرائی کا

پاؤں زنداں سے نہ نکلا ترے سودائی کا
داغ دل ہی میں رہا لالۂ صحرائی کا

دھیان رہتا ہے قدِ یار کی رعنائی کا
سامنا روز ہے یاں آفتِ بالائی کا

کوہِ غم مثلِ پرِ کاہ اٹھا لیتا ہوں
ناتوانی میں بھی عالم ہے توانائی کا

لحد تیرہ میں مجھ پر جو لگا ہونے عذاب
پھر گیا آنکھوں میں عالم شبِ تنہائی کا

کون سا دل ہے نہیں جس میں خدا کی منزل
شکوہ کس منہ سے کروں میں بتِ رعنائی کا

مردِ درویش ہوں ، تکیہ ہے توکل میرا
خرچ ہر روز ہے یاں آمدِ بالائی کا

بوسۂ چشمِ غزالاں مجھے یاد آتے ہیں
نہیں بھولا میں مزا میوۂ صحرائی کا

زندگانی نے مجھے مردہ بنا رکھا ہے
ملک الموت سے سائل ہوں مسیحائی کا

مصرعِ سرو میں لاکھوں ہی نکالوں شاخیں
باندھوں مضموں جو قدِ یار کی رعنائی کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸ ، نول کشورقدیم ص ۷، جدید ص ۱۰،
بہارستان سخن ص ۹۳ -

جب سے شیطان کا احوال سنا ہے میں نے
پائے بت پر بھی ارادہ ہے جبیں سائی کا

ہوئی حجت مجھے غنچے کے چٹکنے کی صدا
شک پڑا تھا دہنِ یار میں گویائی کا

وہ تماشا ہے ترا حسنِ پرآشوب اے ترک
آنکھوں کی راہ سے دم نکلے تماشائی کا

کس طرح سے دلِ وحشی کا میں کہنا مانوں
کوئی قائل نہیں دیوانے کی دانائی کا

یہی زنجیر کے نالے سے صدا آتی ہے
قید خانے میں برا حال ہے سودائی کا

اک پری کو بھی نہ شیشے میں اتارا میں نے
یاد کیا آئے گا اس گنبدِ مینائی کا

بعد شاعر کے ہو مشہور کلامِ شاعر ؟
شہرہ البتہ کہ[1] ہو مردے کی گویائی

شہر میں قافیہ پیمائی بہت کی آتش
اب ارادہ ہے مرا بادیہ پیمائی کا

١٦

اے فلک کچھ تو اثر حسنِ عمل میں ہوتا
شیشہ اک رات تو قاضی کی بغل میں ہوتا

وعدۂ وصل کہاں ، عاشقِ بے صبر کہاں ؟
کام محتاج کا ہے لیت و لعل میں ہوتا

---

١ - کلیات علی بخش ص ٨ ، نول کشور قدیم ص ٨ ، جدید ص ١١ -

بل نہ نکلا تری زلفوں کا صنم ، شانے سے
واقعی زور نہیں پنجۂ شل میں ہوتا

عید نوروز دل اپنا بھی کبھی خوش کرتے
یار آغوش میں ، خورشید حمل میں ہوتا ہے

عرش کی سیر ریاضت نے مجھے دکھلائی
دخلِ مزدور ہے سلطاں کے محل میں ہوتا

سخنِ سخت میں سنتا ہوں لبِ شیریں سے
عہد میں اپنے نہیں موم عسل میں ہوتا

داغ ہیں یوں دلِ نازک میں چراغِ روشن
جلوہ گہ ، جیسے ہے شیشے کے کنول میں ہوتا

آنکھ عاشق سے لڑانے میں گریز اچھی نہیں
امتحاں مرد کا ہے جنگ و جدل میں ہوتا

عزل و نصب اس کو شب و روز ہے منظور **آتش**
لطف کیا چرخ کو ہے پھیر بدل میں ہوتا

١٧

[1]خاک میں مل کے بھی میں اس کو نہ دشمن سمجھا
گردشِ چرخ کو اک گردشِ دامن سمجھا

چوٹ جو دل کو لگی اس کی ہنسی سے بے یار
خندۂ کبک کو میں سنگِ فلاخن[2] سمجھا

چھوڑتا میرے گریباں کو نہیں دستِ جنوں
کیا یہ اس کو کسی محبوب کا دامن سمجھا ؟

---

١ - کلیات طبع علی بخش ص ٨ - ٩ ، نول کشور قدیم ص ٨ ، جدید ص ١٢ ، بہارستان سخن ص ٧٠ -

٢ - فلاخن : گوپھن -

بسکہ تھی اس سے عیاں سینۂ عارف کی صفا
چہرۂ یار کو میں نے دلِ روشن سمجھا
زلفیں سنبل ہیں تو پھر نرگسِ شہلا آنکھیں
جس نے دیکھا ترے مکھڑے کو وہ گلشن سمجھا
کیا جگہ کوچۂ محبوب ہے ، سبحان اللہ !
کوئی کعبہ ، کوئی جنّت ، کوئی گلشن سمجھا
یاد آئی جو مجھے اپنی بیاباں مرگی
گنبدِ قصرِ فلک ، گنبدِ مدفن سمجھا
سنگِ درِ جَاں کے تیرا نہ کیا سجدہ انھیں
کچھ حقیقت کو بتوں کی نہ برہمن سمجھا
سینے سے مثلِ چمن میں نے لگایا جو اُسے
داغِ سودا کو مرا دل گلِ سوسن سمجھا
موم دونوں کو کیا نالۂ آتش خو نے
سنگ کو سنگ ، نہ آہن کو یہ آہن سمجھا
ہو گئی یار کے ہاتھوں میں جو مہندی کالی
انگلیوں کو میں زبانِ گلِ سوسن سمجھا
سنبلِ تر مجھے بےزلفِ صنم دود ہوا
بے رخِ یار میں گلزار کو گلخن[1] سمجھا
محفلِ یار میں دیکھا جو سر اُس کا کٹتے
گردنِ شمع کو عاشق کی میں گردن سمجھا
کیوں نہ معراجِ محمدؐ کا ہو قائل آتش
مہ و خورشید کو نقشِ سمِ توسن سمجھا

---

۱ - گلخن : انگیٹھی -

۱۸

[1]یار کو میں نے ، مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر طالعِ بیدار نے سونے نہ دیا

خاک پر سنگِ درِ یار نے سونے نہ دیا
دھوپ میں سایۂ دیوار نے سونے نہ دیا

شام سے وصل کی شب آنکھ نہ جھپکی تا صبح
شادیِ دولتِ دیدار نے سونے نہ دیا

ایک شب بلبلِ بیتاب کے جاگے نہ نصیب
پہلوے گل میں کبھی خار نے سونے نہ دیا

جب لگی آنکھ ، کراہا یہ کہ بدخواب کیا
نیند بھر کر دلِ بیمار نے سونے نہ دیا

دردِ سر شام سے اس زلف کے سودے میں رہا
صبح تک مجھ کو شبِ تار نے سونے نہ دیا

رات بھر کیں دلِ بیتاب نے باتیں مجھ سے
رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا

سیلِ گریہ سے مرے نیند اڑی مردم کی
فکرِ بام و در و دیوار نے سونے نہ دیا

باغِ عالم میں رہیں خواب کی مشتاق آنکھیں
گرمیِ آتشِ گلزار نے سونے نہ دیا

سچ ہے غم خواریِ بیمار عذابِ جاں ہے
تا دمِ مرگ دلِ زار نے سونے نہ دیا

تکیہ تک پہلو میں اس گل نے نہ رکھا آتش
غیر کو ساتھ کبھی یار نے سونے نہ دیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹ ، نول کشور قدیم ص ۸ ، جدید ص ۱۲

۱۹

[1]ہوا ہے عشق ہم کو اُس کے حسنِ پاک سے پیدا
کیا ہے نور کے بکّوں کو جس نے خاک سے پیدا

کلامِ صاف کو اپنے جو دیکھے اُس کو حیرت ہو
یہ آئینہ ہوا ہے جوہرِ ادراک سے پیدا

ہمارے حلق میں دن رات ذکرِ ذاتِ اقدس ہے
قضا نے کی ہے یہ تسبیح خاکِ پاک سے پیدا

ہراک جانب سے اُس محبوب کو خط لکھتے ہیں عاشق
عریضے ہوتے ہیں چاروں طرف کی ڈاک سے پیدا

اسیر آزاد ہوں اے جانِ جاں تیری محبت سے
دماغِ دل کشی ہووے الف سی ناک سے پیدا

بخیلوں سے موافق ہو طبیعت کیوں نہ دنیا کی
حلاوت ہوتی ہے ہر قحبہ کو امساک سے پیدا

ترے تیرِ نگہ پر دم نہ کس نخچیر کا پھڑکا
نہ کی دل بستگی کس صید نے فتراک سے پیدا

غم اپنے قتل ہونے کا نہیں، غم ہے تو یہ غم ہے
نہ ہوگا کشتنی مجھ سا مرے سفّاک سے پیدا

غنیمت ہی سمجھیے حلقۂ احباب گرد اپنے
یہ دورا پھر نہ ہوگا گردشِ افلاک سے پیدا

دماغِ حضرت یعقوب[ع] عاشق اس کو کہتے ہیں
ہوئی ہے بوے یوسف[ع] یار کی پوشاک سے پیدا

صدا یہ صید گاہِ عشق میں آتی ہے برسوں سے
نشانہ تیر کا ہو، راہ کر فتراک سے پیدا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۹، نول کشور قدیم ص ۹، جدید ص ۱۳۔

بلاے جانِ عالم ہوگئیں ہیں ، تیری زلفوں نے
قرابت کی ہے مارِ شانۂ ضحّاک سے پیدا
یقیں ہے صبر کرتے کرتے عاجز آن کو کردوں میں
یہ کیا، ہوں سات سو ظالم جو ہفت افلاک سے پیدا
دلِ صد پارہ کے ہر پارے پر نقشِ محبت ہے
کہاں ہو سکتے ہیں ایسے نگیں حکاک[1] سے پیدا
ترے افعیِ گیسو سونگھ کر کہتے ہیں افیونی
یہ کیفیت نہ ہوگی نشۂ تریاک سے پیدا
پیامِ مرگ سے ہوتی ہے غمگیں روح کس خاطر
ملے گا خاک میں وہ جو ہوا ہے خاک سے پیدا
مرے خورشید رو کا ایک عالم ہوگا دیوانہ
ہزاروں ہوویں گے صبحِ گریباں چاک سے پیدا
مسیحا سے ہمارے عیسیِ مریم کو کیا نسبت
شفا ہوتی ہے کس کے آستاں کی خاک سے پیدا
یہ کس نخچیرِ ناوک خوردہ کی صورت سے پھڑکا ہے
رمِ آہو ہے تیرے توسنِ چالاک سے پیدا
قدم سے تیرے دیوانوں کی ، آبادی کا عالم ہے
ہوا ہے شہر اک صحراے وحشت ناک سے پیدا
ہنر سے نیاریوں[2] کے حال یہ ظاہر ہوا ہم کو
مقدر میں جو دولت ہو تو زر ہو خاک سے پیدا

---

۱ - نگینہ تراشنے والا -
۲ - نیاریا : کوڑا کرکٹ اور سونار یا صرافہ بازار کی نالیوں سے ریت وغیرہ نکال کر سونا ڈھونڈنے والا -

سحر تک شام سے چلتی ہیں لاتیں وصل کی شب میں
محبت کی ہے کس گستاخ، کس بے باک سے پیدا
کیا ہے اپنے غنچے سے دہن میں تو نے جو اس کو
شمیمِ گل ہوئی ہے ریشۂ مسواک سے پیدا
عزیز از جاں نہ رکھیں داغِ عشق زلف و خط کیونکر
یہ گل ہم نے کیے ہیں کس خس و خاشاک سے پیدا
کنارہ بحرِ ہستی سے نہیں بے جان سے گزرے
کنارہ گور ہے اس کا جو ہو پیراک سے پیدا
دعائے آتشِ خستہ یہی ہے روزِ محشر کو
یہ مشتِ خاک ہووے کربلا کی خاک سے پیدا

۲۰

[1]کام کرتی رہی وہ چشمِ فسوں ساز اپنا
لبِ جاں بخش دکھایا کیے اعجاز اپنا
سرو گڑ جاویں گے، گل خاک میں مل جاویں گے
پاؤں رکھتے تو چمن میں وہ سرافراز اپنا
خندہ زن ہیں، کبھی گریاں ہیں، کبھی نالاں ہیں
نازِ خوباں سے ہوا ہے عجب انداز اپنا
یہی اللہ سے خواہش ہے ہماری اے بت!
کور بدبیں ہو ترا، گنگ ہو غمّاز اپنا
سوزشِ دل سے زباں کو نہ ہوئی آگاہی
اف کیا منہ سے نہ ہم نے، نہ کھلا راز اپنا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۰، نول کشور قدیم ص ۹، جدید ص ۱۴۔

خوف ہوتا ہے جگر زمزمہ سن کر بے یار
دل دکھاتی ہے مغنّی، تری آواز اپنا

نہ سنی یار نے اک بات سخن‌سازوں کی
رہ گئے کھول کے منہ مفسدہ پرداز اپنا

پر کترنے سے تو صیّاد چھری ہی پھیرے
قصّہ کوتاہ کرے حسرتِ پرواز اپنا

برہمن کھولے ہی گا بت کدے کا دروازہ
بند رہنے کا نہیں کارِ خدا ساز اپنا

یاد آتی ہیں ادائیں جو تری اے محبوب!
بھول جاتے ہیں حسینانِ جہاں ناز اپنا

مرغِ دل صید گہ عشق چلا ہے دیکھیں
طعمہ کرتا ہے اسے کون سا شہباز اپنا

روٹھ کر ملنے جو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
کل خفا تم تھے، مزاج آج ہے ناساز اپنا

خبرِ اول و آخر نہیں مطلق آتش
نہ تو انجام ہے معلوم، نہ آغاز اپنا

۲۱

[1] غم نہیں، گو اے فلک رتبہ ہے مجھ کو خار کا
آفتاب اک زرد پتّا ہے مرے گلزار کا

زلف کے حلقے میں الجھا سبزہ گوشِ یار کا
ہو گیا سنگِ زمرد خالِ چشمِ مار کا

---

۱ - کلیات علی‌بخش ص ۱۰، نول کشور قدیم ص ۱۰، جدید ص ۱۵، بہارستان سخن ص ۲۶ -

ناخدا ہے موت ، جو دم ہے سو ہے بادِ مراد
عزم ہے کشتیِ تن کو بحر ہستی پار کا
خانۂ زنجیر سے مثلِ صدا ڈرتا ہوں اب
یاد آتا ہے کفِ پا میں کھٹکنا خار کا
جوشِ گریہ نے کیا ہے ناتواں اتنا مجھے
ٹوٹنا ممکن نہیں ہے آنسوؤں کے تار کا
کھا گئی آخر مجھے چشمِ سیاہِ سرمگیں
رزق قسمت نے کیا زنگیِ آدم خوار کا
سعیِ لا حاصل مداوائے مریضِ عشق ہے
تھامنا ممکن نہیں گرتی ہوئی دیوار کا
ہاتھ قاتل کا گریباں تک پہنچ سکتا نہیں
اور فرطِ شوق ہے یاں زخمِ دامن‌دار کا
پھول جو ہے اپنے گلشن کا سپر کا پھول ہے
ہر شجر اس باغ میں لاتا ہے پھل تلوار کا
خطِ روئے یار سے ایذا اٹھائی ہے زبس
سبزے سے ہوتا ہے صدمہ میرے دل کو خار کا
گرچہ پیشِ طاق ابروئے صنم گیسو نہیں
کعبے پر نرغہ ہوا ہے لشکرِ کفّار کا
اے صنم تیری کرنجی آنکھ سے ثابت ہوا
رنگ اڑ جاتا ہے روئے مردمِ بیمار کا
یاد میں تیری رقیبِ روسیہ جاگا تو کیا
مرتبہ عالی نہ ہو خفّاشِ شب بیدار کا
اس پری رو کے جو کوچے کا گزرتا ہے خیال
بن کے جِنّ ، سایہ لپٹتا ہے مجھے دیوار کا

آٹھ کے دیوارِ لحد سے مردے ٹکراتے ہیں سر
اک قیامت ہے ، صنم عالم تری رفتار کا

خم ندامت سے کیا محراب میں کعبہ کی ، سر
گردنِ زاہد سے بوجھ اٹھا نہ جب زنّار کا

زندگی میں بےادب ہونے نہ دے گو[1] رعبِ حسن
خاک ہے میری پس از مرگ اور دامن یار کا

اے صنم عاشق سے رو پوشی نہیں لازم تجھے
پردہ موسیٰ[4] سے نہیں اللہ کو دیدار کا

بوے گل آتش کہیں ہوتی ہے محسوس[2] نظر
افترا ہے روزِ محشر یار کے دیدار کا

۲۲

[3]شہر کو نالوں نے مجھ مجنوں کے صحرا کردیا
جوشِ سیلِ اشک نے چشموں کو دریا کردیا

ہنس کے بولا یار ، میں مارے خوشی کے مر گیا
قصہ طولانی تھا ، دو باتوں میں پرچھا[4] کر دیا

پیشتر بھی قطعہ[5] گلزار تھا وہ سادہ رو
خال و خط نے اور چہرے کو تماشا کر دیا

جنبشِ مژگاں لبوں پر کھینچ لائی جان کو
زخمِ دل کے چور کو نشتر نے پیدا کر دیا

---

۱ - کلیات طبع ۱۹۲۹ع میں ہے ''تو رعب''۔ باقی نسخوں میں ''گو رعبِ حسن''۔
۲ - طبع علی بخش ''مخصوص خطر'' غالباً مخصوص املا کی غلطی ہے۔
۳ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۰ ، جدید ص ۱۵۔
۴ - پرچھا کرنا : معاملہ نمٹانا ، قصہ تمام کرنا ۔

کچھ نظر آتا نہیں اس کے تصوّر کے سوا
حسرتِ دیدار نے آنکھوں کو اندھا کر دیا

کیا چمک کر نکلا تھا صورت ملانے یار سے
سامنے خورشید کے اس نے کفِ پا کر دیا

آہ و نالے سے سوا چرچا خموشی کا ہوا
پاسِ رسوائی نے ہم کو اور رسوا کر دیا

ایک دن پہنچا نہ دستِ یار تک مکتوبِ شوق
طالعِ بد نے کبوتر کو بھی عنقا کر دیا

خطِ مشکیں نے کیا اندھیر روے یار پر
روے روشن دیدۂ عاشق میں کالا کر دیا

یار کا رخسارۂ رنگیں ہے آتش رشکِ باغ
جب نقاب اُلٹا ، درِ گلزار کو وا کردیا

۲۳

[1]تصوّر ہر نفس ہے پیشِ چشم اس روے روشن کا
نگہباں برق کو میں نے کیا ہے اپنے خرمن کا

مجھے مقصود دل پردہ دری ہے عیب پوشی میں
گریباں پھاڑ کر کرتا ہوں میں پیوند دامن کا

تواضع دشمنِ جاں کی زیادہ قتل کرتی ہے
خمِ شمشیر معشوقوں کا نہوڑانا ہے گردن کا

گرایا دل نے لے جا کر مجھے قصرِ زنخداں میں
لکھا تھا ڈوبنا قسمت میں میری چاہِ گلشن کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۱ ، جدید ص ۱۶ -

سبک وضعوں کا احسان کھینچتا ہے داغِ پیشانی
نشاں مٹتا ہے روے زخم سے کب تارِ سوزن کا
کیا قتل اس نے کہنے سے رقیبِ تیرہ باطن کے
رکھا گردن پہ اپنی دوست نے احسان دشمن کا
چمن کا عالم آتا ہے نظر گنجِ شہیداں میں
قدم بادِ بہاری ہے مرے قاتل کے توسن کا
حبیبِ بے مروت سے ہے عرضِ حال لا حاصل
نہ بخشے نفع ہرگز کوٹنا کچھ سرد آہن کا
رہِ جلاد تکتا ہوں زبس میں ، میرے زنداں میں
نظر آتا ہے چشمِ منتظر ہر چشمہ روزن کا
فروغِ ظاہری کو داغ ، روشن دل سمجھتے ہیں
چراغِ بادہ اے آتش نہ ہو محتاج روغن کا

۲۴

[1]ادب تاچند ، اے دستِ ہوس ! قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا
غضب ہے ، جان کو پہلو میں ہونا دل سے دشمن کا
محلِ خوف ہے ہمسایہ قصّاب و برہمن کا
جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیاں رکھ کر
ہمارے اس کے پردہ رہ گیا دیوارِ آہن کا
یہ خوش اسلوب جسم اس نوجواں کا ہے جو ناپیں تو
برابر نکلے ڈورا اس کمر کا اور گردن کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲ ، طبع نول کشور قدیم ص ۱۲ ، جدید ص ۱۶ -

مئے گل رنگ سے چھلکی جو سرخی پان کی اُس میں
گلوے یار پر عالم ہوا شیشے کی گردن کا

بہار اک دل کے داغوں نے دکھائی چشمِ قاتل کو
دہانِ زخمِ سینہ بن گیا دروازہ گلشن کا

چنی[1] افشاں جو پیشانی پہ اُس نے ، چاندنی چھٹکی
ملی مسّی ، تو آئینے میں پھولا تختہ سوسن کا

اندھیرے میں جو ڈر کر مجھ سے وہ خورشید رو لپٹا
شبِ تاریک میں ہاتھ آیا مضموں روزِ روشن کا

کڑا پن آگے مردانِ خدا کے چل نہیں سکتا
کف داؤد[2] میں یکساں ہے عالم موم و آہن کا

ڈراتا ہے کسے اے شیخ تو نارِ جہنّم سے
سمندر موج مارے گر نچوڑوں پاٹ دامن کا

سمجھتے تھے نہ ہم اتنا درانداز اے جنوں تجھ کو
گریباں سے تعلق ہو گیا موقوف دامن کا !

درِ فردوس پر رضواں سے رخصت کون لیتا ہے !
سمجھتا ہوں میں کھیل اک پھاندنا دیوارِ گلشن کا

ہوئی ہے مردمِ دنیا کی صورت سے یہ بیزاری
گماں ہوتا ہے اپنے سائے پر بھی ہم کو دشمن کا

اُڑایا پان کی تحریر نے اور اُس کے دانتوں کو
نگیں کا رنگ چمکا دے مقرر ڈاک[2] کندن کا

رخِ روزِ سیہ ہر صبح آنکھوں کو نظر آیا
ہمارا کوکبِ طالع مگر چہرہ تھا دشمن کا

---

۱ - طبع علی بخش میں "چناں افشاں" درج ہے -
۲ - ڈانک : چمک دار چیز جو نگینوں کے نیچے رکھتے ہیں -

یقینِ منزلِ محبوب اس پر مجھ کو ہوتا ہے
دلِ صد چاک میں میرے ہے صاف انداز چلمن کا
نہیں ہم سا گنہگار اے فلک کوئی زمانے میں
ہمارے مردے کو درکار ہے غسل آبِ آہن کا
ستایا ہے نہایت انقلابِ دہر نے ہم کو
رہا کرتا ہے چشمِ تر کے اوپر گوشہ دامن کا
مجھے بھی گر کسی نے محکمے میں حشر کے پوچھا
تو سن لینا کہ پردہ کھل گیا قاتل کے دامن کا
کیا اک آن میں تیغِ قضا نے صاف دو ٹکڑے
گماں ہی رہ گیا دشمن کو **آتش** اپنے جوشن کا

۲۵

آشنا[۱] گوش سے اس گل کے سخن ہے کس کا ؟
کچھ زباں سے کہے کوئی یہ دہن ہے کس کا ؟
پیشتر حشر سے ہوتی ہے قیامت برپا
جو چلن چلتے ہیں خوش قد ، یہ چلن ہے کس کا ؟
دستِ قدرت نے بنایا ہے تجھے اے محبوب !
ایسا ڈھالا ہوا سانچے میں بدن ہے کس کا ؟
کس طرح تم سے نہ مانگیں ، تمھیں انصاف کرو
بوسہ لینے کا سزاوار دہن ہے کس کا ؟
شادیِ مرگ سے پھولا میں سمانے کا نہیں
گور کہتے ہیں کسے، نام کفن ہے کس کا
دہنِ تنگ ہے موہوم ، یقیں ہے کس کو
کمرِ یار ہے معدوم ، یہ ظن ہے کس کا ؟

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۲ ، جدید ص ۱۷ ۔

مفسدے جو کہ ہوں اس چشمِ سیہ سے کم ہیں
فتنہ پردازی جسے کہتے ہیں ، فن ہے کس کا ؟
ایک عالم کو ترے عشق میں سکتہ ہوگا
صاف آئینے سے شفّاف بدن ہے کس کا ؟
حسن سے دل تو لگا عشق کا بیمار تو ہو
پھر یہ عنابِ لب و سیبِ ذقن ہے کس کا ؟
گلشنِ حسن سے بہتر کوئی گلزار نہیں
سنبل اس طرح کا پُرپیچ و شکن ہے کس کا ؟
باغِ عالم کا ہر اک گل ہے خدا کی قدرت
باغباں کون ہے اس کا ، یہ چمن ہے کس کا ؟
خاک میں اِس کو ملاؤں ، اسے برباد کروں
جان کس کی ہے مری جان ! یہ تن ہے کس کا ؟
سرو سا قد ہی نہیں ، مدِ نظر کا میرے
گل سا رخ کس کا ہے ؟ غنچہ سا دہن ہے کس کا ؟
کیوں نہ بےساختہ بندے ہوں دل و جاں سے نثار
قدرت اللہ کی ، بے ساختہ پن ہے کس کا ؟
آج ہی 'چھوٹے ، جو چھٹنا یہ خرابہ کل ہو
ہم غریبوں کو ہے کیا غم ، یہ وطن ہے کس کا ؟
یار کو تم سے محبت نہیں تو اے آتش
خط میں القاب یہ پھر 'مشفقِ من' ہے کس کا ؟

۲۶

'روزِ مولود سے ، ساتھ اپنے ہوا غم پیدا
لالہ ساں داغ اٹھانے کو ہوئے ہم پیدا

---

۱ ۔کلیات طبع علی بخش ص۱۳ ، نول کشور قدیم ص۱۲ ، جدید ص ۱۸ ۔

ہوں میں وہ نخل کہ ہر شاخ مری آرہ ہے
ہوں میں وہ شاخ کہ ہوں برگِ تبردم پیدا

میں جو روتا ہوں مرے زخمِ جگر ہنستے ہیں
شادی و غم سے کیا ہے مجھے توام پیدا

چاہنے والے ہزاروں نئے موجود ہوئے
خط نے اس گل کے کیا اور ہی عالم پیدا

درد سر میں ہو کسی کے تو مرے دل میں ہو درد
واسطے میرے ہوا ہے غمِ عالم پیدا

زخمِ خنداں ہیں بعینہ لبِ خنداں اپنے
شادمانی میں ہے یاں حالت ماتم پیدا

آسماں شوق سے تلواروں کا مینہ برساوے
مہِ نو نے ترے ابرو کا کیا خم پیدا

کام اپنا نہ ہوا جب کجیٔ ابرو سے
گیسوے یار ہوئے درہم و برہم پیدا

شبہ ہوتا ہے صدف کا مجھے ہر غنچے پر
کہیں موتی نہ کریں قطرۂ شبنم پیدا

چپ رہو ، دور کرو ، منہ نہ مرا کھلواؤ
غافلو! زخمِ زباں کا نہیں مرہم پیدا

قلزمِ فکر میں ہرچند لگائے غوطے
دُرِ مضموں کوئی یاروں سے ہوا کم پیدا

دوست ہی دشمنِ جاں ہوگیا اپنا آتش
نوش دارو نے کیا یاں اثرِ سم پیدا

۲۷

[1]توڑ کر تارِ نگہ کا سلسلہ جاتا رہا
خاک ڈال آنکھوں میں میری قافلہ جاتا رہا

کون سے دن ہاتھ میں آیا مرے دامانِ یار؟
کب زمین و آسماں کا فاصلہ جاتا رہا؟

خارِ صحرا پر کسی نے تہمتِ دزدی نہ کی
پاؤں کا مجنوں کے کیا کیا آبلہ جاتا رہا

دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

جب اٹھایا پاؤں آتش مثلِ آوازِ جرس
کوسوں پیچھے چھوڑ کر میں قافلہ جاتا رہا

۲۸

[2]حشر کو بھی دیکھنے کا اس کے ارماں رہ گیا
دن ہوا پر آفتاب آنکھوں سے پنہاں رہ گیا

بندگیِ حق میں بھی بھولا نہ میں یادِ صنم
توبۂ مے کی، ولیکن داغِ داماں رہ گیا

جوشِ وحشت میں بیاباں کو گیا مانندِ روح
جسمِ خاکی کی طرح سے میرا زنداں رہ گیا

پاسِ الفت سے جنوں میں بھی نہ کپڑے پھٹ سکے[3]
طوق بن کر میری گردن میں گریباں رہ گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۳، نول کشور قدیم ص ۱۲، جدید ص ۱۹، بہارستان سخن ص ۸۰ -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۳ - ۱۴، نول کشور قدیم ص ۱۳، جدید ص ۱۹، بہارستان سخن ص ۸۹ -

۳ - کلیات نول کشور ''پھٹ گئے'' -

اے صبا جاوے چمن میں تُو ، تو کہیو یار سے
باغ میں جا کر تو اے سروِ خراماں رہ گیا

دوستی نبھتی نہیں ہرگز فرومایہ کے ساتھ
روح جنت کو گئی جسمِ گلی یاں رہ گیا

سامنے ہوتے ہی مژگاں کے ہوا دل کو یقیں
موت سے اب تیر کے پلنے کا میداں رہ گیا

پہلے ہی پرزے اڑا ہونے نہ پایا سینہ چاک
یار ثابت وقتِ بد میں اک گریباں رہ گیا

حسن میں بھی عزّت و ذلّت خدا کے ہاتھ ہے
گل کو پیراہن ملا تو شعلہ عریاں رہ گیا

بستیاں ہی بستیاں ہیں گنبدِ افلاک میں
سینکڑوں فرسنگ مجنوں سے بیاباں رہ گیا

بعد مدت ساتھ اُس گل رو کے جو دیکھا مجھے
اڑ گئے مرغِ چمن خالی گلستاں رہ گیا

چال ہے مجھ ناتواں کی مرغِ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا ، واں رہ گیا

کرکے آرائش جو دیکھی اُس صنم نے اپنی شکل
بند آنکھیں ہو گئیں ، آئینہ حیراں رہ گیا

راہِ اُلفت میں نہیں اندیشۂ پست و بلند
گر کے کب یوسف[۴] میانِ چاہِ کنعاں رہ گیا

جانِ شیریں ہو فراقِ یار سے کیونکر عزیز
مرگِ صاحب خانہ ہے فاقہ جو مہماں رہ گیا

میری وحشت نے چراغِ راہ جو سمجھا اُسے
آنکھ دکھلا کر مجھے غولِ بیاباں رہ گیا

لاشہ اٹھوا کر نہ کر اس کو بھی اے قاتل اجاڑ
ہے فقط آباد اک گنجِ شہیداں رہ گیا

کھینچ کر تلوار قاتل نے کیا مجھ کو نہ قتل
شکر ہے گردن تک آتے آتے احساں رہ گیا

کیا بیاں عالم زوالِ حسنِ خوباں کا کروں
روشنی جاتی رہی، سروِ چراغاں رہ گیا

کاروانِ نکہتِ گل کر گیا گلشن سے کوچ
صورتِ نقشِ قدم گلزار حیراں رہ گیا

شامِ ہجراں صبح بھی کر کے نہ دیکھا روزِ وصل
سانپ کو کچلا پر آتش گنج پنہاں رہ گیا

۲۹

[1]کوئی عشق میں مجھ سا افزوں نہ نکلا
کبھی سامنے ہو کے مجنوں نہ نکلا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

بجا کہتے آئے ہیں ہیچ اس کو شاعر
کمر کا کوئی ہم سے مضموں نہ نکلا

ہوا کون سا روزِ روشن نہ کالا
کب افسانۂ زلفِ شب گوں نہ نکلا

پہنچتا اسے مصرعِ تازہ و تر
قدِ یار سا سرو موزوں نہ نکلا

رہا سال ہا سال جنگل میں آتش
مرے سامنے بیدِ مجنوں نہ نکلا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۴، نول کشور قدیم ص ۱۳، جدید ص ۲ -

۳۰

[1]تیری کاکل میں پھنسا ہے دل جوان و پیر کا
سیکڑوں آزاد ہے پابند اک زنجیر کا

وصفِ چشمِ یار میں، یارا نہیں تقریر کا
جائے خاموشی ہے عالم سُرمے کی تحریر کا

کس خوشی سے دوڑ کر عاشق کٹاتے ہیں گلے
نقشِ حب اے ترک! جوہر ہے تری شمشیر کا

جانبِ چرخِ مقوّس آہ ہوتی ہے رواں
یہ کماں اک دن نشانہ ہے ہمارے تیر کا

اس قدر بیتاب ہوں تیرے بغیر اے بحرِ حسن
پیرہن دیتا ہے دھوکا دامِ ماہی گیر کا

دولتِ دنیا سے مستغنی طبیعت ہو گئی
خاکساری نے اثر پیدا کیا اکسیر کا

باغ میں شب باش ہو کر لالہ رو جلوا نہ شمع
داغ بلبل کو نہ دے دکھلا کے منہ گل گیر کا

خوکہ لکھا خوب لکھا، دسترس ہوتا اگر
چومتا میں ہاتھ اپنے کاتبِ تقدیر کا

روز و شب پیشِ نظر چشمِ سیاہ یار ہے
کام لیتا ہوں تصور سے میں آہو گیر کا

عمر بھر مضموں طلائی رنگ کے بندھتے رہے
سرنوشت اپنی بھی نسخہ تھا کوئی اکسیر کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۴ ، نول کشور قدیم ص ۱۳ ، ۱۴ ،
جدید ص ۲۰ -

حیف کی جا ہے نہ ہووے نرم و چرب اس کی زباں
پرورش پایا ہوا یہ آدمی ہے شیر کا
گوش گل ، رخسار لالہ ، چشم نرگس ، سرو قد
باغ کا تختہ بھی صفحہ ہے کوئی تصویر کا !
عاشقوں کے خون سے رہتی ہے بس وہ سرخ پوش
دیدۂ مریخ جوہر ہے تری شمشیر کا
کارواں تک روز واماندوں کو پہنچایا گیا
اے جرس ! شاہد ہوں تیرے نالے کی تاثیر کا
فکر قصر چرخ میں کیا موجزن ہوتے ہیں اشک
سیل ارادہ کر رہا ہے کس کہن تعمیر کا
اس پری رو طفل کا دیوانہ ہوں آتش جسے
کھیل ہے اک توڑنا سودائی کی زنجیر کا

۳۱

[1]عالمِ منطق مصوّر ہو تری تصویر کا
منہ کتابی قطبی ہے ، خط حاشیہ ہے میر کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۴ ، جدید ص ۲۱ - بہارستان سخن ص ۶۳ میں دوسرا مطلع پہلے ہے اور ''عالم منطق'' دوسرا شعر ہے - نیز ''عالم منطق مصور ہو'' کے بجائے ''عالم منطق مصور ہے'' درج ہے -
مطلع میں منطق ، مصور ، قطبی ، حاشیۂ میر بطور مراعات النظیر استعمال ہوئے ہیں -
قطبی : قطب الدین رازی متوفی ۷۶۶ھ کی شرح شمسیہ جو منطق کی متوسط درسی کتابوں میں بہت مشہور ہے -
حاشیۂ میر : قطبی پر سید شریف جرجانی کا حاشیہ بھی متداول و مشہور ہے -

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷ پر)

رتبہ پہنچا ہے خموشی سے یہ مجھ دل گیر کا
جو کوئی دیکھے اُسے شک ہو گئی تصویر کا
زندۂ جاوید ہیں قربانیانِ تیغِ عشق
سر کا کٹنا جانتے ہیں پھوٹنا نکسیر کا
مثلِ شانہ دسترس اُس زلف پر ہووے اگر
دعوتِ افعی کروں بھر کر پیالہ شیر کا
جس سے لپٹا سوکھا مجنوں کی طرح سے وہ درخت
عشق پیچے پر مجھے ہوتا ہے شک زنجیر کا
ہجر کے صدمے سے خوبی عشق کی ظاہر ہوئی
زخم کی ایذا سے جوہر کھل گیا شمشیر کا
سرخ با وصفِ سیہ کاری ہے رنگِ رو مرا
سامنا ہوتا ہے کس کے عفو سے تقصیر کا
خط لکھوں گا یارِ سیم اندام کو میں اے قلم
روشنائی میں ہو 'دودہ'[1] روغنِ اکسیر کا
ہر شبِ آدینہ آتا ہے وہ طفلِ شمع رو
اپنا تعویذِ لحد بھی نقش ہے تسخیر کا
نوش بے صرفہ کرے خونِ گنہگارانِ عشق
پھول سے رنگیں رہے پھلڑا تری شمشیر کا

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

میرے خیال میں مصرع یوں ہے:
"منہ کتابِ قطبی ہے، خط حاشیہ ہے میر کا"
لیکن نسخۂ علی بخش اور نول کشور کے مطبوعہ نسخے میں "کتابی قطبی" درج ہے۔

۱۔ دودہ: دھویں سے مرکب روشنائی۔

غش کریں گے کودکاں وحشت سے مجھ دیوانہ کے
حلقِ بسمل ہے ہر اک حلقہ مری زنجیر کا
خود بیاں رخ کی صباحت کا کر اے شیریں دہن
قند کے کوزے سے جاری ہووے دریا شیر کا
روسیہ دشمن کا یوں پاپوش سے کیجیے فگار
جیسے سلہٹ کی سپر پر زخم ہو شمشیر کا
دے سکا بوسہ نہ اک وہ برق وش خیراتِ حسن
مال دارِ بے کرم بھی ابر ہے تصویر کا
حالِ مستقبل نجومی اُس سے کرتے ہیں بیاں
زائچہ بھی نقل ہے پیشانی کی تحریر کا
چار ابرو میں ترے حیراں ہیں سارے خوش نویس
کس قلم کا قطعہ ہے یہ کاتبِ تقدیر کا
نرمیِ ظاہر سمجھ لے سخت گیری کی دلیل
پنبہ بھی بہرِ شرر ہمسر ہے آتش گیر کا
رتبۂ موسیٰ[۴] نمازِ پنجگانہ نے دیا
پانچ وقت اللہ سے موقع رہا تقریر کا
کیسی کیسی صورتوں کے اپنے دل میں داغ ہیں
اس مرقع میں بھی ہے کیا کیا ورق تصویر کا
کشتۂ تیرِ مژہ پر تیغِ ابرو بھی چلے
اے شکار انداز! ہو چورنگ اس نخچیر کا
روک منہ پر وار قاتل کا سپر کی طرح سے
مرد کے چہرے کا زیور زخم ہے شمشیر کا
معرکے میں ہاتھ قاتل کی کمر میں ڈالیے
کھینچیے دامن سرِ میداں گریباں گیر کا

چاک ہوتا ہے کتاں میرے گریباں کی طرح
یہ بھی دیوانہ ہے آتش چاند سی تصویر کا

۳۲

[۱]قدِ صنم سا اگر آفریدہ ہونا تھا
نہ سروِ باغ کو اتنا کشیدہ ہونا تھا
ہوا ہے زلف سے گستاخ کس قدر شانہ
ہمارے پاس بھی دست بریدہ ہونا تھا
نہ کھینچنا تھا زلیخا کو دامنِ یوسف[۴]
اسی کا پردۂ عصمت دریدہ ہونا تھا
دیا نہ ساتھ جو صبر و قرار نے نہ دیا
روانہ ملکِ عدم کو جریدہ ہونا تھا
مٹائے سے کوئی مٹتا ہے باطلوں کے حق
کچھ اختیار سے کیا برگزیدہ ہونا تھا
نہ جانتا تھا غضب ہے نگہ کا تیر اے دل
تجھی کو سامنے آفت رسیدہ ہونا تھا
رلاتا شام و سحر کس طرح نہ طالعِ پست
بلند سر سے مرے آبِ دیدہ ہونا تھا
گریزِ یار نے برباد کردیا ہم کو
غبارِ راہِ غزالِ رمیدہ ہونا تھا
نہ آئی دامنِ دایہ میں نیند اے آتش
درونِ دامنِ خاک آرمیدہ ہونا تھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۵ ، جدید ص ۲۲ -

۳۳

[1]دکھایا آئینہ فکر نے جب ، صفائے آبِ دُرِ سخن کا
دہن کو جوہر کھلا زباں کا ، زباں کو عقدہ کھلا دہن کا
ہر ایک گلبن ہے نخلِ ماتم ، ہر ایک جُو ہے پُر آب دیدہ
جو زخمِ گل میرے باغ کا ہے تو داغ پتّا مرے چمن کا
نظر جو آجائے بید مجنوں تو روؤں مجنوں کی یاد میں خوں
جو دیکھوں تیشہ تو سر کو پھوڑوں خیال بندھ جائے کوہکن کا
برہنہ آیا تھا یاں عدم سے ، برہنہ یاں سے چلا عدم کو
نہ بوے کافور میں نے سونگھی ، نہ داغ مجھ کو لگا کفن کا
چھوا جو گیسوے عنبریں کو تو سانپ کیلا فسوں سے گویا
لیا جو چشمِ سیہ کا بوسہ ، شکار میں نے کیا ہرن کا
نگاہِ اول میں چشمِ مے گوں ، یہ رنگِ محفل کرے دگر گوں
وہ حال ہووے جو وقت آخر ، شراب خوروں کی انجمن کا
خراب مسّٹی نہ ہو کسی کی ، کوئی نہ مردودِ دوستاں ہو
جدا ہوا شاخ سے جو پتّا ، غبارِ خاطر ہوا چمن کا
جو حالِ پروانہ عشق میں ہے ، وہی محبّت میں عالمِ دل
وہ شمعِ فانوس کا ہے کُشتہ ، یہ سوختہ نورِ پیرہن کا
جو پختہ صحرا میں قبر دیکھی تو میں نے کندہ کیا یہ اُس پر
عبیر غربت حبیب کا ہو ، غبارِ خاطر نہ ہو وطن کا
نہ یہ نزاکت پری میں ہوگی ، نہ حور میں یہ نزاکت آتش
جو ہار پھولوں کا اُس نے پہنا تو بوجھ اُٹھایا ہزار من کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۵ ، جدید ص ۲۲ -

۳۴

'بلبل گلوں سے دیکھ کے تجھ کو بگڑ گیا
قمری کا طوق سرو کی گردن میں پڑ گیا

چیں بر جبیں نہ اے بتِ چیں رہ غرور سے
تصویر کا ہے عیب جو چہرہ بگڑ گیا

آئی تو ہے پسند آسے چال یار کی
سن لیجو پاؤں کبکِ دری کا اکھڑ گیا

پیچھے ہٹا نہ کوچۂ قاتل سے اپنا پاؤں
سر سے تڑپ کے چار قدم آگے دھڑ گیا

کھینچی۱ مری طرح سے جو قمری نے آہِ سرد
جاڑے کے مارے سرو چمن میں اکڑ گیا

شیریں کے شیفتہ ہوئے پرویز کوہ کن
شاعر ہوں ، میں یہ کہتا ہوں مضمون لڑ گیا

اللہ رے شوق اپنی جبیں کو خبر نہیں
اَس بت کے آستانے کا پتّھر رگڑ گیا

درماں سے اور درد ہمارا ہوا دو چند
مرہم سے داغِ سینہ میں ناسور پڑ گیا

گل دستہ بن کے رونقِ بزمِ شہاں ہوا
کوڑا جو اس فقیر کے تکیے سے جھڑ گیا

نکلا نہ جسم سے دلِ نالاں شریکِ روح
منزل میں رنگ ناقہ سے اپنے بچھڑ گیا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۶ ، ۱۷ ، نول کشور قدیم ص ۱۵ ، جدید ص ۲۳ ۔
کلیات طبع نول کشور میں ہے "کھینچی جو میری طرح سے" ۔

پہنچا مجاز سے جو حقیقت کی کنہ کو
یہ جان لے کہ راستے میں پھیر پڑ گیا

فرقت کی شب میں زیست نے اپنی وفا نہ کی
قبل سحر چراغ ہمارا نہ بڑھ گیا

پاتا ہوں شوق وصل میں احباب کی کمی
حسن و جمال یار میں کچھ فرق پڑ گیا

لاشوں کو عاشقوں کے نہ اٹھوا گلی سے یار
بسنے کا پھر یہ گاؤں نہیں جب اُجڑ گیا

دیکھا تجھے جو خون شہیداں سے سرخ پوش
تُرک فلک زمیں میں خجالت سے گڑ گیا

برسوں کی راہ آگے عزیزاں نکل گئے
افسوس کارواں سے میں اپنے بچھڑ گیا

آیا جو شرح لعل لب یار کا خیال
جھنڈا قلم کا اپنے بدخشاں میں گڑ گیا

میں نے لیا بغل میں پری رو، وصال کو
دیو فراق کُشتی میں مجھ سے پچھڑ گیا

آتش نہ پوچھ حال تو مجھ دردمند کا
سینے میں داغ، داغ میں ناسور پڑ گیا

۳۵

[۱] کرم کیا جو صنم نے ستم زیاد کیا
شب فراق میں میں نے خدا کو یاد کیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷، نول کشور قدیم ص ۱۶، جدید ص ۲۴ -

کریمی میں تری شک ہو جسے وہ کافر ہے
مجھے ملول تو دشمن کو میرے شاد کیا

یہ دل لگانے میں ؔمیں نے مزہ اٹھایا ہے
ملا نہ دوست تو دشمن سے اتحّاد کیا

بہا جو نرگسِ فتّانِ یار سے سرمہ
تو میں نے چہرے پر اس کو یقین صاد کیا

ہماری آہ سے اے منکرو! حذر مانگو
ہوائے تند نے کیا حالِ قومِ عاد کیا

بچا میں جان کو کر کے تصدّقِ عزّت
وگرنہ دل نے نہیں کون سا فساد کیا

کہوں جو حالتِ دل یار سے تو کہتا ہے
جو کچھ کہ تو نے کہا، میں نے اعتماد کیا

حسد سے جل کے دبے پاؤں اڑ گئے اغیار
ہمارے نالوں نے جب کارِ برق و باد کیا

عوض یہی ہے زمانے میں راست بازی کا
سلوک تو نے جو اے چرخِ کج نہاد کیا

یہی کہوں گا خدا سے میں روزِ محشر کو
فراقِ یار نے ناشاد، نا مراد کیا

کروں میں شکرِ الٰہی کہاں تلک آتش
درونِ صاف دیا، پاک اعتقاد کیا

٣٦

[1]یہ انفعال ِ گنہ سے میں آب آب ہوا
کہ میرا کاسۂ سر کاسۂ حباب ہوا

دل اپنا خون جو بے ساقی و شراب ہوا
ہوائے سرد سے کیا کیا جگر کباب ہوا

کنویں میں یوسف ِ کنعاں کو پھینکا اخواں نے
نہ سمجھے مصر کے چلنے کا پاتراب ہوا

گرہ تھی دل میں زبس حسرت ِ ہم آغوشی
فشار ِ گور کا راحت مجھے عذاب ہوا

شکار گاہ ِ جہاں میں عزیز ِ ہر دل تھا
بچا جو باز سے ، میں طعمۂ عقاب ہوا

بنایا جادۂ رہ مجھ کو خاکساری نے
پھرا جو مجھ سے زمانے میں ، وہ خراب ہوا

ہمارا طالع ِ خفتہ کہیں نہ پس جاوے
یہ سر پہ آس کے ہے بےڈھب ہجوم ِ خواب ہوا

کیا مدام مجھے اشک آتشیں نے تر
ہمیشہ میرے نہانے کو گرم آب ہوا

ملا نہ صورت ِ دولاب غیر کوزۂ آب
ہزار چرخ چلے ، لاکھ انقلاب ہوا

دعائے وصل ِ صنم مانگ ، دل شکستہ نہ ہو
در ِ کریم سے **آتش** کسے جواب ہوا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷ ، نول کشور قدیم ص ۱٦ ، جدید ص ۲۴ ، بہارستان سخن ص ۵۸ -

۳۷

[1]سبزہ بالائے ذقن دشمن ہے خلق اللہ کا
رہروؤں کی موت ہے خس پوش ہونا چاہ کا

تل بٹھانا ہے فلک منظور کس دل خواہ کا
برجِ میزاں میں نہیں بے وجہ آنا ماہ کا

بسکہ پھرتا ہے خیال آنکھوں میں اس دل خواہ کا
رنگِ رو کے اڑتے میں عالم ہے گردِ راہ کا

صفحۂ دل سے اٹھاؤں کس طرح نقشِ صنم
ملک میں ہوتا کسی کے گھر نہیں اللہ کا

کم بضاعت سے خیالِ خام ہے کثرت کو فیض
اکتفا کرتا نہیں لشکر کو پانی چاہ کا

راہِ ہستی میں ہے رخسارِ صنم سے زندگی
تازہ دم کرتا مسافر کو ہے تکیہ راہ کا

لاش بھی گلیوں میں کھنچوا کر گیا ہے قتل یار
طول ہی دینا مزا ہے قصۂ کوتاہ کا

پست فطرت سے سوائے رنج کچھ حاصل نہیں
پا بہ گل کشتی کو کر دیتا ہے پانی تھاہ کا

چھوڑ کر عشقِ صنم زاہد نہ ہو مفتونِ حور
کب یقیں لاتا ہے دانا دور کی افواہ کا

دل کو ابروئے صنم کا شیفتہ کرتی ہے آنکھ
درس[2] دیتا ہے معلّم پہلے بسم اللہ کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷ ، ۱۸ ، نول کشور قدیم ص ۱٦ ، جدید ص ۳۵ ، بہارستان سخن ص ۵٦ میں پہلا مطلع نہیں ہے -
۲ - بہارستان سخن ''درس لیتا ہے معلم'' -

اے صنم! بندہ نوازی ہے صفت اللہ کی
حیف ہے خالی پھرے سائل تری درگاہ کا

مائلِ معشوقۂ خسرو نہ ہو اے کوہکن
شیر کے جھوٹے کو کھانا کام ہے روباہ کا

جوشِ اشکِ آتشیں کا باعث آہِ سرد ہے
گرم کرتی ہے ہوا جاڑے کی پانی چاہ کا

نزع میں آیا نہ بالیں پر مرے یار، اس لیے
آخرِ ہر ماہ ہے معمول چھپنا ماہ کا

ہوں وہ ابتر طفل جس کو جان کھونا کھیل ہے
کنجِ مرقد ہے گھروندا میری بازی گاہ کا

آسماں روے زمیں ہے، یار ماہِ چاردہ
حلقۂ احباب گرد اُس کے ہے ہالہ ماہ کا

وہ دہن ہے چشمۂ شیریں، تبسم موج ہے
وہ ذقن ہے چاہ، خال اُس میں توا ہے چاہ کا

ناتواں میری طرح سے ہو جو عشقِ حسن سے
کوہ سے بھاری ترازو میں ہو پلّہ کاہ کا

شعر کہتا ہوں میں اے آتش خدا کی حمد میں
میری ہر اک بیت پر عالم ہے بیت اللہ کا

۳۸

[1]فرش ہے اے یار خاکِ دوست و دشمن زیرِ پا
ہم گریباں پھاڑیں گے آیا جو دامن زیرِ پا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۸، نول کشور قدیم ص ۱۷، جدید ص ۲۶، بہارستان ص ۸۸ -

منکرِ روزِ قیامت ہیں بہت بے اعتقاد
لا کبھی اے سرو قامت ، اپنا مدفن زیرِ پا
رنگِ گل سے خوں ہمارے آبلوں کا شوخ' ہے
نقشِ پا سے پھولتا جاتا ہے گلشن زیرِ پا
خاک کا کھٹکا نہیں رکھتے ہیں ہم آتش قدم
موم ہو جاوے اگر آ جائے آہن زیرِ پا
انگلیاں کانوں میں دیتا ہے دمِ رفتارِ یار
ہر قدم پر آتی ہے آوازِ شیون زیرِ پا
بُت پرستی ہم اگر تیری طرح کرتے تو پھر
سنگِ رہ کو بھی نہ لاتے اے برہمن زیرِ پا
شاہ راہِ ہستی موہوم میں وہ چال چل
اپنی آنکھوں کو بچھاویں دوست دشمن زیرِ پا
سرکشی زیبا ہے ہم دیوانگانِ عشق کو
خم ہوئی ہے سیکڑوں کانٹوں کی گردن زیرِ پا
رہ گزر میں دفن کرنا اے عزیزاں تم مجھے
شاید آ جاوے کسی کے میرا مدفن زیرِ پا
پا برہنہ ہی رہے ہم خاکسار اتنے لیے
گوش زد ہوئے ہمارے تا نہ دشمن زیرِ پا
اس قدر تو ناگوارا ہے کڑا پن خلق کو
کفش سے رکھتے ہیں مردم نعلِ آہن زیرِ پا
سرخ رو ، یاں تک تو آتش خاکساری نے کیا
صورتِ نقشِ قدم ہے اپنا مدفن زیرِ پا

---

۱ - یہ غزل "سراپا سخن" میں بھی ہے جہاں اس مصرع میں "شوخ ہے" کہ بجائے "سرخ ہے" ہے ۔

٣٩

اگرچہ پاسِ محبّت سے ترکِ شیون تھا
برنگِ شمع خموشی میں حال روشن تھا
جسے میں نیک سمجھتا تھا مجھ سے بد ظن تھا
یقینِ خضر تھا جس پر مجھے ، وہ رہزن تھا
پناہِ چشمِ رقیباں میں بد نگاہ ہوا
خط آن عذاروں[1] کے اوپر دعائے[2] جوشن تھا
خفا نہ ہو جو ہوے گال نیلے بوسوں سے
چمن اداس مری جان غیرِ سوسن تھا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈھا بدل کے بھیس اے دوست
جو شیخ کعبے میں تو دیر میں برہمن تھا
ہر ایک کُو میں زبس خاکِ عاشق اڑتی تھی
اسے کدورتِ خاطر غبارِ دامن تھا
زبس تھے اس کے صغیر و کبیر دیوانے
جواں کو بیڑیاں، لڑکوں کو طوقِ گردن تھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۸ : ''عذاروں کے اوپر دعائے جوشن'' ہے - کلیات طبع نول کشور ص ۱۷ اور طبع جدید ص ۲۶ میں ''دعائے'' کو ''بجائے'' سے بدل دیا گیا ہے - بہارستان سخن ص ۸۴ -

۲ - دعائے جوشن : حفاظت جان و مال وغیرہ کے لیے پڑھنے کی دعا ، جس کا آغاز ہے :

''اللھم انی اسئلک باسمک یا اللہ یا رحمن یا رحیم...الخ''

ہزار جان تصدّق ہے زخمِ کاری پر
دعاے[1] حرز پئے چشمِ زخمِ سوزن تھا
دل و جگر ہوئے قوت[2] فراقِ یار آخر
برائے شحنۂ حاکم ہمارا خرمن تھا
نہ کھایا میں نے کڑے پن سے زخمِ تیغِ کرم
میں اپنے جوہرِ ذاتی سے غرقِ آہن تھا
یقینِ مرگ جو عشقِ بتاں میں تھا آتش
ہر اک صنم مری آنکھوں میں سنگِ مدفن تھا

۴۰

تن سے بارِ سر آمادۂ سودا اُترا
شکر ہے خنجرِ قاتل کا تقاضا اُترا
حالِ مجنوں تو نہیں نوعِ دگر دیکھا کچھ ؟
سارباں آج ہے کیوں چہرۂ لیلیٰ اُترا
اس قدر اپنے یمِ اشک نے کی موج زنی
آخرِ کار نظر سے مرے دریا اُترا
کس طرح مرے[3] نہ تجھ پر ، فلکِ چارم سے
ترے کُشتے کی زیارت کو مسیحا اُترا

---

۱ .دعائے حرز جواد[4] : ایک دعا ہے جسے لکھ کر بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں کہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں ۔
۲ ۔ قوت : بروزن توت ، غذا ، خوراک ۔
۳ ۔ کلیات نول کشور ص ۱۸ ''طرح مرتے نہ تجھ پر'' ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۹ ، بہارستان سخن ص ۵۲ ۔
''کس طرح مرے نہ تجھ پر'' کلیات طبع نول کشور ۱۹۲۹ع ص ۲۷ ۔

دردِ سر عشق کا سر سے نہ مرے دور ہوا
جل کے جن تجھ سے نہ اے آتشِ سودا آترا

وصل کے بعد نہ کس طرح سے ہو رنجِ فراق
دردِ سر ہوتا ہے جب نشۂ صہبا آترا

چشمۂ حسن کی موجوں سے اشارہ ہے یہی
روتے روتے جو موا عشق کا دریا آترا

درد سر میں جو ہوا واں تو بدن یاں ٹوٹا
تپ چڑھی مجھ کو ، اگر یار کا چہرہ آترا

ذقنِ یار میں کی خط نے رسائی پیدا
چاہِ یوسف[۲] میں خضر بہرِ تماشا آترا

کیا عجب روئے جو ماتم میں ہمارے وہ بُت
بیشتر کوہ کے آوپر سے ہے دریا آترا

باغ سے بادِ بہاری کی ہے آمد آمد
طاقِ مے خانہ سے ہے ساغرِ مینا آترا

دہنِ یار کا رہتا ہے تصوّر اس میں
شیشۂ دل میں پری بن کے ہے عنقا آترا

سیر رکھتا ہے طبیعت کو کلامِ شیریں
مَن و سلوا ہے یہ اپنے لیے گویا آترا

شاخِ گل کو بھی نہ آتش نے چھوا تھا اس پر
خوں تری آنکھوں میں اے بلبلِ شیدا آترا ؟

۴۱

[۱]جب کہ رسوا ہوئے انکار ہے سچ بات میں کیا
اے صنم لطف ہے پردے کی ملاقات میں کیا ؟

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۹، نول کشور قدیم ص۱۸ ، جدید ص ۲۷ ۔

کوئی اندھا ہی تجھے ماہ کہے اے خورشید !
فرق ہوتا نہیں انسان سے دن رات میں کیا ؟
یار نے وعدۂ فردائے قیامت تو کیا
شک ہے اے نالۂ دل تیری کرامات میں کیا
کوئی بت خانے کو جاتا ہے کوئی کعبے کو
پھر رہے گبر و مسلماں ہیں تری گھات میں کیا
ایک مدت سے ہوں سائل ترے دروازے پر
بوسہ یا گالی ، ملے گا مجھے خیرات میں کیا ؟
ایسی اونچی بھی تو دیوار نہیں گھر کی ترے
رات اندھیری کوئی آوے گی نہ برسات میں کیا ؟
دو گھڑی کی جو ملاقات تھی وہ بھی موقوف
ایسا پڑتا تھا خلل یار کی اوقات میں کیا ؟
پڑھ کے خط اور بھی مایوس ہوئے وصل سے ہم
یار نے بھیجا سفر سے ہمیں سوغات میں کیا
آتشِ مست جو مل جائے تو پوچھوں اس سے
تو نے کیفیت اٹھائی ہے خرابات میں کیا ؟

۴۲

'دل شہیدِ رہِ داماں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
ٹکڑے ٹکڑے جو گریباں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
برق بےنور ہے ، اس رخ کی چمک کے آگے
عالمِ نور کا انساں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۹ ، جدید ص ۲۸ -

روئے پر میرے ہؤا ہنس کے وہ گل شرمندہ
غنچہ ساں سر بہ گریباں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
میں نے رنگیں نہ کیا اس کا تڑپ کر دامن
سرِ جلّاد پہ احساں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
ہو گیا دیکھ کے قاضی بھی طرف دار اس کا
بے گنہ خونِ مسلماں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
ہر زباں پر مری رسوائی کا افسانہ ہے
نسخۂ شوق پریشاں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
عرق آلودہ جبیں دیکھ کے دل ڈوب گیا
شبنمِ باغ سے طوفاں نہ ہوا تھا ، سو ہؤا
قتل کر کے مجھے ، تلوار کو توڑا اس نے
خونِ ناحق سے پشیماں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
یار کے روئے کتابی کی کروں کیا تعریف
بعد قرآں کے جو قرآں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
آنسو آنکھوں سے نکلتا ہے سو چنگاری ہے
پردۂ دل سے نمایاں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
آتشِ عشق سے ہے داغ سراپا میرا
آدمی سروِ چراغاں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
گردِ رہ بن کے ہؤا صندلِ پیشانیِ یار
ذرہ خورشیدِ درخشاں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا
پھروں ہی مصرعِ سودا ہے رلاتا **آتش**
تجھ سے[۱] اے دیدۂ گریاں نہ ہؤا تھا ، سو ہؤا

---

۱ ۔ کلیات طبع نول کشور "تجھے اے"۔

۴۳

[1]آگ پر رشک سے میں چاک گریباں لوٹا
خاک پر وقت خرام اس کا جو داماں لوٹا

دل کو از بسکہ جو لاگ ابروے خم دار سے تھی
دمِ شمشیر کو میں دیکھ کے عریاں لوٹا

حق بجانب ہے جو موسیٰ[۳] کو نہ ہو تابِ جمال
تجھ کو نا دیدہ دل گبر و مسلماں لوٹا

عیدِ قرباں جو قریب آئی تو کچھ دل میں سمجھ
پاؤں پر آ کے مرے حاجبِ زنداں لوٹا

مرغِ بسمل کی طرح تڑپے ہزاروں دلِ زار
ہنستے ہنستے جو کبھی وہ گلِ خنداں لوٹا

میں نے آتش جو کیا نالہ درِ جاناں پر
دونوں ہاتھوں سے جگر تھام کے درباں لوٹا

۴۴

[2]خیال آیا جو عشقِ زلف میں دل کی تباہی کا
بندھا فکرِ رسا سے یک قلم مضموں سیاہی کا

ہوا ہے بیشتر دھوکا دلِ ہر داغ پر میرے
شکار اکثر کیا ہے باز نے طاؤس و ماہی کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۹ ، جدید ص ۲۸ -
۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۹ ، جدید ص ۲۹ -

سمندر چشمِ تر ، بادِ مخالف آہ و نالہ ہے
یقیں ہے کوئی دم میں کشتیِ تن کی تباہی کا

شبِ ہجراں میں جو دم تھا وہ گویا واپسیں دم تھا
گماں تھا شام سے مجھ پر چراغِ صبح گاہی کا

لحد پر یار آتا ہے مرے شرمندہ کرنے کو
نہ منہ دکھلانے کی جا ہے ، نہ موقع عذرخواہی کا

سراسر شست کا عالم میں ہر اک مُو میں پاتا ہوں
تری زلفوں کو شانہ چاہیے دندانِ ماہی کا

کروں تحریر گر میں اپنے رنگِ زرد کی حالت
عجب کیا زعفرانی رنگ ہو جائے سیاہی کا

خدا بھی خوبصورت کو نہایت دوست رکھتا ہے
ارادہ کون سے در پر کروں میں داد خواہی کا

غنیمت جان اے دل ! جنبشِ ابروے قاتل کو
بڑی معراج ہے تلوار سے مرنا سپاہی کا

مسافر کو عدم کے روکنے والا نہیں کوئی
نہ کھینچا خار نے دامن کبھی دنیا سے راہی کا

زیادہ زخم سے انسان کو احساں اُٹھانا ہے
نہ ہونا خوب ہے ظلِّ ہمائے بادشاہی کا

دمِ آخر بھی بالیں پر مرے ، ہمراہِ یار آئے
رقیبوں نے محل باقی نہ رکّھا عذر خواہی کا

تری شمشیرِ ابرو سے مگر ہے لاگ اس کو بھی
گلا روزِ ازل سے کیوں کٹا رہتا ہے ماہی کا

جنوں کا لطف اُٹھا صحرا کو چل زنداں سے دیوانے
نہیں کھلتا ہے بے میداں کے جوہر سپاہی کا

فرشتوں سے لحد میں گفتگو یاں کون کرتا ہے
شہادت نامہ پڑھ لیں چار مومن کی گواہی کا

مرکّب ہے یہ سر تا پا خطا سے اور نسیاں سے
خیالِ خام ہے انساں کو دعویٰ بے گناہی کا

بتانِ سنگ دل کی صورت آتش کاٹے کھاتی ہے
ارادہ کنجِ عزلت میں ہے اب یادِ الٰہی کا

۴۵

کُشتہ اے یار ہوں میں تیری جفاکاری[۲] کا
نقش ہے دل میں ترے میری وفاداری کا

کون وارفتہ نہیں تیری طرح داری کا
حوصلہ سب کو ہے یوسف[۴] کی خریداری کا

تار اُس زلفِ معنبر کا نہ توڑ اے شانے!
سلسلہ ہے یہ مرے دل کی گرفتاری کا

لبِ جاں بخش کے اعجاز کا عیسیٰ[۴] ہے قتیل
سامری کشتہ ہے آنکھوں کی فسوں کاری کا

نخلِ امید کو پہنچے نہ کہیں اس سے گزند
کام کرتی ہے مری آہِ سحر آری کا

رخ پر اُس زلف کے چھٹنے سے ہوا دل کو یقیں
چاندنی سے ہے بڑا مرتبہ اندھیاری کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۹ ، جدید ص ۲۹ ، بہارستان سخن ص ۷۱ -

۲ - علی بخش کے نسخے میں ہے : ''تیری وفاداری کا'' اور بہارستان اور دوسرے نسخوں میں ''جفاکاری کا'' -

آنکھ کیوں کر میں رخِ یار سے پھیروں ناصح
کچھ مداوا ہی نہیں چشم کی بیماری کا
سبزہ رنگوں سے بہت تنگ ہوں ، بتلا اے موت !
مجھ کو دروازہ تو اس گنبدِ زنگاری کا
دل میں آتا ہے گلا کاٹیے در پر اُس کے
بوالہوس حوصلہ پھر کر نہ سکیں یاری کا
اُس[1] نے دکھلائی مجھے صورتِ ابرِ رحمت
میں تو آتش ہوں غلام اپنی سیہ کاری کا

۴۶

[2]دوستی دشمن کی مژدہ ہے اجل کے خواب کا
برہمن بننا غضب ہے گاؤ کو قصّاب کا
رنگ چمکا اس قدر اس قاتلِ احباب کا
بند آخر کو نکلنا ہو گیا مہتاب کا
روے مژگاں ہے بجا اس طاقِ ابرو کی طرف
چاہیے دستِ دعا کو سامنا محراب کا
حسرتِ آبِ دمِ شمشیرِ قاتل میں ہوا
پانی بھی میں نے نہ پایا خانۂ قصّاب کا
فرصت اک دم عہدِ طفلی میں نہ رونے سے ملی
پرورش پایا ہوا ہوں دامنِ سیلاب کا
عاشقوں سے اپنے وہ جتّنی بھویں ٹیڑھی ہوئیں
اہلِ قبلہ سے پھرا منہ کعبے کی محراب کا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش "کس نے دیکھلائی ۔"
۲ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۱ ، نول کشور قدیم ص ۲۰ ، جدید ص ۳۰ ، بہارستان سخن ص ۳۵ ۔

سوسن آن ہونٹوں کی مستی دیکھ کر نیلی ہوئی
رنگ پھیکا فندق پا نے کیا عنّاب کا

سیر کرکے دو گھڑی اس میں بہل جاتا ہے دل
دل ہمارا ہے مرقّع صحبتِ احباب کا

جامۂ تن ہو گیا راہِ عدم میں نذرِ گور
بوجھ اٹھایا تھا مگر ٹھگ کے لیے اسباب کا

جان آنکھوں میں ہے، صورت دیکھنے کی دیر ہے
یار کا آنا ہے یاں آنا اجل کے خواب کا

مسندِ شاہی کی حسرت ہم فقیروں کو نہیں
فرش ہے گھر میں ہمارے چادرِ مہتاب کا

ساحلِ مقصود دیکھا میں نے جا کر گور میں
ڈوبنا کشتیِ تن کو مژدہ تھا پایاب کا

بے تکلّف آستانِ یار پر مارا قدم
دور کوسوں رہ گیا ہم سے محل آداب کا

چشمِ تر سے کانپتی ہے قالبِ خاکی کی روح
کس طرح کشتی نشین کو ڈر نہ ہو گرداب کا

سنبلِ زلفِ بتاں کا ہو نہ آتش شیفتہ
بھولنا ہی دل سے بہتر ہے پریشاں خواب کا

۴۷

زلف زیبا ہے قریبِ رخِ جاناں ہونا
گنج کا سانپ کو لازم ہے نگہباں ہونا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ، ص ۲۱ ، نول کشور قدیم ص ۲۰ ، جدید ص ۳۱ -

نہ رُلا مجھ کو تُو اے دوری کوے مقصود
راہ میں ظلم مسافر کو ہے باراں ہونا
عشق نے حال کیا مردۂ بے وارث کا
میرے اوپر ہے یقیں قبضۂ سلطاں ہونا
آفتِ جاں ہوئی اس روے کتابی کی یاد
راس آیا نہ مجھے حافظِ قرآں ہونا
داغ چیچک کے ہیں زیبا ذقنِ یار کے گرد
لطف رکھتا ہے لبِ چاہ چراغاں ہونا
بے طرح مجھ کو رلاتا ہے غمِ دوریِ یار
ہو مبارک دہنِ گور کو خنداں ہونا
آتش اس رشکِ پری سے تجھے اللہ ملائے
تا کجا دوریِ بلقیس و سلیماں[۴] ہونا

۴۸

[۱]نسق میں ممکن نہیں ہونا بخیر انجام کا
بد مزا کرتا ہے منہ لگنا کبابِ خام کا
سر اٹھا بالیں سے بے خورشیدِ محشر کب مرا
اے خروسِ صبح حاصل شورِ بے ہنگام کا
زلف نے شانے کو پہنچایا رخِ محبوب تک
زینہ رکھنا قہر ہے بیرونِ خانہ بام کا
ایک جا مثلِ دُرِ غلطاں کہیں ٹھہرا نہ پاؤں
اخترِ اقبال ہوں میں گردشِ ایّام کا

---

۱ ۔کلیات طبع علی بخش ص ۳۱، نول کشور قدیم ص۲۱ ، جدید ص۳۱ ۔ کلیات نول کشور ۱۹۲۹ع ، ص ۳۱ : "عشق میں ممکن" ۔

دل کو اُلجھایا گرہ پڑنے نے[1] زلفِ یار میں
دانے کا دھوکا مجھے دیتا ہے عقدہ دام کا

گوشہ گیری سے ہے معدومی مجھے مقصودِ دل
ٹوٹ جاتا ہے نگیں کھدتے ہی میرے نام کا

ماتمِ دریا دلاں شادی تنک ظرفوں کی ہے
گریۂ مینا ہے باعث خندہ ہائے جام کا

نشۂ مے سے ہوا بے ہوش میں برگشتہ بخت[2]
تر دماغی نے خلل پیدا کیا سرسام کا

شپرہ ہے مدعیِ روسیہ ، میں آفتاب
مجھ میں اور اُس میں ہے فرقِ اے یار صبح و شام کا

بے کمالِ عشق ہو دل پر نہ نقشِ روئے دوست
سکّہ لگنا غیر ممکن ہے طلائے خام کا

چشمِ گریاں سے گناہِ عشق ثابت ہو گیا
واقعی کرتا ہے تر دامن چھلکنا جام کا

عرش سے آگے ارادہ میری خاکستر کا ہے
دل ہے پروانہ الٰہی کس چراغِ بام کا

جلد سینے سے نکل اے جان ! ہجرِ یار میں
ماہیِ بے آب کو تا چند صدمہ دام کا

مر گیا ہوں جستجوئے کعبۂ مقصود میں
ہے کفن پر میرے عالم جامۂ احرام کا

---

۱ - کلیات ، نول کشور ۱۹۲۹ع ”گرہ پڑنے سے ۔“
۲ - کلیات ، نول کشور ۱۹۲۹ع ”برگشتہ وقت ۔“

جان جاوے پر رضائے دوست سے آتش نہ پھر
ہے محل بندے کو مولیٰ پر نہیں الزام کا

۴۹

[1]کشتہ اک عالم ہے چشمِ لعبت خود کام کا
استخوانوں میں مزا پاتے ہیں سگ بادام کا

اے تپِ غم گور میں لے چل جوانی میں مجھے
دوپہر ہے موسمِ گرما میں وقت آرام کا

تختۂ میّت فراقِ یار میں معراج ہے
وحی آنا جانتا ہوں موت کے پیغام کا

بادشاہی ہے گدائی کوچۂ دلدار کی
زیرِ پا ہر اک قدم ہے یاں محل آرام کا

اے صنم عاشق سے ملتی ہی نہیں آنکھیں تری
نشّہ اللہ رے شرابِ حسن کے دو جام کا

خاتمِ دستِ سلیماں[۴] قدر کیا رکھتی ہے یاں
لوحِ محفوظ اک نگینہ ہے ہمارے نام کا

گیسوؤں نے کر دیا دہ چند حسنِ روے یار
نور ہوتا ہے زیادہ تر چراغِ شام کا

طوقِ زریں گردنوں میں قمریوں کی چاہیے
سیرِ گلشن کو ہے عزم اُس سروِ سیم اندام کا

عرصۂ روے زمیں ہو جائے دشتِ کربلا
یار کو میرے ارادہ ہو جو قتلِ عام کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۱ ، جدید ص ۳۱ ، بہارستان سخن ص ۸۷ -

ہمّت عالی نہ بعد مرگ بھی زائل ہوئی
گر ہوا سبزہ بھی میں ، تو سبزہ پشت بام کا

داخل کعبہ ہوا کتم عدم سے برہنہ
پردہ عاشق نے نہ رکھّا جامۂ احرام کا

سیکڑوں ہی دل ہے مثل ماہی بے آب اسیر
یار کا چاہ زنخدان بھی ہے چشمہ دام کا

ہے سیہ مستی میں اپنے عالم دیوانگی
حلقۂ چشم پری خط ہے ہمارے جام کا

سرکشی آخر فرومایہ کو دیتی ہے شکست
ٹوٹنا ہے نخل پر انجام خشت خام کا

یاد جو آیا طواف کعبہ میں آتش وہ ماہ
حال بد تر تھا کتاں سے جامۂ احرام کا

۵۰

[1]زخم کاری کے جو کھانے کو مرا دل دوڑا
سر بکف میں طرف کوچۂ قاتل دوڑا

ناتوانی نے یہ حالت مری پہنچائی ہے
دو قدم میں جو چلوں ، سیکڑوں منزل دوڑا

نہ ہوئی بعد فنا بھی مجھے آفت سے نجات
پھاڑ کھانے کو سگ کوچۂ قاتل دوڑا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳ ، نول کشور ص ۲۱ ، جدید ص ۳۲ ، بہارستان سخن ص ۶۹ -

اے نسیمِ سحری دھیان کدھر ہے تیرا
تھک گیا چار قدم جو مرے شامل دوڑا
دشتِ پُر خار میں تا چند رہوں سرگرداں
بس زیادہ نہ اب اے دوریِ منزل دوڑا
رونقِ بزم تجھے کہیے ترے لینے کو
تا درِ خانہ ہر اک صاحبِ محفل دوڑا
بے خبر دل کو کیا یوں صفِ مژگاں نے خراب
دوڑ جیسے کسی دہ پر کوئی عامل دوڑا
منزلِ عشق کی وہ راہ ہے، رکھتے ہی قدم
بن کے قزاق ہر اک حور شمائل دوڑا
ملک الموت نے پیری میں کرم فرمایا
کشت پختہ ہوئی آتش کہ محصّل دوڑا

۵۱

[۱]دوست دشمن نے کیے قتل کے ساماں کیا کیا
جانِ مشتاق کے پیدا ہوئے خواہاں کیا کیا
آفتیں ڈھاتی ہے وہ نرگسِ فتّاں کیا کیا
داغ دیتی ہے مجھے گردشِ دوراں کیا کیا
پھر سکی میرے گلے پر نہ چھری اے ظالم!
ورنہ گردوں سے ہوئے کارِ نمایاں کیا کیا
حسن میں پہلوے خورشید مگر دابے گا
دور کھنچتا ہے ہمارا مہِ تاباں کیا کیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳ ، نول کشور قدیم ص ۲۲ ، جدید ص ۳۳ -

روے دلبر کی صَفا سے تھا بڑا ہی دعویٰ
سامنے ہو کے ہوا آئنہ حیران کیا کیا
آنکھیں گیسو کے تصوّر میں رہا کرتی ہیں بند
لطف دکھلاتا ہے یہ خواب پریشاں کیا کیا
گردشِ چشم دکھاتا ہے کبھی گردشِ جام
میری تدبیر میں پھرتا ہے یہ دوراں کیا کیا
چشمِ بینا بھی عطا کی دلِ آگہ بھی دیا
میرے اللہ نے مجھ پر کیے احساں کیا کیا
دوست نے جب نہ دمِ ذبح سسکتا چھوڑا
میرے دشمن ہوئے ہنس ہنس کے پشیماں کیا کیا
گردشِ نرگسِ فتّاں نے تو دیوانہ کیا
دیکھوں[1] جھنکوائے کنویں چاہِ زنخداں کیا کیا
جل گیا آگ میں آپ اپنی میں مانند چنار
پیستے رہ گئے دانت ارہ و سوہاں کیا کیا
کچھ کہے کوئی ، میں منہ دیکھ کے رہ جاتا ہوں
کم دماغی نے کیا ہے مجھے حیراں کیا کیا
گرم ہرگز نہ ہوا پہلوے خالی بے یار
یاد آوے گی مجھے فصلِ زمستاں کیا کیا
کوئی مردودِ خلائق نہیں مجھ سا آتش
کیا کہوں کہتے ہیں ہندو و مسلماں کیا کیا

۵۲

[1]چشمِ یاراں میں مرے بعد نہ خونناب آترا
یاد آیا نہیں پھر دھیان سے جو خواب آترا

---

۱ - کلیات نول کشور ۱۹۲۹ء ''دیکھو جھنکوا ے کنویں'' ۔

شرط ہے رتبۂ مردانِ خدا کا انصاف
ڈوبا فرعون وہیں ، موسیٰ وہیں پایاب اُترا

ہو گیا شوقِ شہادت سے حلال اپنا دل
سان پر چڑھ کے اگر دستۂ قصّاب اُترا

روزِ روشن شبِ تاریک ہوا آنکھوں میں
بام پر سے جو وہ خورشیدِ جہاں تاب اُترا

عشق اُس چاہِ زنخداں کا ہوا جس دن سے
میں نے سمجھا کہ لحد میں دلِ بے تاب اُترا

قتل مستی میں کیا دوست جو مجھ سا اُس نے
دشمنِ جاں سے مری نشۂ احباب اُترا

سامنا روے منوّر سے ہوا ہے کس کے
چہرۂ ماہ ہے کچھ اے شبِ مہتاب اُترا

وقتِ مشکل میں ہیں سب اہلِ کرم کے محتاج
دیکھ لے لشکر جنگی کو لبِ آب اُترا

آتشِ عشق میں ثابت دلِ بے تاب رہا
آنچ کھا کے ہے قائم یہی سیماب اُترا

بوسۂ لب کا مزا لے کے پیا ہے میں نے
حلق سے میرے ہے جب شربتِ عناب اُترا

برق وش دیکھ کے گیسوے سیہ کو تیرے
چشمِ انصاف سے ہے ابرِ سیہ تاب اُترا

بھولنا بحرِ محبّت کے غریقوں کو نہ یار!
پار بیڑا یہ ترا آتشِ بے تاب اُترا

۵۳

اک[۱] جا کہیں میں مثلِ ریگِ رواں نہ ٹھہرا
گردش سے دو گھڑی تو اے آسماں نہ ٹھہرا
اللہ رے جذبِ الفت یوسف[۲] کو چاہ میں سے
باہر نکالتے ہی پھر کارواں نہ ٹھہرا
اے زلفِ یار تیری تعریف کیا کروں میں
قیمت میں مشک و عنبر تجھ سے گراں نہ ٹھہرا
پوشاک سرخ پہنی جس روز سے کہ تو نے
مریخ تیرے آگے اے نوجواں نہ ٹھہرا
تیرِ نگہ سے طائر کیا کیا شکار ہوتے
تو صید گاہ میں اے ابرو کماں نہ ٹھہرا
اے چرخِ بے مروت ، بل بے تنک مزاجی
خوش تیرے گھر میں دو دن اک میہماں نہ ٹھہرا
برباد کر نہ نا حق اے بادِ صرصر اس کو
بلبل کا آشیانہ برگِ خزاں نہ ٹھہرا
عزلت گزینی کا جو میں نے کیا ارادہ
کنجِ لحد سے بہتر کوئی مکاں نہ ٹھہرا
پھونک آشیاں ہمارا اے برقِ آتشِ گل
رہنے کے قابل اپنے یہ بوستاں نہ ٹھہرا
میری ہی خاک پر کی منہ زوری اس نے **آتش**
پھروں سمندِ قاتل ورنہ کہاں نہ ٹھہرا

---

۱ - کلیات علی بخش ص ۴۲ ، نول کشور قدیم ص ۴۲ ، جدید ص ۳۴ -

۵۴

[1]فزوں ہوتا ہے جمعیّت سے زیرِ آسماں کھٹکا
درختِ بارور میں باندھتا ہے باغباں کھٹکا

بجا یادِ الٰہی میں ہے شب بیداریِ زاہد
یقیں ہے نیند اُڑ جاتی ہے ہوتا ہے جہاں کھٹکا

نہ تم بیزار ہو ہم سے ، نہ ہم بیزار ہوں تم سے
محبّت کا مزا کیا ہے ، جب آیا درمیاں کھٹکا

زمیں کو زلزلہ آیا جو میری بے قراری سے
ستارے کیسے کیسے بھڑکے ، کیا کیا آسماں کھٹکا

خدا حامی ہے اپنے بندۂ عاجز کا مشکل میں
نہ واں کھٹکا ہے کچھ ہم کو نہ کچھ ہم کو ہے یاں کھٹکا

در و دیوار کو دیکھا جو دزدیدہ نگاہوں سے
مری آنکھوں سے اس کُو میں نہایت پاسباں کھٹکا

بدی کس روز اس گل رو نے شرطِ دوستی مجھ سے
ہنوز آنکھوں میں دشمن کے میں کانٹا سا کہاں کھٹکا

رہے انسان شب بیدار دنیا کے خزانے میں
مسافر کو ہے اس ویران سرا کے درمیاں کھٹکا

---

۱ - کلیاتِ طبع علی بخش ص ۲۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۳ ، جدید ص ۳۵ -

مصحفی کے تذکرۂ مجمع الفصحا میں یہ مطلع موجود ہے اس لیے آتش کی قدیم ترین غزل اور جوانی کے اشعار ہیں - ممکن ہے کہ آتش نے اس وقت جو غزل کہی ہو اس پر نظرثانی کرکے دیوان میں داخل کی ہو -

(مرتّب)

بغل میں لے کے یوسف[۴] کو اکیلا واں سے گزرا میں
قدم رکھتے ہوئے جس راستے میں کارواں کھٹکا
محبّت دل نے کی کس بے یقیں عیّار سے آتش
جو کچھ نیکی بھی کی ہم نے کبھی، وہ بدگماں کھٹکا

۵۵

لبِ لعلیں[۱] نے بدخشان و یمن دکھلایا
مشکبو زلف نے تاتار و ختن دکھلایا
راز سے حسن کے عشّاق نہ آگاہ ہوئے
نہ کمر تُو نے دکھائی، نہ دہن دکھلایا
اپنے سودائی کو کیا کیا نہ تری زلفوں نے
عالمِ پیچ و خم و چین و شکن دکھلایا
آسماں ظلم کیے زیرِ زمیں بھی تُو نے
جامہ زیبوں کو رخِ زرد، کفن دکھلایا
تیری رفتار کا انداز نہ پایا ہم نے
کبک و طاؤس نے بھی اپنا چلن دکھلایا
پاؤں شل ہو گئے تھے ٹھوکریں کھاتے کھاتے
ہم غریبوں کو خدا ہی نے وطن دکھلایا
یاد دلوائی چمن نے وہ تری گفت و شنید
گوش گل نے، مجھے غنچے نے دہن دکھلایا
تا دمِ مرگ نہ بیمار ہوا پھر وہ مریض
اک نظر تو نے جسے سیبِ ذقن دکھلایا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴، نول کشور قدیم ص ۲۴، جدید ص ۳۵۔

کوچۂ یار بھی مجھ کو وہی دکھلاوے گا
جس نے بلبل کو تماشاے چمن دکھلایا
نوجواں ، مہر لقا ، یار کے بوسے لیتے
ایسا اک ماہ نہ اے چرخِ کہن دکھلایا
تا سحر میں نے شبِ وصل اُسے عریاں رکّھا
آسماں کو بھی نہ جس مہ نے بدن دکھلایا
دل کو اُن آنکھوں کا دیوانہ سمجھ صحرا نے
سیکڑوں ہی مجھے خوش چشم ہرن دکھلایا
وہی چاہے گا تو اس سے یہ چھٹے گی آتش
حکمِ اللہ نے ہی روح کو تن دکھلایا

۵۶

[1]اپنی زباں کو بلبلِ اندوہ گیں جلا
یا برقِ نالہ سے قفسِ آہنیں جلا
بھڑکایا تھا یہ کیسا نسیمِ بہار نے
گل‌چیں کا ہاتھ آتشِ گل سے نہیں جلا
تُو تو بنا کے سروِ چراغاں نظارہ کر
تیری بلا سے میں اگر اے نازنیں جلا
میرا جگر جلانے سے کیا ہاتھ آئے گا
اُس در کا پردہ اے نفسِ آتشیں جلا
ہفت آسماں پُھنکے جو مرے دودِ آہ سے
کیا کیا بخارِ دل سے زمیں جلا
میں بھی تو دیکھوں گرمی تری اشکِ آتشیں
مشعل کی طرح سے تو مری آستیں جلا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵ ، نول کشور قدیم ص ۴۲ ، جدید ص ۳۶ ۔

کیا کیا پری اُتاری ہے شیشے میں آہ نے
جنّ کون سا فتیلے سے اپنے نہیں جلا
دنیا میں ہم سا سوختہ قسمت کوئی نہیں
دیکھا جو اپنا حال ، دلِ شانہ بیں جلا
لیلیٰ کی زلف سا ہے دھواں کچھ بلند آج
مجنوں کے نالے سے کوئی جنگل کہیں جلا
روے صبیحِ یار کا دھوکا نہ دل کو دے
وہ نازکی کہاں ، نہ مجھے یاسمیں جلا
کس لعلِ آتشیں کا ہے دل اپنا شیفتہ
جس پر ہمارا نام کھدا ، وہ نگیں جلا
آہ شرر فشاں کا برا ہو شبِ فراق
لاکھوں مکاں اس سے ، ہزاروں مکیں جلا
لالہ رخوں کے عشق میں گل کھا نہ جسم پر
نایاب پوستیں ہے ، نہ یہ پوستیں جلا
اندھیر ہے نہ ہووے اگر دل میں روشنی
آتش چراغ کون سے گھر میں نہیں جلا

۵۷

[1]لطیف جاں سے ہر اک عضوِ تن نظر آیا
گزر کے دل سے مرے وہ بدن نظر آیا
ہزار بوسے ہر اک لب کے گن کے لوں گا میں
جو غنچہ سا کوئی گل کا دہن نظر آیا
خضر سے راہِ وطن کیا سمجھ کے پوچھوں میں
مجھے تو خود یہ غریب الوطن نظر آیا

---

۱ - کلیات طبع دلی بخش ص ۳۵ ، نول کشور قدیم ص ۲۴ ، جدید ص ۳۶ -

جرس کی طرح سے نالے کریں گے بلبلِ باغ
اگر وہ یوسفِ گل پیرہن نظر آیا
ہوا جو ذکر چمن میں تری نزاکت کا
سفید رنگ رخِ یاسمن نظر آیا
دکھائی آنکھوں نے سیرِ جہانِ رنگا رنگ،
قفس کے چاکوں سے مجھ کو چمن نظر آیا
کرے گی برقِ جمال اُس کی بند آنکھوں کو
وہ خلوتی اگر اے انجمن نظر آیا
یقیں ہوا کہ ہے ظلمت میں چشمۂ حیواں
شبِ وصال ہمیں وہ دہن نظر آیا
اڑھائی چادرِ آب اُس کو میں نے رو رو کر
کوئی جو مردہ مجھے بےکفن نظر آیا
پیالے پانی کے دکھلائی دیں گے کاسۂ چشم
رلائے گا جو وہ چاہِ ذقن نظر آیا
کیا ہے عشق کو آساں سمجھ کے آتش نے
کہاں ہم کو تو مشکل یہ فن نظر آیا

۵۸

[۱]زخمِ دل بھرتا ہے جلوہ چہرۂ پُر نور کا
چاندنی میں یاں اثر ہے مرہمِ کافور کا
سختیِ ایام ہے میرے لیے سامانِ عیش
خشتِ بالیں کو سمجھتا ہوں میں زانو حور کا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۶ ، نول کشور قدیم ص ۲۵ ، جدید ص ۳۷ ، بہارستان سخن ص ۵۹ ۔

کچھ نہ حاصل ہووے کیسی ہی مشقت کیجیے
عشق بازی کام ہے بیگار کے مزدور کا

میں وہ مے کش ہوں چمن میں جس کی صورت دیکھ کر
آب ہو جاتا ہے شیرہ دانۂ انگور کا

داغ سینے ہوتے ہیں ، گل کھاتے ہیں عاشق ترے
گرم بازار ان دنوں ہے مرہم کافور کا

دیں نہ ارباب صفا ہرگز کسی کے دل کو رنج
گوشۂ دامن سے الجھا جھاڑ کب بلّور کا

آ کے سینے سے لبوں پر دم اٹکتا ہے عبث
ٹھیرنا اچھّا نہیں جب ہو ارادہ دور کا

پھاڑ کر کپڑے نکل جاتا ہوں یاد آتا ہے جب
موسم سرما گزرنا بے تکلّف عور کا

تشنۂ خوں ہی گیا مجھ ناتواں کا تیر یار
گرسنہ مہماں پھرا جاتا ہے بے مقدور کا

ہو نہ اُس لیلی وحشی کا دل دیوانہ محو
بید مجنوں سے کہاں پیوند نخل طور کا

کس کے داغ دل سے محشر میں ملایا جائے گا
روز اک خورشید کو ملتا ہے خلعت نور کا

رنج سے راحت نصیب طبع شیریں کار ہے
بار لاتا ہے قلم ہونے سے نخل انگور کا

دست قدرت سے بنایا ہے خدا نے قصر تن
دخل معمار اس میں ہے ، نے دخل ہے مزدور کا

مال موذی سے تنفّر آدمی کو چاہیے
سونگھ کر سگ چھوڑ دیتا ہے عسل زنبور کا

عہد پیری میں کروں کیونکر میں ترک جام مے
دفع کرتی ہے صبوحی درد سر مخمور کا
صفحہ ہر اک میرے دیوان کا ہے آتش رشک چشم
یاں سفیدی پر سیاہی سے ہے عالم نور کا

۵۹

ادھیان رہنا شرط ہے اس دلبر مغرور کا
فکر سے نزدیک ہو جاتا ہے مضمون دور کا
منہ نہیں دیکھا ہمارے سینے کے ناسور کا
رنگ اڑ جاوے گا روے مرہم کافور کا
نرم ہو کچھ تو دل سخت اس بت مغرور کا
کہتے ہیں فریاد رس اللہ ہے مجبور کا
بوسۂ لب میں دوچار تیر مژگاں دل ہوا
نیش کھلوایا طمع نے شہد کے زنبور کا
درد زخم فرقت اتنا خوں رلاتا ہے مجھے
روزن دیوار بن جاتے ہیں منہ ناسور کا
سامنے اپنے تصور سے سمجھتا ہوں تجھے
دوربیں نزدیک دکھلاتی ہے انساں دور کا
حوصلہ دل کو ہوا جو درد سر کا عشق کے
آنکھوں نے پیدا کیا انسان حسن حور کا
محفل عشرت میں خستہ خاطروں کو جا نہیں
تاک میں خوشہ نہ دیکھا زخم کے انگور کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶ ، نول کشور قدیم ص ۲۵ ، جدید ص ۳۸ ، بہارستان سخن ص ۶۰ -

رنج اٹھاوے گو رقیبِ مبتذل ، محروم ہے
نعمتوں میں خوان کی حصّہ نہیں مزدور کا

کون سے دن سینکڑوں عاشق ترے مرتے نہیں
مُشک سے سودا گراں ہے آج کل کافور کا

بادے کا دھوکا دیا اس میں پسینے نے مجھے
نافِ ساقی پر ہوا شک ساغرِ بلّور کا

حق تلف حق‌دار کا ہووے نہ دَورِ نیک میں
چاندنی میں رزق ہوتا ہے عسل زنبور کا

فی سبیل‌اللہ مے ساقی نے کی ہے خیرِ خم
دستِ سائل میں پیالہ چاہیے بلّور کا

آمدِ خط پر تو بوسے کا نہ کر انکار یار
شام کو ملتا ہے روزینہ ہر اک مزدور کا

میرے یوسف سے زمین و آسماں کا فرق ہے
خاک کا پُتلا ہے یوسف[۴] ، یار ہَے کا نور کا

یار کے دل میں کب اس سے راہ پیدا ہو سکے
آہ میں میری ہے عالم گردنِ مغرور کا

ظرف پیدا کر جو چاہے شہرۂ آفاق ہو
نام اک عالم میں چینی نے کیا فغفور کا

بوسۂ عنّابِ لب کیجے نہ عاشق سے عزیز
توڑنا اچھا نہیں ہے خاطرِ رنجور کا

غلغلہ حرفِ اناالحق کا ہے قلقل کی صدا
بادۂ وحدت کا شیشہ سینہ ہے منصور کا

اڑ کے آتش سے کہاں مضمونِ عالی جا سکے
شاہِ تیر انداز کب چوکا نشانہ دور کا

٦٠

ٗصاف آئینے سے رخسار ہے اُس دلبر کا
یہ خدا کا ہے بنایا تو وہ اسکندر کا

چشمِ مستانہ کی گردش میں تصوّر ہے اجل
غفلت انجام ہے جب دور چلے ساغر کا

دل پہ چوٹ اُس رخِ رنگیں کے نظارے سے لگی
پھول سے صدمہ پہنچتا ہے مجھے پتّھر کا

جوشِ وحشت ہے پےٴ قطعِ تعلق مقراض
سگِ دیوانہ کو پابند نہ دیکھا در کا

قلبِ ماہیتِ اربابِ صفا کھوتی ہے قدر
عدمِ آب سے ارزاں ہو بہا گوہر کا

عاشقوں سے طلبِ بوسہ کہاں جاتی ہے
مور سے ہو نہ سکے ترک کبھی شکّر کا

آفتِ جاں ہے فرومایہ کو طاقت ہونا
چوب کو تیر کی ملنا ہے قیامت پر کا

چرخ کے پار گزر جاتی ہے آہِ عاشق
سقف کو توڑتا ہے دود مرے مجمر کا

نالہٴ عاشقِ دل سوختہ ہے آفتِ جاں
بھڑکے خوب آگ جہاں ڈھیر ہے خاکستر کا

دشمنِ ابرو سے زیادہ ہے وہ برگشتہ مژہ
زخمِ شمشیر سے ہے زخم غضب خنجر کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷ ، نول کشور قدیم ص ۲٦ ، جدید ص ۳۸ ۔

عہدِ طفلی ہی سے ہے مشقِ تواضع لازم
حلقہ آسانی سے بن سکتا ہے چوبِ تر کا
خالِ رخ سے ترے ثابت ہوا پیدا ہونا
موجِ سرچشمۂ خورشید سے بھی عنبر کا
کیا اثر ہو مری آہوں سے بتوں کے دل میں
صدمہ کھینچے نہ رگِ سنگ کبھی نشتر کا
آخر کار کیا ہے اسے مستی نے خراب
ہو سکا ضبط نہ آدم[۲] سے مۓ کوثر کا
جانے دے آتش اگر اہل جہاں تجھ سے پھرے
مرد پیچھا نہ کریں بھاگے ہوئے لشکر کا

٦١

وہ نازنیں یہ نزاکت میں کچھ یگانہ ہوا
جو پہنی پھولوں کی بدھّی تو دردِ شانہ ہوا
شہید ناز و ادا کا ترے زمانہ ہوا
اڑایا مہندی نے دل، چور کا بہانہ ہوا
شب اس کے افعیِ گیسو کا جو فسانہ ہوا
ہوا کچھ ایسی بندھی گل چراغِ خانہ ہوا
نہ زلفِ یار کا خاکہ بھی کر سکا مانی
ہر ایک بال میں کیا کیا نہ شاخسانہ ہوا
توانگروں کو مبارک ہو شمعِ کافوری
قدم سے یار کے روشن غریب خانہ ہوا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۷، نول کشور قدیم ص ۲٦، جدید ص ۳۹ -

گناہ گار ہیں محرابِ تیغ کے ساجد
جھکایا سر تو ادا فرضِ پنج گانہ ہوا

غرورِ عشق زیادہ غرورِ حسن سے ہے
اُدھر تو آنکھ پھری ، دم ادھر روانہ ہوا

دکھا[1] دے زاہدِ مغرور کو بھی اے صنم آنکھ
جمالِ حور کا حد سے سوا فسانہ ہوا

بھرا ہے شیشۂ دل کو مے محبت سے
خدا کا گھر تھا جہاں واں شراب خانہ ہوا

ہوائے تند نہ چھوڑے مرے غبار کا ساتھ
یہ گردِ راہ کہاں خاکِ آستانہ ہوا

خدا کے واسطے کر یار چینِ ابرو دور
بڑا ہی عیب لگا جس کماں میں خانہ ہوا

ہوا جو دن تو ہوا اُس کو پاسِ رسوائی
جو رات آئی تو پھر نیند کا بہانہ ہوا

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

نگاہِ نازِ بتاں سے نہ چشمِ زخم بھی رکھ
کسی کا یار نہیں فتنۂ زمانہ ہوا

اثر کیا طپشِ دل نے آخر اس کو بھی
رقیب سے بھی مرا ذکر غائبانہ ہوا

ہوائے تند سے پتا اگر کوئی کھڑکا
سمندِ بادِ بہاری کا تازیانہ ہوا

---

۱ - یہ شعر ، کلیات طبع علی بخش میں کاتب کی غلطی سے چھوٹ گیا ہے - ص ۲۷ کے حاشیے پر ترک موجود ہے لیکن ص ۲۸ پر ”دکھا دے“ نہیں لکھا -

زبانِ یار خموشی نے میری کھلوائی
میں قفل بن کے کلیدِ درِ خزانہ ہوا
کیا جو یار نے کچھ شغلِ برق اندازی
چراغِ زندگیِ خضر تک نشانہ ہوا
رہا ہے چاہِ ذقن میں مرا دلِ وحشی
کنویں میں جنگلی کبوتر کا آشیانہ ہوا
خدا دراز کرے عمرِ چرخِ نیلی کو
یہ بے کسوں کے مزاروں کا شامیانہ ہوا
نہیں ہے مثلِ صدف مجھ سا دوسرا کم بخت
نصیبِ غیر مرے منہ کا آب و دانہ ہوا
حنائی ہاتھوں سے چوٹی کو کھولتا ہے یار
کہاں سے پنجۂ مرجاں حریفِ شانہ ہوا
دکھائی چشمِ غزالاں نے حلقۂ زنجیر
ہمیں تو گوشۂ صحرا بھی قید خانہ ہوا
ہمیشہ شام سے ہمسائے مر رہے آتش
ہمارا نالۂ دل گوش کو فسانہ ہوا

٦٢

[1] دردِ دل سے اس قدر کاہیدہ میں غمگیں ہوا
جسمِ زار آخر کو تارِ بستر و بالیں ہوا
دل کو اپنے کر دیا نازک مزاجی نے حباب
کاہ کا سایہ بھی ہم پر کوہ سے سنگیں ہوا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۸ ، نول کشور قدیم ص ۲۷ ، جدید ص ۳۰ ۔

اپنے خون کی بو ہمیں آتی ہے تجھ سے اے نسیم !
ہاتھ مہندی سے کسی محبوب کا رنگیں ہوا

دم بھی اس مہماں سرائے دہر میں لینے نہ پائے
آتے ہی یاں توسنِ عمرِ رواں پر زیں ہوا

مر گیا سنتے ہی اس کے نالۂ مرغِ سحر
وصل کی شب میرے حق میں سورۂ یٰسیں ہوا

بل بے بے تاثیر کر دینا لبِ تیشہ کو بند
خون ہی ہونا ترا اے کوہ کن شیریں ہوا

عاشقوں کے مرغِ دل کے خونِ ناحق کے لیے
پنجۂ مژگانِ جاناں پنجۂ شاہیں ہوا

روزِ اول سے دلِ بے تاب میرے ساتھ ہے
صورتِ سیماب میں پیدا ہی بے تسکیں ہوا

'خردِ نیک انسان عاقل ہو ، بزرگِ بد نہ ہو
شورِ دریا سے ہے بہتر چشمہ جب شیریں ہوا

ناز کیا کیا کچھ کیے اس بادشاہِ حسن نے
عاشقوں کے واسطے روز اک نیا آئیں ہوا

عطر ساز آئے جو اس گلِ پیرہن کو دیکھنے
عنبرِ سارا وہ گیسو خالِ مشکِ چیں ہوا

تول دیکھا ہم نے میزانِ خرد میں بارہا
کوہ سے اے نازنیں بھاری ترا تمکیں ہوا

آسماں تک اڑ کے پہنچے تھے ہمارے چند اشک
کہکشاں اک نصف اک نصف ان میں سے پرویں ہوا

ٹاٹ بھی ملنے کا مرقد میں نہیں کل بہرِ فرش
خوش نہ ہو گو آج بندہ صاحبِ قالیں ہوا

منہ دکھا اب تو اسے ، اللہ رے تسکین جاں
دل کی بے تابی سے عاجز آتشِ مسکین ہوا

٦٣

[1]خوشی ہوتے ہیں ناداں پہن کر کمخواب کا جوڑا
کفن ہے عاقبت اس عالمِ اسباب کا جوڑا
شعاعِ حسن سے پوشاک کا عالم دگرگوں ہے
تماسی کا نہیں اس فتنۂ احباب کا جوڑا
نہیں کچھ قدر اس کی صاحبِ اکسیر کے آگے
مہتوس سے بنے ہرچند آب و تاب کا جوڑا
شبِ فرقت ہوا عنقا الٰہی روزِ محشر تک
جدا ہووے نہ جفتک کی طرح سرخاب کا جوڑا
پھٹے کپڑے گزی کے اس سے ہم بہتر سمجھتے ہیں
اگر اترا ہوا ہووے ، تنِ نوّاب کا جوڑا
فسوں گر کوئی ان مطرب بچوں سے کیا فزوں ہووے
سرِ مجلس اترواتے ہیں شیخ و شاب کا جوڑا
حنا کا رنگ بھی ہو بار جس نازک طبیعت پر
بھلا پہنے وہ کیوں کر پاؤں میں جرّاب کا جوڑا
شبِ فرقت میں کافر ہوں جو میری آنکھ جھپکی ہو
عبث بہتان غش نے آکے مجھ پر خواب کا جوڑا
لگاؤں ماہ کے سر پر اگر ہاتھ آئے اے آتش
ستاروں کا وہ پائے مہرِ عالم تاب کا جوڑا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۹ ، نول کشور قدیم ص ۲۸ ، جدید ص ۳۱ -

۶۴

[1]آنکھیں عاشق کو نہ تو اے گلِ رعنا دکھلا
پتلیوں کا کسی ناداں کو تماشا دکھلا

یار کی آنکھ سے تو آنکھ ملائی تُو نے
گردشِ چشم بھی اے نرگسِ شہلا دکھلا

آسماں اور زمیں کا ہے تفاوت ہر چند
اے صنم دور ہی سے چاند سا مکھڑا دکھلا

اے جنوں تجھ سے مری آنکھ جھپکنے کی نہیں
قیدخانہ تو دکھایا ، مجھے صحرا دکھلا

قلزمِ عشق میں کب تک رہوں اے حسن ! بتا
لبِ دریا جو نہیں تو تہِ دریا دکھلا

چوٹی اس حور کی ایڑی سے بھی بڑھ چلنے لگی
صبحِ محشر بھی پھر اب اے شبِ یلدا دکھلا

باغباں کون سی صورت مرے جی لگنے کی
ایک تو مجھ کو قدِ یار کا بُوٹا دکھلا

ایک مدّت سے ہوں آفت طلب اے گردشِ چرخ !
کوئی معشوق مجھے آگ بگولا دکھلا

کالے کوسوں نظر آتی ہے دلا منزلِ گور
آہ کا ابلقِ ایّام کو کوڑا دکھلا

عاشقوں سے ترے کرتا ہے نہایت گرمی
روے خورشیدِ قیامت کو کفِ پا دکھلا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۹ ، نول کشور قدیم ص ۲۸ ، جدید ص ۴۱ -

دھیان آتا ہے جو چوٹی کا کسی کافر کے
کہتی ہے فکرِ رسا باندھ کے جوڑا دکھلا

چرخِ نیلی ہے بہت اپنے شفق پر نازاں
لبِ بام آن کے تو بھی کفکِ پا دکھلا

بندۂ شاہِ نجف آتشِ دل خستہ ہے
یا الٰہی! اسے اب مرقدِ مولا دکھلا

۶۵

[1]آنکھوں سے اس پری کے دلِ ناتواں گرا
شیشہ ہمارے طاق سے اے آسماں گرا

چشمِ پُر آب نے تنِ خاکی کو ڈھا دیا
سیلاب کی رسائی ہوئی جب مکاں گرا

منڈلا رہے ہیں کیوں یہ ہما، چیل کی طرح
شاید دہانِ سگ سے مرا استخواں گرا

چلتا ہے کیا اکڑ کے ابھی سے دمِ خرام
سر کس کا تیرے پاؤں پر اے نوجواں گرا؟

گلچیں کب اس کے بوجھ سے خم شاخِ گل ہوئی
الزام رکھ کے تو نہ مرا آشیاں گرا

نکلی نہ جانِ زار فراقِ بتاں میں بھی
کہسار سے لپٹ کے نہ میں ناتواں گرا؟

بجلی وہ بہرِ خرمنِ مرغِ چمن بنا
جو خشک ہو کے شاخ سے برگِ خزاں گرا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۹، نول کشور قدیم ص ۲۹، جدید ص ۴۲، بہارستان سخن ص ۴۸ -

حسرت میں خوابِ وصل کی یہ بے خودی رہی
پھروں ہی مجھ کو ہوش نہ آیا جہاں گرا
دیکھا تھا کیوں ان آنکھوں نے آتش ذقن کا حال
لے کر مجھے کنویں میں دلِ خستہ جاں گرا

۶۶

امنتظر تھا وہ تو جست و جو میں یہ آوارہ تھا
شیفتہ تیرا ہی تھا جو ثابت و سیّارہ تھا
ہے جو حسرت تو سراپا چشم ہونے کی ہمیں
حاصل اس آئینہ خانے میں فقط نظّارہ تھا
جب شبِ مہ میں چکور اُڑتا ہے مرجاتے ہیں ہم
پتلیوں کا اپنی بھی تارا کوئی رخسارہ تھا
کھول کر دل جب میں روتا تھا فراقِ یار میں
چشمِ تر منبع تھی، ہر موے مژہ فوّارہ تھا
سیلِ گریہ نے یہ کس کے دی سمندر کو شکست
جو حباب آیا نظر، اک واژگوں نقّارہ تھا
ایک شب تو وصلِ جاناں کی تواضع اے فلک!
چار دن مہمان تیرے گھر میں میں بے چارہ تھا
روز و شب کے حال کا لکھتا تھا پرچہ روز و شب
کاتبِ اعمال میری ڈیوڑھی کا ہرکارہ تھا
پیٹنا سر اپنے ماتم میں عزیز و یار کا
قلعۂ کنجِ لحد کی فتح کا نقّارہ تھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۰، نول کشور قدیم ص ۲۹، جدید ص ۴۲، بہارستان سخن ص ۷۶ -

عہدِ طفلی سے جنونِ عشق کامل ہے شفیق
شاخِ نخلِ بیدِ مجنوں ہی مرا گہوارہ تھا
جانِ شیریں مزد جوے شیر میں تیشے کو دی
حوصلے سے اپنے باہر کوہ‌کن بے چارہ تھا
حالتِ دل کو بیاں کرتا کسی سے میں تو کیا
عشق میں اک مصحفِ رخسار کے سی پارہ تھا
یہ ہوا ظاہر انا لیلیِ مجنوں سے ہمیں
اپنا دیوانہ تھا ، اپنے واسطے آوارہ تھا
حال اپنا اے صنم اپنی جدائی میں نہ پوچھ
سینہ و سر تھا ہمارا اور سنگِ خارہ تھا
کوچۂ قاتل میں جب شوقِ شہادت لے گیا
سر نہ تھا گردن پر اپنے ، بارِ صد پشتارہ تھا
لوٹتا تھا اُس میں بدخوئی سے میں مانند اشک
شوخیِ طفلانہ سے جنباں مرا گہوارہ تھا
شانِ عشق اولیا ہے مجنوں دودمانِ عشق سے
نا خَلف ناقابل و نالائق و نا کارہ تھا
اہلِ عالم سے ہمیشہ آتش ایذائیں ہوئیں
مردمِ دنیا نمک تھے ، میں دلِ صد پارہ تھا

٦٧

[1]گل سے خوش رنگ ہر اک داغِ بدن مجھ کو دیا
آتشِ عشق نے بے خار چمن مجھ کو دیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۹ ، جدید ص ۴۳ -

عاشقِ مردہ ہے شاید کہ چراغِ مردہ
نہ تو رویا کوئی مجھ کو ، نہ کفن مجھ کو دیا

زخمِ کاری نے کیا بند زباں کو میری
زخم نے پنبہ پئے زخمِ دہن مجھ کو دیا

گردشِ چرخ نے غربت میں بھی پہنچایا رزق
جائے ناں داغِ عزیزانِ وطن مجھ کو دیا

بوسہ لب نے ترے وصل کی شب اے محبوب !
حاصلِ ملکِ بدخشان و یمن مجھ کو دیا

زلف واں افعی ہے ، یاں داغِ جگر مُہرہ ہے
حسن نے سانپ اُسے ، عشق نے من مجھ کو دیا

جا کے اس غم کدے سے یاد کروں گا میں بھی
سات دن رہنے کو تھا قصرِ کہن مجھ کو دیا

میوہ خوروں میں ترے میں بھی ہوں اے نخلِ مراد !
تو نے عنّابِ لب و سیبِ ذقن مجھ کو دیا

دے کے اک بوسہ خالِ لبِ شیریں اے دوست !
تو نے سو نافہ آہوے ختن مجھ کو دیا

دم نکل جائے گا اس زلف کے سودے میں مرا
سونگھنے کو جو کبھی مشکِ ختن مجھ کو دیا

حسن نے تشنہ دیدار بہت جب پایا
ڈوب مرنے کے لیے چاہِ ذقن مجھ کو دیا

لعب بازی کی بھی حسرت نہ رہی اے **آتش**
میرے اللہ نے بازیچہ تن مجھ کو دیا

٦٨

آئنہ[1] رخ کا دکھا مردم کو آنکھ اوپر اٹھا
سکّہ بٹھلا یار اپنا نقشِ اسکندر اٹھا

بسکہ دل جلتا تھا زیرِ خاک ، میری قبر سے
شب کو شعلہ بیشتر ، دن کو دھواں اکثر اٹھا

سامنے ہوتی نہیں اس شمع رو کے اپنی آنکھ
اے صبا ! محفل سے پروانے کی خاکستر اٹھا

یار نے منہ دیکھ کر آئینہ توڑا وقتِ صبح
بد مزاج انسان ہوتا ہے جہاں سوکر اٹھا

مثلِ عنقا نام تو مشہور عالم میں رہا
گو کہ اس میلے سے مجھ آزاد کا بستر اٹھا

اے دلِ دیوانہ صابر کو خدا رکھتا ہے دوست
اُف نہ کر داغِ حسینانِ پری پیکر اٹھا

اپنی آنکھوں میں وہی گو نازنیں ہے اے صنم !
نعل اٹھا اب زور پیدا کرکے یا مگدر اٹھا

جبر کر بے اختیاروں پر نہ اے برق اس قدر
سبزے کی گورِ غریباں سے نہ تو چادر اٹھا

ہوگیا دنیا ہی میں گردن کشی کا انتقام
پاے قاتل پر سے جھک کر پھر نہ اپنا سر اٹھا

تشنۂ دیدار مجھ سا دوسرا کوئی نہیں
سب سے پہلے مجھ کو اے ہنگامۂ محشر اٹھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۰ ، طبع نول کشور قدیم ص ۳۰ ، جدید ص ۴۴ ، بہارستان سخن ص ۳٦ ۔

دل میں قاتل کے مرے شوقِ شہادت کا ہے نقش
سر نگوں پایا مجھے جب کھینچ کر خنجر اٹھا
چارپائی لے کے آئے یار ، ہنگامہ ہوا
کیا کہوں میں بیٹھ کر اس کوچے سے کیونکر اٹھا
صدمۂ رنجِ خمار **آتش** کہاں تک کیجیے
شیشہ و ساغر برائے ساقیِ کوثر اٹھا

٦٩

[1]میں نے عریاں تجھے اے رشکِ قمر دیکھ لیا
دیدہ و دل کو جو تھا مدِ نظر دیکھ لیا
نزع میں یار نے صورت نہ دکھائی مجھ کو
دشمن و دوست کو ہنگامِ سفر دیکھ لیا
لے گئی وحشتِ دل گورِ غریباں کی طرف
ہم نے یارانِ گزشتہ کا بھی گھر دیکھ لیا
خون کیا غیر کے دل کو مری جاں بازی نے
یار نے چیر کے پہلو کو جگر دیکھ لیا
دہنِ یار سے اک شعر کسی دن نہ سنا
ہم نے اس اپنی زباں کا بھی اثر دیکھ لیا
بھر گیا دامنِ نظّارہ گلِ نرگس سے
آنکھ اٹھا کر جو کبھی تو نے ادھر دیکھ لیا
روبرو رہنے لگا آئینہ **آتش** شب و روز
یار کو غیر سے بھی شیر و شکر دیکھ لیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۱ ، نول کشور قدیم ص ۳۰ ، جدید ص ۴۴ -

۷۰

ابرقِ خرمن تھا کبھی نالہ دلِ ناشاد کا
حوصلہ باقی نہیں اے[۲] آسماں فریاد کا

شوقِ دید رخ نے کھلوایا ان آنکھوں کا فریب
الفتِ گل سامنا کرواتی ہے صیّاد کا

عرصۂ محشر میں جاتے ہی جہنّم میں پڑا
اور الٹے یاں ارادہ تھا مجھے فریاد کا

دیکھ کر مجھ کو اکڑتے ہیں بہت بالا بلند
کیا بلا ان پر بھی سایہ پڑ گیا شمشاد کا

قتل کرتا ہے اشارے سے ترے عاشق کو ناز
حکمِ سلطاں سے ہے خوں ریزی عمل جلّاد کا

مل نہیں چلتے ہیں کج طبعوں سے ہرگز راست باز
چینِ پیشانی سے باہر ہے الف آزاد کا

زالِ دنیا تنگ کرتی ہے نہایت ہی مجھے
ہے مگر اس بیسوا کا کیا بدن فولاد کا

دوستی نبھتی نظر آتی نہیں محبوب سے
ناز یاں اٹھتا نہیں ، واں شغل ہے بیداد کا

اس قدر ایذا ہمیں دی ہے بتوں کے عشق نے
حوصلہ جاتا رہا دل کو خدا کی یاد کا

قامتِ موزوں سے قصد آگے نکل چلنے کا ہے
تاڑ سے ناپیں گے قد اک روز ہم شمشاد کا

---

۱ - کلیات علی‌بخش ص ۳۱، نول کشور قدیم ص ۲۰ ، جدید ص ۳۵،
بہارستان سخن ص ۷ -

۲ - کلیات طبع نول کشور میں "باقی نہیں ہے" درج ہے -

دام میں لا کر کیا جب بن چھری اس نے حلال
باغباں بھی ہو گیا عاشق مرے صیّاد کا
ضبطِ جوش گریہ سے کرتا ہوں اشک آنکھوں میں جذب
گرد ہوں دشمن ہوں لیکن سیل کی بنیاد کا
یادِ دور افتادگاں ہے آتش اس بت سے بعید
دھیان کب مولا کو آیا بندۂ آزاد کا

۷۱

[1]آشیانہ ہو گیا اپنا قفس فولاد کا
آب و دانے نے دکھایا گھر ہمیں صیّاد کا
حوصلہ کیا عندلیبِ خانماں برباد کا
روے گل بھولے جو منہ دیکھے مرے صیّاد کا
گردشِ چشمِ بتاں سے مل گیا میں خاک میں
آسماں کو شوق باقی رہ گیا بیداد کا
وصفِ چشمِ حور کرتا ہے خدا قرآن میں
گلشنِ فردوس میں بھی دخل ہے صیّاد کا
رہ گیا تسمہ جو گردن میں لگا تو رہ گیا
کھینچ کر دامن میں کیا دل توڑتا جلّاد کا
بارِ عشق اس نے اٹھایا اور میلی کی نہ آنکھ
حوصلہ تو دیکھو مشتِ خاکِ بے بنیاد کا
شوخ مہندی سے گنہگاروں کے خوں کا رنگ ہے
ہاتھ ملوانا ہمیں منظور ہے جلّاد کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۱ ، نول کشور قدیم ص ۳۰ ، جدید ص ۳۵ ، بہارستان سخن ص ۹ -

بے نوایانِ محبّت پر گمانِ بد نہ کر
چار ابرو سے بھی یاں دل صاف ہے آزاد کا
گردِ رہ سے گو سمجھتے ہیں مجھے آدم ذلیل
آنکھوں میں گھر ہے مری خاکسترِ برباد کا
قد کشی کو باغ میں جاتا ہے وہ بالا بلند
کاٹنا منظور ہے اس شوخ کو شمشاد کا
خاک میں ملوا دیا میرے کڑے پن نے مجھے
شکر ہے کشتہ ہی ہونا خوب تھا فولاد کا
پھوڑنا سر کو ہوا حجّت کمالِ عشق پر
تیشۂ فولاد سے جوہر کھلا فرہاد کا
اے پری رو! کون ہے تیرا جو دیوانہ نہیں
شہر پر عالم ہے صحرائے جنوں آباد کا
قبر پر شرینی لے جاوے اگر انصاف ہو
منڈ[۱] چڑا شاگرد ہووے کوہکن استاد کا
اب بھی او بت آ، جو آنا ہے خدا کے واسطے
غم کلیجہ کھا رہا ہے آتشِ ناشاد کا

۷۲

[۲]نہیں کچھ امتیاز اس عشق کو گم نام و نامی کا
یہ لکھواتا ہے خط مولا سے بندے کی غلامی کا
لہو کا اپنے مثلِ کوہکن میں اب پیاسا ہوں
مزا پڑتا نہ مجھ کو کاش اس شیریں کلامی کا

---

۱ - فقیروں کا وہ گروہ جو بھیک مانگتے وقت اپنا سر ایک خاص قسم کے لوہے یا گرز سے زخمی کر لیتے ہیں -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۲ ، نول کشور قدیم ص ۳۱، جدید ص ۳۶ -

بلا سے مجھ کو ایذا ہو پر اے جوشِ جنوں پہنچے
زبانِ خارِ صحرا کو نہ صدمہ تشنہ کامی کا
گیا گو جاں سے میں ، اے سوزِ غم ! پر شکر کرتا ہوں
کبابِ دل میں تو نے نقص تو رکھا نہ خامی کا
گلوے نالہ کو کرتا ہوں وقفِ تیغِ خاموشی
مبادا بارِ خاطر ہو کسی طبعِ گرامی کا
تعاقب کچھ سمجھ کر بھی کسی کا کوئی کرتا ہے
نہ تھا اندیشہ اے فرعون تجھے موسیٰ[۴] کے حامی کا
حلاوت کچھ تو ہے جو دے کے اپنی جان شیریں کو
مزا چکھتے ہیں مردم جاں کنی کی تلخ کامی کا
شکار اپنے ہمارے حسن کا شاید کہ کھیلے گا
پہنتا ہے مرا صیّاد پیراہن دودامی کا
بسر ہو جائے گی کمل کے سائے میں فقیروں کی
مبارک اہلِ دولت کو ہو نمگیرہ تمامی کا
ابھی سیفِ زباں سے لوں میں کارِ ذوالفقار آتش
کوئی کافر جو منکر ہو مری معجز کلامی کا

۷۳

اجذبۂ دل سے کہاں کہربا ہو جائے گا
سبزۂ بیگانہ اپنا آشنا ہو جائے گا
جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائے گا
زندگی سے دم مسیحا کا خفا ہو جائے گا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۲ ، نول کشور قدیم ص ۳۰ ، جدید ص ۴۷ ۔

حالت اس کی اور میرے استخواں کی ایک ہے
شمعِ کافوری کا پروانہ ہما ہو جائے گا

پیس ڈالا دل کو خالِ عنبرینِ یار نے
کیا سمجھتا تھا میں دانہ آسیا ہو جائے گا

کیمیا ہے مہربانی صاحبِ تاثیر کی
مس کیا پارس نے جب آہن طلا ہو جائے گا

بحرِ غم سے پار اتارے گی ہمیں کشتیٔ مے
بادبان ابر اور ساقی ناخدا ہو جائے گا

خون مسلمانوں کے کرتے ہو بہت مل کر اسے
دل سے کافر کے سیہ رنگِ حنا ہو جائے گا

مے کشی سے یار کی کیوں کر نہ ہو دل کو سرور
نشّے میں اس کے ہمارا مدّعا ہو جائے گا

عیبِ عریانی چھپا کر کیا قیامت کیجیے
اطلسِ ہفتِ آسماں صرفِ قبا ہو جائے گا

ضد دلاتا ہے عبث آنکھیں چھپا کر مجھ کو یار
سوزِ دل سے جسمِ خاکی توتیا ہو جائے گا

اس قدر نازاں نہ ہو اے شیخ اپنے زہد پر
بندگی کرنے سے تو شاید خدا ہو جائے گا

یار نے وعدہ فراموشی جو ہم سے کی تو کی
موت کا وعدہ تو اے آتش وفا ہو جائے گا

۷۴

[1]وحشت دل نے کیا ہے وہ بیاباں پیدا
سیکڑوں[2] کوس نہیں صورتِ انساں پیدا

سحر وصل کرے گی شبِ ہجراں پیدا
صلبِ کافر سے بھی[3] ہوتا ہے مسلماں پیدا

دل کے آئینے میں کر جوہرِ پنہاں پیدا
در و دیوار سے ہو صورتِ جاناں پیدا

خار دامن سے اُلجھتے ہیں، بہار آئی ہے
چاک کرنے کو کیا گل نے گریباں پیدا

نسبت اُس دستِ نگاریں سے نہیں کچھ اس کو
یہ کلائی تو کرے پنجۂ مرجاں پیدا

نشّۂ مے میں کھلی دشمنیِ دوست مجھے
آب انگور نے کی آتشِ پنہاں پیدا

باغ سنسان نہ کر، ان کو پکڑ کر صیّاد
بعدِ مدت ہوئے ہیں مرغِ خوش الحاں پیدا

اب قدم سے ہے مرے خانۂ زنجیر آباد
مجھ کو وحدت نے کیا سلسلہ جنباں پیدا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۳، نول کشور قدیم ص ۳۰، جدید ص ۷۴، بہارستان سخن ص ۵۱ -

۲ - یہی بات غالب نے یوں کہی ہے:

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے   دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

۳ - کلیات آتش طبع نول کشور - "کافر ہی سے ہوتا ہے" - بہت بڑی غلطی ہے - طبع علی بخش خاں لکھنؤ میں صحیح ہے - "صلب کافر سے بھی ہوتا ہے -"

رو کے آنکھوں سے نکالوں میں بخارِ دل کو
کر چکے ابرِ مژہ بھی کہیں باراں پیدا

نعرہ زن کنجِ شہیداں میں ہو بلبل کی طرح
آبِ آہن نے کیا ہے یہ گلستاں پیدا

نقش ان کا نہ کسی لعل سے لب پر بیٹھا
میرے منہ میں ہوے تھے کس لیے دنداں پیدا

خوف نا فہمیِ مردم سے مجھے آتا ہے
گاوِ خر ہونے لگے صورتِ انساں پیدا

روح کی طرح سے داخل ہو جو دیوانہ ہے
جسمِ خاکی سمجھ اس کو جو ہو زنداں پیدا

بے حجابوں کا مگر شہر ہے اقلیمِ عدم
دیکھتا ہوں جسے ، ہوتا ہے وہ عریاں پیدا

اک گل ایسا نہیں ہووے نہ خزاں جس کی بہار
کون سے وقت ہوا تھا یہ گلستاں پیدا

موجد اس کی ہے سیہ روزی ہماری آتش
ہم نہ ہوتے تو نہ ہوتی شبِ ہجراں پیدا

۷۵

[1]اس کے کوچے میں مسیحا ہر سحر جاتا رہا
بے اجل واں ایک دو ، ہر رات مر جاتا رہا

کوے جاناں میں بھی اب اس کا پتا ملتا نہیں
دل مرا گھبرا کے کیا جانے کدھر جاتا رہا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۳ ، نول کشور قدیم ص ۳۱ ، جدید ص ۳۸ -

جانبِ کہسار جا نکلا جو میں تو کوہکن
اپنا تیشہ میرے سر سے مار کر جاتا رہا
نے کشش معشوق میں پاتا ہوں نے عاشق میں جذب
کیا بلا آئی ، محبّت کا اثر جاتا رہا
واہ رے اندھیر بہرِ روشنیِ شہرِ مصر
دیدۂ یعقوب[۴] سے نورِ نظر جاتا رہا
نشّے ہی میں یا الٰہی ہے کشوں کو موت دے
کیا گہر کی قدر جب آبِ گہر جاتا رہا
اک نہ اک مونس کی فرقت کا فلک نے غم دیا
دردِ دل پیدا ہوا ، دردِ جگر جاتا رہا
حسن کھو کر آشنا ہم سے ہوا ، وہ نونہال
پہنچے تب زیرِ شجر ہم جب ثمر جاتا رہا
رنجِ دنیا سے فراغ ایذا دہندوں کو نہیں
کب تپِ شیر اُتری ، کس دن دردِ سر جاتا رہا
فاتحہ پڑھنے کو آئے قبرِ آتش پر نہ یار
دو ہی دن میں پاسِ اُلفت اس قدر جاتا رہا ؟

۷۶

[۱]فریبِ حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ ، بت سے برہمن بگڑا
قبائے گل کو پھاڑا جب مرا گل پیرہن بگڑا
بن آئی کچھ نہ غنچے سے جو وہ غنچہ دہن بگڑا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۴ ، نول کشور قدیم ص ۳۱ ، جدید ص ۴۸ ، بہارستان سخن ص ٦٦ -

نہیں بے وجہ ہنسنا اس قدر زخمِ شہیداں کا
تری تلوار کا منہ کچھ نہ کچھ اے تیغ زن بگڑا
تکلّف کیا جو کھوئی جانِ شیریں پھوڑ کر سر کو
جو غیرت تھی تو پھر خسرو سے ہوتا کوہکن بگڑا
کسی چشمِ سیہ کا جب ہوا ثابت میں دیوانہ
تو مجھ سے مست ہاتھی کی طرح جنگلی ہرن بگڑا
اثر اکسیر کا یُمنِ قدم سے تیرے پاتا ہے
جذامی خاکِ رہ مل کر بناتے ہیں بدن بگڑا
تری تقلید سے کبکِ دری نے ٹھوکریں کھائیں
چلا جب جانور انساں کی چال، اس کا چلن بگڑا
زوالِ حسن کھلواتا ہے میوے کی قسم مجھ سے
لگایا داغ خط نے آن کر، سیبِ ذقن بگڑا
رخِ سادہ نہیں اس شوخ کا نقشِ عداوت ہے
نظر آتے ہی آپس میں ہر اہلِ انجمن بگڑا
جو بدخو طفلِ اشک اے چشمِ تر ہیں دیکھنا اک دن
گھروندے کی طرح سے گنبدِ چرخِ کہن بگڑا
صفِ مژگاں کی جنبش کا کیا اقبال نے کشتہ
شہیدوں کے ہوئے سالار جب ہم سے تمن بگڑا
کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہے میں روتا ہوں
ہنسا گل کی طرح غنچہ جہاں، اس کا دہن بگڑا
کمالِ دوستی اندیشۂ دشمن نہیں رکھتا
کسی بھونرے سے کس دن کوئی مارِ یاسمن بگڑا
رہی نفرت ہمیشہ داغِ عریانی کو پھائے سے
ہوا جب قطع جامے پر ہمارے پیرہن بگڑا

رگڑوائیں یہ مجھ سے ایڑیاں غربت میں وحشت نے
ہوا مسدود رستہ ، جادۂ راہ وطن بگڑا

کہا بلبل نے جب توڑا گلِ سوسن کو گلچیں نے
الٰہی ! خیر کیجو نیلِ رخسارِ چمن بگڑا

ارادہ میرے کھانے کا نہ اے زاغ و زغن کیجو
وہ کشتہ ہوں جسے سونگھے سے کتوں کا بدن بگڑا

امانت کی طرح رکّھا زمیں نے روزِ محشر تک
نہ اک مو کم ہوا اپنا ، نہ اک تارِ کفن بگڑا

جہاں خالی نہیں رہتا کبھی ایذا دہندوں سے
ہوا ناسورِ نو پیدا ، اگر زخمِ کہن بگڑا

تونگر تھا بنی تھی جب تک اس محبوبِ عالم سے
میں مفلس ہو گیا جس روز سے وہ سیم تن بگڑا

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب !
زباں بگڑی تو بگڑی تھی ، خبر لیجے دہن بگڑا

بناوٹ کیفِ مے سے کھل گئی اس شوخ کی آتش
لگا کر منہ سے پیمانے کو وہ پیماں شکن بگڑا

۷۷

[1] کس کو مے گلگوں سے بے یار کے مطلب تھا
خونِ جگر و دل سے پیمانہ لبالب تھا

کیا کہیے کٹی کیوں کر اے بت شبِ تنہائی
اللہ غنی گاہے ، گہ نعرۂ یارب تھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش، ص ۳۴ ، نول کشور قدیم ص ۳۲ ، جدید ص ۴۹ -

غمّاز سے خلطہ[1] ہے اس بت کو تو کیا غم ہے
درگہِ الٰہی میں شیطان مقرّب تھا

سوزِ غمِ فرقت سے یاں شمع کی حالت تھی
ہر صبح مسافر تھا ، مہمان میں ہر شب تھا

کیا تلخ کیا اس نے اس عمرِ دو روزہ کو
زہر اپنے لیے عشقِ معشوقِ شکر لب تھا

ایذا جو ہو اس خال و گیسو سے تعجب ہے
وہ افعیِ بے دنداں ، بے نیش یہ عقرب تھا

خونِ شہدا سے تھی اس پر جو شفق پھولی
ہم دوشِ کبودِ چرخ اس ترک کا مرکب تھا

اس قدِ کشیدہ کی جو شرح کروں کم ہے
اک مصرعِ موزوں میں سو بیت کا مطلب تھا

پہلو میں ہمارے جو وہ ماہ نہ تھا شب کو
تھا داغ سفید اپنی آنکھوں میں جو کوکب تھا

موقع تھا یہی قاتل بسمل جو کیا تو نے
اولیٰ تھا یہی میرے حق میں ، یہی انسب تھا

اُلفت نے مجھے مارا ، ہیبت نے اسے مارا
میں اور رقیب آتش یک جان و دو قالب تھا

۷۸

[2] نہ چھوٹے گا چھڑا کر اس کو اے قاتل نہ بن لڑکا
وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبّا ہے کیچڑ کا ؟

---

۱ - خلطہ : اختلاط ، میل جول ۔

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۵ ، نول کشور قدیم ص ۳۲ ، جدید ص ۵۰ ۔

شرابِ لالہ گوں سے ساقیا جامِ صبوحی بھر
شفق اپنی مجھے دکھلا رہا ہے نور کا تڑکا
زوالِ حسن ہے عاشق کنارہ کرتے جاتے ہیں
بہارِ باغ ہوتی ہے خزاں ، موسم ہے پت‌جھڑ کا
عجب محبوب با شوکت ہے اے بادِ بہاری تو
صدائے خندۂ گل ہے سواری کا تری کڑکا
جو چاہے سینۂ روشن تو سوزِ عشق پیدا کر
شعاعِ مہر ہر اک تار ہے مشعل کے گودڑ کا
زلیخا کو دکھا اے آسماں تصویر یوسف[ع] کی
یہ دل دیوانہ ہے جس کا ، پری پیکر ہے وہ لڑکا
بلند و پست عالم کا بیاں تحریر کرتا ہے
قلم ہے شاعروں کا یا کوئی رہرو ہے بیہڑ کا
سبک سمجھو نہ آہِ عاشقِ شیدا کو بے دردو !
اگر کی بو دھواں دیتا ہے اس قلیاں کے ککڑ کا
روا رکھ کلفتِ ایّام میں بھی قدر نیکوں کی
پھٹے کپڑوں میں بھی ان کو سمجھ لے لعل گودڑ کا
خزاں کے جور سے ایمن بہارِ فکرِ رنگیں ہے
چمن کا اپنے صرصر سے کبھی پتّا نہیں کھڑکا
گل و بلبل کی حالت پر بجا ہے گریۂ شبنم
اسے گلچیں کا اندیشہ ، اسے صیّاد کا دھڑکا
دکھانے کو نہ زور اپنا اکھیڑیں خاک کے پتلے
رگِ جانِ زمیں ریشہ ہے ہر اک پیڑ کی جڑ کا
چھٹے ہیں حلقۂ گیسو جو اس رخسارِ روشن پر
بغل میں ظلمتِ شب نے لیا ہے نور کا تڑکا

بہارِ عالمِ نیرنگ رکھتا ہے مزاج اپنا
جوانوں میں جواں ، بڈھوں میں بڈھا ، لڑکوں میں لڑکا
نگاہِ خشمگیں آگے کہاں تھی دل جلانے کو
سمجھ کر عاشقِ شیدا مجھے وہ شعلہ رو بھڑکا
دلِ وحشی کی بے تابی کرے گی چاک سینے کو
قفس کی تیلیاں ٹوٹیں گی ، یہ طائر اگر پھڑکا
ترے فیلِ فلک رفعت سے تھا وہ بسکہ وابستہ
کمیتِ خامۂ مضموں سواری سے بہت بھڑکا
لیے رہتا ہے زر مٹھی میں میرے مول لینے کو
وہ بلبل ہوں کہ طفلِ غنچہ کا مجھ پر ہی دم پھڑکا
ہماری قبر سے شاید کہ بوے شیر آتی ہے
وگرنہ یار کا گھوڑا تو ہاتھی سے نہیں بھڑکا
سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

۷۹

[1] ہے جب سے دستِ یار میں ساغر شراب کا
کوڑی کا ہو گیا ہے کٹورا گلاب کا
صیّاد نے تسلّیِ بلبل کے واسطے
کنجِ قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا
دریاے خوں کیا ہے تری تیغ نے رواں
حاصل ہوا ہے رتبہ سروں کو حباب کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۵ ، نول کشور قدیم ص ۳۳ ، جدید ص ۵۱ ، بہارستان سخن ص ۴۱ -

جو سطر ہے وہ گیسوے حورِ بہشت ہے
خالِ پری ہے نقطہ ہماری کتاب کا
نو آسماں ہیں صفحۂ اول کے نو لغت
کونین اک دو ورقہ ہے اپنی کتاب کا
اے موجِ بے لحاظ ! سمجھ کر مٹائیو
دریا بھی ہے اسیر طلسمِ حباب کا
بچھوائیے نہ چاندنی میں بام پر پلنگ
منحوس ہے قرانِ مہ و آفتاب کا
اک ترکِ شہسوار کی دیوانی روح ہے
زنجیر میں ہمارے ہو لوہا رکاب کا
حسن و جمال سے ہے زمانے میں روشنی
شب ماہتاب کی ہے تو روز آفتاب کا
اللہ رے ہمارا تکلّفِ شبِ وصال
روغن کے بدلے عطر جلایا گلاب کا
مسجد سے مے کدے میں مجھے نشہ لے گیا
موجِ شراب جادہ تھی راہِ صواب کا
انصاف سے وہ زمزمہ میرا اگر سنے
دم بند ہووے طوطیِ حاضر جواب کا
الفت جو زلف سے ہے دلِ داغ دار کو
طاؤس کو یہ عشق نہ ہوگا سحاب کا
معمور جو ہوا عرقِ رخ سے وہ ذقن
مضمون مل گیا مجھے چاہِ گلاب کا
پاتا ہوں ناف کا کمرِ یار میں مقام
چشمہ مگر عدم میں ہے گوہر کی آب کا

آتش شبِ فراق میں پوچھوں گا ماہ سے
یہ داغ ہے دیا ہوا کس آفتاب کا ؟

۸۰

[1]کہتے ہیں عطر جس کو یہ مردم گلاب کا
اے تُرک ! دود ہے تری جھوٹی شراب کا

خط دیجو پیچھے یار کے ہاتھوں میں نامہ بر !
پہلے سوال کیجیو خط کے جواب کا

دیکھا ہے تو نے سامنے رکھ کر جو اس میں منہ
آئینہ برج بن گیا ہے آفتاب کا

کیا کیا ترارے توسنِ جلّاد نے کیے
بوسہ لیا جو میں نے تڑپ کر رکاب کا

مشقِ خرام میں عرق افشاں ہے روے یار
چھڑکاؤ ہو رہا ہے زمیں پر گلاب کا

ساقی کے دور کھنچنے سے رکتا ہے دم مرا
انگور سے خوش آتا ہے کھنچنا شراب کا

حرص و ہوا کو سینے میں غافل جگہ نہ دے
مطلب کو فوت کرتا ہے کیڑا کتاب کا

خانہ خرابی پر کمرِ موج بندھ چکی
باہر نکالا سیل نے خیمہ حباب کا

زینت پسند وہ نہیں جو ہیں شکستہ دل
محتاج موے چینی نہ دیکھا خضاب کا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۳۶ ، نول کشور قدیم ص ۳۳ ، جدید ص ۵۱ ، بہارستان سخن ص ۴۳ ۔

کرتے ہیں سجدہ اس کی طرف کیا سمجھ کے لوگ
کعبہ ہے نام ایک کنشتِ خراب کا

رویا کا حال یار کے آگے کہوں گا میں
یوسف[۴] کے منہ سے لطف ہے تعبیرِ خواب کا

دریا میں ڈال دو مرے مردے کو دوستو!
آباد ہو اسیر سے زنداں حباب کا

غنچے کا عقد اس کو سمجھیو نہ اے صبا!
ٹوٹا طلسم بند جو ٹوٹا نقاب کا

اُڑتے دکھائی دیں گے پروں کی طرح سے تار
کھینچے گا صدمہ دام مرے اضطراب کا

آتش کی آرزو یہی اے شہسوار! ہے
اُس کا غبار سرمہ ہو چشمِ رکاب کا

۸۱

[۱]ہاتھوں میں یار کے نہیں ساغر شراب کا
دستِ مسیح میں ہے قدح آفتاب کا

آنکھوں میں تیرے چاہنے والوں کے داغ ہے
شبنم پسند ہووے گا حسن آفتاب کا

دو نعمتیں یہ میری ہیں میں ہوں فقیر مست
اک نانِ خشک، ایک پیالہ شراب کا

اندیشہ گفتگوے نکیرین کا نہیں
رد کردہ ہے سوال ہمارے جواب کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۶، نول کشور قدیم ص ۳۴، جدید ص ۵۲، بہارستان سخن ص ۴۵ -

چاہے شکستِ جہل تو تحصیلِ علم کر
وابستہ یہ طلسم ہے لوحِ کتاب کا
بے معنی شعر میں نے کسی کا اگر سنا
اس پر ہوا یقیں مجھے بیتِ خراب کا
اس تُرک تک پہنچنے کی تدبیر ہے یہی
تعویذ خط ہے بازوے مرغِ کباب کا
پروانے سے لڑایا ہے بلبل کو رات بھر
شمعوں کو عطرِ یار نے مل کر گلاب کا
کس ترکِ نوجواں نے کیا ہے یہ شوقِ تیر
چھٹتا ہے بازوؤں سے ہر اک پر عقاب کا
حد سے نکل چلا ہے بہت سرمہ پونچھیے
لگتا ہے داغ موے مژہ کو خضاب کا
خورشیدِ حشر کا جو کیا ہے کسی نے ذکر
دکھلا دیا ہے یار نے چہرہ عقاب کا
دیکھے جو تیرے دستِ حنائی کے رنگ کو
شرمندگی سے رنگ ہو نیلا شراب کا
بے خود ہو سن کے مدعیِ شور و شر پسند
افسانہ اپنا شعر ہے، فتنے کے خواب کا
دریا میں غسل کے لیے اترا جو وہ صنم
ناقوس مچھلیوں نے بجایا حباب کا
جو چاہیں لکھ لیں کاتبِ اعمال چار دن
دیکھوں گا روزِ حشر میں کاغذ حساب کا
آتش کی التجا ہے یہی تم سے یا علی[۴]
صدمہ نہ ہو فشارِ لحد کے عذاب کا

۸۲

[1]چمن میں شب کو جو وہ شوخ بے نقاب آیا
یقین ہو گیا شبنم کو ، آفتاب آیا

ان انکھڑیوں میں اگر نشّۂ شراب آیا
سلام جھک کے کروں گا جو پھر حجاب آیا

میں موج ہوں لبِ ساحل میں آسمان و زمیں
کبھی جو جوش میں دریاے اضطراب آیا

اسیر ہونے کا اللہ رے شوق بلبل کو
جگایا نالوں سے صیّاد کو جو خواب آیا

بسر ہوئی مری اوقات آئنے کی طرح
ملا نہ دانہ جو مجھ کو ، میسّر آب آیا

صداے رعد سے ظاہر ہے برق اندازی
شکار کھیلنے طاؤس کا سحاب آیا

خیالِ صبح میں سویا تو آنکھ پھر نہ کھلی
دکھانے آئنہ جب تک نہ آفتاب آیا

شبِ فراق میں کارِ محال مجھ سے ہوا
اڑی یہ نیند مری قدسیوں کو خواب آیا

کسی کی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی
حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا

ہمیشہ بلبل و قمری سے بحثِ نالہ رہی
کسی کماں سے چھٹا تیر میں جواب آیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۷ ، نول کشور قدیم ص ۳۵ ، جدید ص ۵۳ -

شبِ فراق میں مجھ کو سلانے آیا تھا
جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا

بلا ذہین و ذکی ہے وہ طفلِ ابجد خواں
گیا جو سامنے مثلا سرِ حساب آیا

جو علم چاہے تو ہو اہلِ علم کا پیرو
کمر سے زلف کو اندازِ پیچ و تاب آیا

وہ کوہ اس بتِ بے دیں کا کوہِ تمکیں ہے
ہزار ہم نے پکارا، نہ کچھ جواب آیا

گماں ساقی پہ صیاد کا ہوا مجھ کو
حضورِ یار جو لے کر بطِ شراب آیا

چکور حسنِ مہِ چاردہ کو بھول گیا
مراد پر جو ترا عالمِ شباب آیا

اصولِ دیں جو سنے گوش نے، زباں نے کہا
مجھے سوالِ نکیرین کا جواب آیا

ہماری قبر سے آوے گی یہ صدا تا حشر
یہ مردہ آیا کہ مجھ پر کوئی عذاب آیا

گلال مل کے ذرا میں رخِ منور پر
یقیں ہوا یہ مجھے یار کو عتاب آیا

مقامِ رشک ہے الفت میں طالعِ طاؤس
چمن میں قلۂ کہسار سے سحاب آیا

عدم سے ہستی میں جا کر یہی کہوں گا میں
ہزاروں حسرتِ زندہ کو گاڑ داب آیا

محبتِ مے و معشوق ترک کر **آتش**
سفید بال ہوئے موسمِ خضاب آیا

٨٣

ارنج و راحت کا مرے واسطے ساماں ہوگا
مشعلِ راہِ عدم داغِ عزیزاں ہوگا

گیسوؤں سا نہ کوئی رہزنِ ایماں ہوگا
خالِ ہندو سے ترے خونِ مسلماں ہوگا

رنگ بدلا نظر آتا ہے ہوا کا مجھ کو
گلِ تازہ کوئی اس باغ میں خنداں ہوگا

مجھ جگر سوختہ کی خاک ہے سرمے سے سیاہ
گوشۂ چشم کوئی گوشۂ داماں ہوگا

عود کرنے کی نہیں روح نکل کر تن سے
پھر نہ آباد یہ گھر ہوگا جو ویراں ہوگا

نالۂ بلبلِ شیدا میں اگر ہے تاثیر
دستِ صیّاد میں گلچیں کا گریباں ہوگا

بوے مے رکھتی ہے اس مے کدے میں کیفیت
محتسب توڑ کے شیشے کو پشیماں ہوگا

تیری فریاد کا محتاج میں واماندہ نہیں
اے جرس ! میرے لیے قافلہ نالاں ہوگا

سائے میں آس کے مری گور کھدے گی اک دن
اے پری رو ! تری دیوار کا احساں ہوگا

آتشِ عشق سے ہوتا ہے سراپا تن داغ
وہ گنہگار ہوں جو سروِ چراغاں ہوگا

---

١ - کلیات طبع علی بخش ص ٣٧ ، نول کشور قدیم ص ٣٥ ، جدید ص ٥٣ -

خط کا آغاز قیامت ہے رخِ رنگیں پر
خار و گل دیدۂ انصاف میں یکساں ہوگا

دستِ گستاخ میں قزّاق کا پاتا ہوں ہنر
ایک دن یار مرے ہاتھ سے عریاں ہوگا

حسن کا خاتمہ تو، عشق کا میں خاتمہ ہوں
نہ گدا مجھ سا، نہ تجھ سا کوئی سلطاں ہوگا

بعد میرے نہ گرفتار ملے گا مجھ سا
زلفِ خوباں کا بہت حال پریشاں ہوگا

بے نیازی سے فریب اے بتِ عیّار نہ دے
ہم نہ مانیں گے خدا صورتِ انساں ہوگا

اس کے عاشق ہیں زبس خرد و بزرگ اے آتش
رشک ہوگا مجھے گر طفل بھی گریاں ہوگا

۸۴

ہنگامِ نزع محو ہوں تیرے خیال کا
مشتاق ہوں فرشتۂ صاحب جمال کا

پیراہن اس جواں نے جو پہنا ہے چھال کا
ملتا نہیں چمن میں مزاج اک نہال کا

آلودہ بے گناہوں کے خوں سے ہے تیغِ چرخ
نا فہموں کو گماں ہے شفق میں ہلال کا

شانہ بنیں گے بعدِ فنا اپنے استخواں
عقدہ کھلے گا گیسوؤں کے بال بال کا

---

۰۱ کلیات طبع علی بخش ص ۳۸، نول کشور قدیم ص ۳۵، جدید ص ۵۵ -

بینی سہیل ، مشتری و زہرہ گوش ہیں
قطبِ شمال حسن ہے تل تیرے گال کا

کس کس بشر کو لائی ہے دنیا فریب میں
کیا کیا جواں مرید ہے اس پیر زال کا

لاتی ہے واں قضاو قدر مرغِ روح کو
پانی جہاں قفس کا ہے ، دانہ ہے جال کا

امرد پرست ہے تو گلستاں کی سیر کر
ہر نونہال رشک ہے یاں خُرد سال کا

اک دم میں جا ملوں گا عزیزانِ رفتہ سے
کیا عرصہ ہے زمانۂ ماضی سے حال کا

سرخ و سفید رنگ سے ہوتا ہے آشکار
وہ جسمِ نازنیں ہے عبیر و گلال کا

اے دل قضا نہ آئے اُدھر ٹکٹکی نہ باندھ
گولی کا سامنا ہے یہ نظّارہ خال کا

بوسہ دیے سے حسن میں ہوگی کمی نہ یار
ہوتا نہیں زکٰوۃ سے نقصان مال کا

وہ چشم ہی نہیں دلِ وحشی کی فکر میں
ہر ُترک کو ہے شوق شکارِ غزال کا

زنجیر و طوق ہر برس آ کر پنہا گئی
دیوانہ ہوں میں بادِ بہاری کی چال کا

روزِ سیاہ ہجر میں میرے جلے چراغ
پروانوں کو نصیب ہوا دن وصال کا

رونے کے بدلے حال پر اپنے ہنسا کیے
پردہ ہوا نہ فاش ہمارے ملال کا

دکھلایا بے نقاب جسے بندہ ہو گیا
وہ روے سادہ نقش ہے صاحب کمال کا
کرتی ہے یاں زباں کمرِ یار میں کلام
معدوم ہے جواب ہمارے سوال کا
آتش لحد سے اٹھوں گا کہتا یہ روزِ حشر
مشتاق ہوں میں یار کے حسن و جمال کا

۸۵

[۱]اس ترک کی ثنا میں جو صرفِ رقم ہوا
خنجر زباں بن گئی ، نیزہ قلم ہوا
گستاخ ہاتھ گردنِ دلبر میں خم ہوا
حدِ ادب سے شوق کا باہر قدم ہوا
بے یار باغ ، خانۂ بیمار ہو گیا
پھولا جو غنچہ ، میں نے یہ سمجھا ورم ہوا
پیدا کی رفتہ رفتہ رسائی کمر تلک
گیسوے یار جادۂ راہِ عدم ہوا
اقلیمِ فقر سائے نے اس کے کیا خراب
منحوس چغد سے بھی ہما کا قدم ہوا
یاد آیا طوفِ کعبہ میں ہندوستاں مجھے
کوے بتاں کا سایہ ، لباسِ حرم ہوا
بیڑا ہمارے قتل کا کیوں کر اٹھاؤ گے ؟
کس کر کمر بندھی ہے تو دردِ شکم ہوا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۸ ، نول کشور قدیم ص ۲۶ ، جدید ص ۵۶ ۔

وقتِ اخیر جذبۂ دل کھینچ لائے گا
دیکھیں گے روئے یار جو آنکھوں میں دم ہوا
ٹوٹے ہیں لاکھ شیشۂ تیزاب ہر قدم
کانٹوں پر آبلوں سے ہمارے ستم ہوا
دنیا میں نیک سے ہے فزوں بد کا امتیاز
کیا کیا گراں نہ شہد سے قیمت میں سم ہوا
شغلِ تصرف آج کس اہلِ نظر کو ہے
ہر آئنہ سکندر و ہر جام جم ہوا
نقشِ دوئی مٹا کے بنا گھر خدا کا ، دل
کعبہ ہوا خراب جو بیت الصنم ہوا
چرخِ دنی نے داغ کیا نذرِ دل مدام
دستِ بخیل سے مجھے حاصل درم ہوا
مضمونِ میرزا منشی یک قلم ہے بند
زیرِ نگینِ فکر عراق و عجم ہوا
وارستہ خاطری نے کیا داخلِ بہشت
صحرائے بے تعلقی ، باغِ ارم ہوا
تاریخ تیسری کا مگر چاند ، یار ہے
جس کو نظر پڑا ، اُسے اندوہ و غم ہوا
نا گفتنی ہے حال بہار و خزانِ باغ
اک زخم ہے کہ خشک ہوا اور نم ہوا
رکھی تھی اک دن اس کی چھڑی تو نے ہاتھ میں
ہر سال ہر گلاب کا تختہ قلم ہوا
نکلی نیام سے تو گلے لپٹی اپنے تیغ
چھوٹا کماں سے تیر تو ہم پر کرم ہوا

چرخ کے سے بھی کیا نہ کبھی ہم کو سرفراز
قاتل کی تیغ میں نہ تواضع کا خم ہوا
نورانی چہرے پر ترے ابرو کے نقش سے
محراب بیتِ کعبہ کا طغرا رقم ہوا
رکھّا تھا پاؤں ایک دن اس بدمزاج نے
چینِ جبینِ جادہ نشانِ قدم[1] ہوا
ماتم کدہ ہے اپنا الٰہی کہ بت کدہ
ہر سنگِ سینہ کوب ترش کر صنم ہوا
آثارِ عشق آنکھوں سے ہونے لگے عیاں
بیداری کی ترقی ہوئی ، خواب کم ہوا
راحت سے ایک دن نہ ہوا عشق میں بسر
غم پر غم اپنے دل کو الم پر الم ہوا
دنیا کو آتش ایک کے اوپر نہیں قرار
یہ آج ، کل وہ صاحبِ طبل و علم ہوا

۸۶

[2]انصاف کی ترازو میں تولا ، عیاں ہوا
یوسف[4] سے تیرے حسن کا پلّہ گراں ہوا
روئے زمیں پہ ایسا میں بسمل تپاں ہوا
اڑ کر مرا لہو شفقِ آسماں ہوا
اس برق وش کا عشقِ نہانی عیاں ہوا
ابرِ سیاہ آہوں کا میرے دھواں ہوا

---

۱ - نسخہ نول کشور جدید : ''قلم ہوا ۔''
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۹ ، نول کشور قدیم ص ۳۶ ، جدید ص ۵۷ ۔

پیری میں مجھ کو عشقِ حسینِ جواں ہوا
بارِ دگر کبادے میں زورِ کہاں ہوا

اہلِ زمیں سے صاف کہاں آسماں ہوا
کس روز برجِ ماہ میں فرشِ کتاں ہوا

معدوم داغِ عشق کا دل سے نشاں ہوا
افسوس بے چراغ ہمارا مکاں ہوا

دو ٹکڑے ایک وار میں خودِ حباب ہے
گردابِ موج تیغ کو سنگِ فساں ہوا

دیکھا جو میں نے اس کو سمندر کی آنکھ سے
گلزار آگ ہو گئی ، سنبل دھواں ہوا

ملتا نہیں دماغ ہی گیسوے یار کا
کچھ ان دنوں میں مشک کا سودا گراں ہوا

خوش‌چشموں کے فراق میں کھائے یہ پیچ و تاب
شاخِ غزال اپنا ہر اک استخواں ہوا

سختیِ راہِ عشق سے واقف ہوئے نہ پاؤں
جوشِ جنوں مرے لیے تختِ رواں ہوا

انبوہِ عاشقاں سے ہوا حسن کو غرور
کثرت سے مشتری کی یہ سودا گراں ہوا

پیوندِ خاک ہو گئے اک بت کی راہ میں
پتھر ہماری قبر کا سنگِ نشاں ہوا

پھینکا گیا نہ پیرِ فلک ، نعل کی طرح
کوئی نہ طفلِ اشک ہمارا جواں ہوا

تو دیکھنے گیا لبِ دریا جو چاندنی
استادہ تجھ کو دیکھ کے آبِ رواں ہوا

انساں کو چاہیے کہ نہ ہو ناگوارِ طبع
سمجھے سبک اسے جو کسی پر گراں ہوا
اس گل سے عرضِ حال کی حسرت ہی رہ گئی
کانٹے پڑے زباں میں جو میلِ بیاں ہوا
اللہ کے کرم سے بتوں کو کیا مطیع
زیرِ نگیں قلم روِ ہندوستاں ہوا
انصاف میں نے عالمِ اسباب میں کیا
بنوائی چاندنی جو میسّر کتاں ہوا
گردش نے اس کی سرمہ کیے اپنے استخواں
چکّی ہمارے پیسنے کو آسماں ہوا
قاتل کی تیغ سے رہِ ملک عدم ملی
آہن ہمارے واسطے سنگِ نشاں ہوا
فکرِ بلند نے مری ایسا کیا بلند
آتش زمینِ شعر سے پست آسماں ہوا

۸۷

[1]جوہر اپنے آئینہ رخسار کا دکھلائے گا
سبزۂ خط یار کا تنکے مجھے چنوائے گا
بوسے لیتا ہوں لبِ شیریں کے میں جس شوق سے
فاقہ کش مومن نہ اس رغبت سے حلوا کھائے گا
لالہ رو کہہ کر لگاتے ہیں گل اندامون کو داغ
روزِ محشر شاعروں کا پوست کھینچا جائے گا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۰ ، نول کشور قدیم ص ۳۷ ، جدید ص ۵۸ -

کشتۂ مژگانِ خوش چشمانِ مردم کش نہ ہو
شیر کے پنجے کے زخمی کی طرح چلّائے گا

ہے سزاوار اہلِ دولت سے فقیروں کا غرور
ہاتھ کو جو کھینچ لے گا ، پاؤں کو پھیلائے گا

کون چھینے بت کو، توڑے برہمن کے دل کو کون
اینٹ کی خاطر کوئی کافر ہی مسجد ڈھائے گا

راہ میں وقفہ کرے گا جو نہ مثلِ آفتاب
پا شکستہ ذرہ ہو مشرق سے مغرب جائے گا

یہ صدا آتی ہے شورِ بحرِ ہستی سے مجھے
گوہرِ مقصود اس دریا سے باہر پائے[1] گا

طفل کے مانند اس پر رال ٹپکے گی مری
باغِ عالم میں مجھے شفتالوے لب بھائے گا

گوشت کھا کر استخواں میری نہ اے صیاد پھینک
دام میں رکھ دیکھ انھیں ، زندہ ہُما ہاتھ آئے گا

گرمیِ خورشیدِ محشر کیا جلاوے گی ہمیں
ابرِ رحمت حال پر اپنے کرم فرمائے گا

پوست اس کا صرفِ کفش اے یار ہوگا بعدِ مرگ
آتش اپنے ہاتھ تیرے پاؤں تک پھیلائے گا

۸۸

[2]رشک کے مارے زمرّد خاک میں مل جائے گا
سبزے پر اس گوش کے فیروزہ ہیرا کھائے گا

---

۱ - کلیات طبع لکھنؤ جدید ''باہر جائے گا ۔''
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۰، نول کشور قدیم ص ۳۷ ؛ جدید ص ۵۸ -

دسترس انگشت تک اس سیم تن کے پائے گا
نقش اپنا خانۂ زر میں نگیں بٹھلائے گا

چل نہیں سکنے کا ہرگز تیری اٹھکیلی کی چال
پاؤں میں موچ آئے گی کبک ایسی ٹھوکر کھائے گا

حسن کا جلوہ بھی کم برقِ تجلّی سے نہیں
چشمِ موسیٰ[۴] سے جو دیکھے گا، اسے غش آئے گا

آسیا کی گردش اور اس کی سکونت ایک ہے
سیکڑوں دل کوہِ تمکیں سے ترے پس جائے گا

ایک عالم سے رسا سنتا ہوں میں مجنوں اسے
میری گردن تک ترے گیسو کا حلقہ آئے گا

سردیِ دے کا یہ ہنگامہ نہیں رہنے کا گرم
آتشِ گل دامنِ بادِ صبا بھڑکائے گا

چار دیوارِ عناصر کی ہے وسعت کس قدر
شش جہت کو تنگ کر دے گا جو دل گھبرائے گا

عرش ہے اس بادشاہِ حسن کا تختِ رواں
وہ صنم کوتلِ کبودِ چرخ کو دوڑائے گا

بعدِ مردن بھی رہے گا زلفِ مشکیں کا خیال
گور میں بھی میرے سر کے ساتھ سودا جائے گا

خم لگا دے منہ سے ساقی لب تو تر ہوویں مرے
مجھ سے دریا نوش تک کیا کشتیِ مے لائے گا

اپنی زلفوں کے الجھنے سے خفا وہ شوخ ہے
جس نے سیدھی بات کی الٹا اسے لٹکائے گا

مجھ قدح کش کا[1] بخارِ دل بھی ہوتا ہے شریک
اک نہ اک دن ابر آبِ آتشیں برسائے گا

یہ صدا آتی ہے مجھ دیوانے کی زنجیر سے
امن چاہے تو دیارِ بے خودی میں پائے گا

آستانِ یار سے اٹھنے کا قصد آتش نہ کر
چھوڑ کر اس در کو سر دیوار سے ٹکرائے گا

۸۹

[2]عیسیٰ[4] سے نالہ دردِ دل کی خبر نہ کرتا
ذکرِ درونِ خانہ، بیرونِ در نہ کرتا

دربانِ یار مجھ پر شفقت اگر نہ کرتا
دیوار پھاند جاتا، میں درگزر نہ کرتا

زرگر نگیں سے ہرگز پیوند زر نہ کرتا
اسمِ مبارک اس کا جو نامور نہ کرتا

تلوار کو اگر تو زیبِ کمر نہ کرتا
قاتل ادھر کی دنیا کوئی اُدھر نہ کرتا

حسن اس کو پیش خدمت اپنا اگر نہ کرتا
خط عاشقوں کے دل کو زیر و زبر نہ کرتا

اے آفتابِ محشر آنکھوں سے گر گیا تو
منہ پھیرتا جدھر سے، پھر منہ اُدھر نہ کرتا

صندل کو مول لے کر کس کی بلا رگڑتی
میں دردِ سر کی خاطر، یہ دردِ سر نہ کرتا

آنکھیں دکھائیں تو نے، دیوانے ہو گئے ہم
یہ وہ فسوں نہ تھا جو اپنا اثر نہ کرتا

۱۔ کلیات آتش طبع لکھنؤ جدید "سے بخار"۔
۲۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۴، طبع نول کشور قدیم ص۳۸، جدید ص ۵۹۔

آئینے میں پری سے چہرے کو دیکھیے تو
کیوں کر بھلا محبّت تم سے بشر نہ کرتا

شیرینی اُن لبوں کی رکھتا جو ُتو تو ہرگز
پانی سے تجھ کو پتلا اے نیشکر نہ کرتا

بلبل کے حال پر جو روتا نہ ابرِ باراں
دورِ [1]دو ہفتہ اک گل ہنس کر بسر نہ کرتا

اے آسماں کفن کے دینے میں دیر کیا ہے
قسمت کے لکّھے میں تو شام و سحر نہ کرتا

مل جاتے خاک میں گو سودا زدے بلا سے
زلفِ دراز اپنی تو مختصر نہ کرتا

جادو گہن کا اس پر چلتا جو ہے چلے گا
گرد اپنے یہ حصارِ ہالہ قمر نہ کرتا

بلبل کا عشق حسنِ گل سے نہیں خوش آتا
تقلید آدمی کی یہ جانور نہ کرتا

تریاق کا ہے جوہر اس جسمِ سخت جاں میں
کالا بھی کاٹتا تو مجھ کو اثر نہ کرتا

ان دانتوں کی صفا کا عالم جو اس میں ہوتا
کس کس کو غرقِ دریا شوقِ گہر نہ کرتا

عالم دکھا کے اپنا وہ پنجۂ حنائی
میرے حواسِ خمسہ کو منتشر نہ کرتا

وہ تیرِ آہ اپنے سینے میں ضعف سے ہے
جو خانۂ کماں سے باہر گزر نہ کرتا

---

۱ - کلیات علی بخش مطابق متن - نول کشور بجائے ''دور دوہفتہ''
''دو روز ہفتہ'' غلط ہے -

بخت ِ رسا جو زلف ِ مشکیں کی طرح رکھتی
معدوم اپنی ہستی عشق ِ کمر نہ کرتا
مردِ فقیر ایذا دیتے نہیں کسی کو
میں ذکرِ ارہ زیرِ شاخ ِ شجر نہ کرتا
لکھتا جو نامۂ شوق اُس سیم بر کو آتش
تحریر اس کو خامہ بے آبِ زر نہ کرتا

۹۰

[1]کوچۂ یار میں کس روز میں نالاں نہ گیا
بلبل ِ مست سے سودائے گلستاں نہ گیا
حسن کی طرح سے آیا نہ مرے عشق میں فرق
زلفیں واں منڈ گئیں ، یاں حال ِ پریشاں نہ گیا
واہ رے لوہے کبھی سان کے اوپر چڑھنے
تیغِ ابرو نہ گئی ، خنجرِ مژگاں نہ گیا
ہمرہی روحِ رواں کی تنِ خاکی نے نہ کی
ساتھ یوسف[۴] کے زمانے سے یہ زنداں نہ گیا
صبح کی شامِ نظارہ میں رخِ روشن کے
رات بھر گھر سے ہمارے مہِ تاباں نہ گیا
اڑ کے پہنچا مددِ جوشِ جنوں سے واں تک
پاؤں سے اپنے میں دیوانہ بیاباں نہ گیا
روز و شب زلف و رخِ یار کا افسانہ رہا
ذکرِ صبحِ وطن و شامِ غریباں نہ گیا
مرغِ بسمل کی طرح رقص کریں گے طاؤس
چار دن اور اگر ابرِ گلستاں نہ گیا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۴، نول کشور قدیم ص ۳۸، جدید ص ۶۰ ۔

کون سے دل میں نہیں یار ترے عشق کا نقش
کس قلمرو میں شہ حسن کا فرماں نہ گیا
صادق القول نہیں دوسرا مجھ سا مے کش
شیشے سے عہد تو پیمانے سے پیماں نہ گیا
کون سے شانے کا سینہ نہ کیا زلف نے چاک
کون سا آئنہ اس حسن کا حیراں نہ گیا
خاک پا تو نے نہ اس عیسیٰ نفس کی چھڑکی
باغباں نرگس گلزار کا یرقاں نہ گیا
مجھ سا غم دوست نہ ہووے گا کوئی دنیا میں
کون سی مجلس ماتم میں میں مہماں نہ گیا
اے شرر ہوں مقر آتش قدمی کا تیری
کوئی دنیا سے تری طرح گریزاں نہ گیا
پھوٹ کر آبلوں نے خشک زبانیں تر کیں
تم سے شرمندہ میں اے خار مغیلاں نہ گیا
عاشق اس غیرت بلقیس کا ہوں اے آتش
بام تک جس کے کبھی مرغ سلیماں[۴] نہ گیا

۹۱

[۱]حال زار اپنا فنا کے بعد بھی روشن رہا
زرد و ژولیدہ ہمارا سبزۂ مدفن رہا
مردے سے بد تر زبس احوال مجھ مجنوں کا تھا
خانۂ زنجیر میں دن رات اک شیون رہا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۲ ، نول کشور قدیم ص ۳۹ ، جدید ص ۶۱ ۔

میلے کپڑے یار کے سونگھے تھے میں نے ایک دن
نکہتِ گل پر گماں بوے پیراہن رہا

آشیانِ بلبل و قمری ہوا روزن ہر ایک
چار دن جس گھر میں تو اے غیرتِ گلشن رہا

باغِ عالم میں ہوا حسنِ سیہ سے مجھ کو عشق
میں وہ بلبل ہوں کہ جو محوِ گلِ سوسن رہا

صورتِ عاشق سے در پردہ اسے بھی عشق ہے
غرفے میں جالی رہی ، دیوار میں روزن رہا

شمع ساں رو رو کے یادِ گور میں شب روز کی
جب تلک میرا چراغِ زندگی روشن رہا

اس کو یرقانِ سیہ تو اس کو ہے یرقانِ زرد
خندہ زن نرگس کے اوپر کیا گلِ سوسن رہا

چہرے کواپنے سواروں میں بھی ہم لکھوا چکے
سال‌ہا داغ ابلقِ ایّام سا توسن رہا

گردِ رہ نے میری اڑ کر اس کی آنکھیں بند کیں
ہاتھ ملتا مجھ مسافر کے لیے رہزن رہا

چند روزہ عمر زنجیرِ تعلّق میں کٹی
اک پری کا دستِ نازک حلقۂ گردن رہا

دم میں جب تک دم رہا تیری جلو میں اے جنوں
میں گریباں چاک بھی باندھے ہوئے دامن رہا

سختیِ دورانِ تب خارِ جنوں نے سہل کی
موم مجھ دیوانے کی زنجیر کا آہن رہا

دیکھ کر اس ماہ‌رو کو غش رہے دو دو پہر
حال پر اپنے ستارہ اپنا چشمک زن رہا

باغِ عالم کی ہوا آتش نہ راس آئی مجھے
دوست جس گل کا رہا میں، وہ مرا دشمن رہا

۹۲

[1]ظہورِ آدمِ خاکی سے یہ ہم کو یقیں آیا
تماشا انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آیا

گیا بلقیس تک مکتوبِ شوقیہ سلیماں[۴] کا
قرانِ مشتری و ماہ کا دورہ قریں آیا

ہنسیں تیرے کرم سے جام مثلِ برق اے ساقی!
مبارک ہووے ہم کو ابرِ باراں آفریں آیا

پری شیشے میں اتری کہیے یا قالب میں روح آئی
عجب انداز سے آغوش میں وہ نازنیں آیا

ہمیشہ نقش 'حب کا'، مشتری کے روز لکھتا ہوں
ستارہ نیک ہے میرا تو وہ زہرہ جبیں آیا

حنا دیکھی تو پیشِ چشم تیرے دست نازک تھے
تری انگشتری یاد آئی جب نامِ نگیں آیا

مبارک کشتیاں مے کی بتانِ ہند کو ہوویں
جہازوں میں فرنگستاں سے آبِ آتشیں آیا

نہ گھبرا چار دن کے واسطے اے روح قالب میں
گیا جب اس مکاں سے پھر نہیں اس کا مکیں آیا

نہایت تشنۂ دیدار ہیں خوب اس کو چوسیں گے
اگر اپنے لبوں تک کوئی لعلِ آتشیں آیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۳ ، نول کشور قدیم ص ۳۹ ، جدید ص ۶۱ -

یہ جنسِ دل مقرر اک نظر اس کو دکھاویں گے
جو کوئی مشتری بازارِ عالم میں حسیں آیا
مشقت سی مشقت کی ہے راہِ عشق میں ہم نے
پسینہ پاؤں کا کس روز یاں سر تک نہیں آیا
نہ چھوڑے گا کسی کو آسماں بےگور میں بھیجے
سمجھ زیرِ زمیں اس کو جو بالائے زمیں آیا
سگ کُو سے شکار اس کا بتانِ خوش نگہ کرتے
نہ شہرِ ہند تک زندہ کوئی آہوئے چیں آیا
گریباں تک بھی دامن سے جنوں ہو رہنما اس کا
بغل سے ہو کے دامن تک جو چاکِ آستیں آیا
مری آنکھوں سے اس آئینے کی صورت نہ دیکھے گا
کھلے گی حسن کی قلعی جو کوئی قبح بیں آیا
مصور کو تری تصویر کا سودا مبارک ہو
مقامِ گیسوئے مشکین و خالِ عنبریں آیا
رجوع اپنے دلِ روشن سے کر آتش جو مضطر ہے
گیا خرم جب اس درگہ میں ، اندوہ گیں آیا

۹۳

اعدم سے جانبِ ہستی جواں تجھ سا نہیں آیا
یہ پشتِ اسپ تک تیری سواری کو ہے زیں آیا
کیا شکرانۂ آبِ بقا ، پی کر اسے ہم نے
جو اس ظلمت سرا میں لب تک آبِ آتشیں آیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۴ ، نول کشور قدیم ص ۴۰ ، جدید ص ۶۲ -

غنیمت جان اے دل ! نقشِ عشقِ یارِ جانی کو
شرف ہے اس مکاں کا جس میں مہمانِ حسیں آیا
کبھی قسمت کے لکّھے سے زیادہ لکھ نہیں سکتے
وہ ناداں ہے جسے خوفِ کراماً کاتبیں آیا
اثر اپنا کیا آخر ہمارے عشقِ کامل نے
فرشتہ بھی جو قبضِ روح کو آیا ، حسیں آیا
جگہ بدبیں نے کی پہلوے یارِ نیک طینت میں
الٰہی ! خیر کیجو ، گرگ یوسف[۴] کے قریں آیا
بجا ہے عرش کے اوپر دماغ اس شاہِ خوباں کا
دل اپنا نذر لے کر سیکڑوں کرسی نشیں آیا
دکھائے جوہر اپنے آئنے نے فکرِ رنگیں کے
مقر منکر ہوئے ، باطل گمانوں کو یقیں آیا
نہ ہوگا حسن کا مجھ سا بھی عاشق کوئی دنیا میں
نیاز اس سے کیا پیدا نظر جو نازنیں آیا
صباحت سے تری تشبیہ دی جو شعر میں اس کو
زباں پر میرے صدقے ہونے مارِ یاسمیں آیا
نہ دیکھیں گی کبھی جس کو پھر آنکھیں وہ تماشا ہے
غنیمت جان جو پیشِ نگاہ واپسیں آیا
کیا دجّال کو پیوندِ خاک اقبالِ مہدی نے
خدا کے فضل سے خائن گیا آتش امیں[۱] آیا

---

۱ - شاید امین کے آنے سے امین الدولہ نواب امداد حسین خان متوفی ۱۸۵۶ع کی وزارت کا آغاز مراد ہے - نواب امداد حسین خاں ۹ رجب ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۴۲ع کو امجد علی شاہ (بقیہ حاشیہ ص ۲۷۴ پر)

۹۴

حسن کس روز ہم سے صاف ہوا
گنہِ عشق کب معاف ہوا
لے لیا شکر کر کے ساقی سے
درد اس میں ہوا کہ صاف ہوا
تیغِ قاتل پر اپنا خوں جم کر
مخملِ سرخ کا غلاف ہوا
زہر پرہیز ہو گیا مجھ کو
درد درماں سے المضاف ہوا
خاکساری کی ہو چکی معراج
سینہ اپنا زمینِ صاف ہوا
کمرِ یار نے دکھائی آنکھ
مردمِ دیدہ ، خالِ ناف ہوا
وعدہ جھوٹا نہ کردہ مرد نہیں
قول سے فعل جب خلاف ہوا
فاتحہ کو جو وہ پری آیا
سنگِ قبر اپنا کوہِ قاف ہوا

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
کے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور نواب شرف الدولہ محمد ابراہیم خان کو معزول کیا گیا ۔ (تاریخ اودھ ، جلد ۴ ، ص ۹) اگر یہ قیاس صحیح ہے تو آتش کی یہ غزل ان کے آخری زمانے کی غزلوں میں سے ہے کیوں کہ آتش نے ۱۸۴۵ع میں رحلت کی ہے ۔

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۴۴ ، نول کشور قدیم ص ۴۰ ، جدید ص ۶۳ ۔

اُس کمر کے ثبوت میں عاجز
فکر کر کر کے 'موشگاف ہوا

رند مشرب ہوں مجھ کو کیا ، ہووے
مذہبوں میں جو اختلاف ہوا

وہ دہن ہوں ، نہ نکلا حرفِ غرور
وہ زباں ہوں ، نہ جس سے لاف ہوا

گِرد اس کوچے کے پھرا آتش
حاجی سے کعبے کا طواف ہوا

۹۵

[1]پیری نے قدِّ راست کو اپنے نگوں کیا
محراب قصرِ تن کا ہمارے ستوں کیا

جامے سے جسم کے بھی میں دیوانہ تنگ ہوں
اب کی بہار میں اسے نذرِ جنوں کیا

دیوانے تیرے یوں تو ہزاروں ہیں اے پری!
شیشے میں جس نے تجھ کو اتارا ، فسوں کیا

مجھ صوفی کے جو نعرے سے حال اس کو آ گیا
مطرب نے ٹکڑے سر سے مرے ارغنوں کیا

کس کس نگاہِ ناز سے دیکھا مری طرف
کیا کیا نہ چشمِ یار نے مجھ پر فسوں کیا

گرگِ بغل کو پہلو میں دل کی طرح رکھا
یوسف[۲] سے بھی عزیز اسے بے فزوں کیا

---

۱ - کلیات طبع نول کشور ص ۴۴ ، نول کشور قدیم ص ۴۱ ، جدید ص ۶۴ -

آرائش اہلِ حسن کو جادو سے کم نہیں
بے تیغ تیرے دستِ نگاریں نے خوں کیا
آئی بہار، کپڑے لگا پھاڑنے جنوں
عامل نے سالِ حال کا اپنے شگوں کیا
فرہاد سر کو پھوڑ کے تیشے سے مر گیا
شیریں نے نا پسند مگر بے ستوں کیا
دریا بہا شراب کا بے یار رات بھر
مثلِ حباب کاسہ سے واژگوں کیا
مضمون بندھا نہ ہم سے کبھی دل کے داغ کا
بیرونِ لب زباں سے نہ سوزِ دروں کیا
جوہر وہ کون سا ہے جو انسان میں نہیں
دے کر خدا نے عقل اسے، ذوفنوں کیا
کیا کیا نہ داغ مجھ کو دیے شوقِ بوسہ نے
کیفِ شراب نے جو وہ رخ لالہ گوں کیا
آنکھوں سے جائے اشک ٹپکنے لگا لہو
آتش جگر کو دل کی مصیبت نے خوں کیا

۹٦

افرطِ شوق اُس بت کے کوچے میں لگا لے جائے گا
کعبۂ مقصود تک مجھ کو خدا لے جائے گا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۴، نول کشور قدیم ص ۴۱، جدید ص ٦۴ -

کاٹ کر پر بھی مجھے صیاد بے قابو نہ چھوڑ
ناتواں ہوں ، باد کا جھونکا اڑا لے جائے گا

روتے روتے جان جاوے گی فراقِ یار میں
اشک کا دریا مرا مردہ بہا لے جائے گا

دل مرا مٹھی میں رکھتے ہو ، تمھارے ہاتھ سے
چھین کر اک دن اسے دزدِ حنا لے جائے گا

مصر تک پہنچے نہ جو کنعاں سے وہ یوسف[۲] ہوں میں
دستِ اخواں سے چھٹا تو بھیڑیا لے جائے گا

ایک گل اس باغ کا بوئے وفا رکھتا نہیں
سبزۂ بیگانہ ، شوقِ آشنا لے جائے گا

وعدۂ صادق تو عزرائیل سے ہے دیکھیے
اس سرا سے مجھ کو کب تک اس سرا لے جائے گا

باغباں گلشن کے دروازے کو کیا رکھتا ہے بند
کون غنچے کی کلاہ ، گل کی قبا لے جائے گا

استخواں اُجرت میں دیں گے ہم فقیر اے شاہِ حسن !
عرضی اپنے شوق کی تجھ تک ہما لے جائے گا

کشتیِ تن بحرِ ہستی میں رہی برسوں تباہ
پار اسے اک دم میں اس کا ناخدا لے جائے گا

حسن دکھلا وے گا اے بت ! تجھ میں شان اللہ کی
تیرے آگے عالم اپنی التجا لے جائے گا

بوسے لے گا دستِ تیغِ قاتلِ بے باک کے
آتشِ مقتول اپنا خوں بہا لے جائے گا

۹۷

۱کیجیے برقِ تجلّی کو اشارا اپنا
لا چکا حسنِ جہاں سوز حرارا اپنا

یاد خاطر رہی جنبش تری مژگاں کی صنم!
گنگ کو ہو نہ فراموش اشارا اپنا

کسی تدبیر سے ہاتھ آئے نہ ہائے بتِ شوخ
حق تو یہ ہے نہیں تقدیر سے چارا اپنا

رنگ زرد و لبِ خشک و مژۂ خوں آلود
گنہِ عشق ہیں ہم، ہے یہ کفارا اپنا

تیغِ ابرو بھی چلے تیغ کے ساتھ اے قاتل!
ہم بھی دو ٹکڑے ہوں دل بھی ہو دوپارا اپنا

آئنہ صاف ہوا، دورِ سکندر آیا
خود پسندوں کو مبارک ہو نظارہ اپنا

راہ دے صورتِ موسیٰ[۴] ہمیں بحرِ ہستی
کشتی و پُل سے نہ ہووے گا گزارا اپنا

زیرِ دیوار ہیں ہم، بام کے اوپر وہ ماہ
ہم زمیں پر ہیں، فلک پر ہے ستارا اپنا

بحرِ ہستی میں یہ طوفاں ہے عدم چھٹنے سے
غوطے کھلواتا ہے ساحل سے کنارا اپنا

صبحِ محشر بھی نہ ہوں خوابِ لحد سے بیدار
منہ نہ دکھلائے ہمیں عمر دوبارا اپنا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۵، نول کشور قدیم ص ۱۴، جدید ص ۶۴ -

سال ہا سال سے تحصیلِ سخن ہے آتش
اس قلم رو میں ہے مدّت سے اجارا اپنا

۹۸

[1]ایسی وحشت نہیں دل کو کہ سنبھل جاؤں گا
صورتِ پیرہنِ تنگ نکل جاؤں گا
وہ نہیں ہوں کہ رُکھائی سے جو ٹل جاؤں گا
آج جاتا تھا تو ضد سے تری کل جاؤں گا
شامِ ہجراں کسی صورت سے نہیں ہوتی صبح
منہ چھپا کر میں اندھیرے میں نکل جاؤں گا
کھینچ کر تیغ کمر سے کسے دکھلاتے ہو
نافِ معشوق نہیں ہوں جو میں ٹل جاؤں گا
شبِ ہجر اپنی سیاہی کسے دکھلاتی ہے
کچھ میں لڑکا تو نہیں ہوں کہ دہل جاؤں گا
کوچۂ یار کا سودا ہے مرے سر کے ساتھ
پاؤں تھک کے ہوں ہرچند کہ شل، جاؤں گا
ضبطِ بے تابیِ دل کی نہیں طاقت باقی
کوہِ صبر اب یہ صدا دیتا ہے ٹل جاؤں گا
طالعِ بد کے اثر سے یہ یقیں ہے مجھ کو
تیری حسرت ہی میں اے حسنِ عمل جاؤں گا
چار دن زیست کے گزریں گے تاسّف میں مجھے
حالِ دل پر کفِ افسوس میں مل جاؤں گا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۵، نول کشور قدیم ص ۴۲، جدید ص ٦۵ -

شعلہ رُویوں کو نہ دکھلاؤ مجھے اے آنکھو !
موم سے نرم مرا دل ہے ، پگھل جاؤں گا
چھلّے گل کھانے کو ہوتے ہیں عنایت مجھ کو
گرمیاں ہیں جو یہی آپ کی ، جل جاؤں گا
حالِ پیری کسے معلوم جوانی میں تھا
کیا سمجھتا تھا کہ میں دو دن میں بدل جاؤں گا
وہی دیوانگی میری ہے ، بہار آنے دو
دیکھ کر لڑکوں کی صورت کو بہل جاؤں گا
شعر ڈھلتے ہیں مری فکر سے آج اے **آتش**
مر کے کل گور کے سانچے میں میں ڈھل جاؤں گا

۹۹

بتِ خورشید رُو نوروز کے دن میہماں ہوگا
خدا کے فضل سے برجِ شرف اپنا مکاں ہوگا
کہیں چھٹ بھی سکے آلائشِ تن روح سے یا رب !
کہاں تک اس خرابے میں یہ گنجینہ نہاں ہوگا
دہن میں تیرے دقّت ہووے گی دقّت پسندوں کو
تامّل مُوشگافوں کو کمر کے درمیاں ہوگا
پیمبر[ص] کو وسیلہ کر جو قرب اللہ کا چاہے
گزارا بام تک کس طرح سے بے نردباں ہوگا
حواسِ خمسہ دوری میں کسی کے منتشر ہوں گے
فراقِ دوستاں ہم سے نصیبِ دشمناں ہوگا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۶ ، نول کشور قدیم ص ۴۲ ، جدید ص ۶۶ -

عذابِ گور سے واعظ نہایت ہی ڈراتا ہے
ہمارے ساتھ پیوندِ زمیں کیا آسماں ہوگا

عداوت کی تو کیا حاصل نہ تھا معلوم اخواں کو
نکل کر چاہ سے یوسف[۴] عزیزِ کارواں ہوگا

ہوائے دہر اگر انصاف پر آئی ، تو سن لینا
گل و بلبل چمن میں ہوں گے ، باہر باغباں ہوگا

نہیں معشوق سا عاشق کا کوئی دوست دنیا میں
خدا سے کون بندے پر زیادہ مہرباں ہوگا

فضیلت خانۂ کعبہ کو ہے سارے مکانوں سے
کسی محبوبِ عالم کا یہ سنگِ آستاں ہوگا

فرو غصہ کیا جس نے ، پچھاڑا دیو کو اس نے
اسے رستم کہیں گے ہم جو ایسا پہلواں ہوگا

قدم بھاری ہمارا ہوگا ، ہم پر باغِ عالم میں
وہ ٹہنی پھٹ پڑے گی جس پر اپنا آشیاں ہوگا

نہیں اسرار سے آتش یہ پتلا خاک کا خالی
یہی وہ گرد ہے جس سے سوار آخر عیاں ہوگا

۱۰۰

کمرِ یار سے کھنچ کر ہوئی تلوار جدا
بے گناہوں سے کھڑے ہوویں گنہگار جدا

مرضِ عشق بھی ہے اور یہ آزار جدا
روٹھ کر عیسیٰ سے ہوتا ہوں میں بیمار جدا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۶ ، نول کشور قدیم ص ۴۲ ، جدید
ص ۶۶ ، بہارستان سخن ص ۳۸ -

موول لے کر ہم اسے اپنے گلے کو کاٹیں
کوئی قاتل کرے ابرو کی جو تلوار جدا
نہیں گفتار ہی عالم سے نرالی اس کی
طرزِ رفتار الگ ، بندش دستار جدا
ہاتھ گردن میں جو ڈالوں تو یہ کہتا ہے وہ گل
یا رب ! انساں کے گلے سے رہے یہ ہار جدا
حق تعالیٰ نے جو چاہا تو دکھا دے گی صنم
زلف سے پیچ تری لٹپٹی دستار جدا
سوزشِ عشق سے ہووے گی نفاق انگیزی
چار عنصر کو کرے گی یہ تپِ حار جدا
تنگ کرتی ہے قبا تجھ کو نہایت اے گل !
بند بند اس کا کرے گا یہ گنہگار جدا
شش جہت میں نہیں اس روے کتابی کا نظیر
معنی نو[1] ہیں ہر اک فقرے میں دوچار جدا
حالِ دل کہنے سے کٹتی ہے زباں شمع کی طرح
لب سے لب کیجو نہ اس بزم میں زنہار جدا
خانۂ یار کا سن رکھ یہ نشاں اے قاصد !
تیرے سائے سے کھڑی ہووے گی دیوار جدا
پیشگی دل کو جو دے لے وہ اسے تحصیلی
ساری سرکاروں سے ہے عشق کی سرکار جدا
بے بہا حسن کا اس کے نہ بنے گا سودا
میرے یوسف[۲] سے کھڑے ہوں گے خریدار جدا
ہو نہ ہم سر تری زلفوں سے بنفشہ سنبل
کس کے ہر پیچ میں اک دل ہے گرفتار جدا

۱ - بعض نسخوں میں ہے ”معنی تو ہیں ۔“

یہی رونا ہے جو ان خانہ خراب آنکھوں کا
بام سے در ہے جدا ، در سے ہے دیوار جدا
زندہ کو قتل کیا ، مردہ کو زندہ آتش
فتنۂ حشر سے ہے یار کی رفتار جدا

۱۰۱

[1]لبھاتا ہے نہایت دل کو خط رخسار جاناں کا
گھسیٹے گا مجھے کانٹوں میں سبزہ اس گلستاں کا
رواں رکھتا ہے خوں آنکھوں سے ہجر اک مہر تاباں کا
شفق آلودہ رہتا ہے ہلال اپنے گریباں کا
یہی جو آتش حسن بتاں کی گرم جوشی ہے
جلا ہندو کے مردے کی طرح زندہ مسلماں کا
حسینوں کو دیا دل جس نے ، اپنی جان پر کھیلا
روا رکھتے ہیں خوں یہ لوگ بے تقصیر انساں کا
گریباں گیر قاتل ہوں گے ہم فردائے محشر کو
ہمارا محضر خوں ہے ہر اک پاٹ اس کے داماں کا
لب و دنداں سے تیرے لعل و گوہر کو ہے کیا نسبت
نہ وہ ہم سنگ ہے لب کا ، نہ وہ ہم پلّہ دنداں کا
خط شب رنگ حجّت ہو گیا جو اس کی ظلمت پر
دہانِ یار کو سمجھا میں چشمہ آب حیواں کا
لکھے ہیں سرگزشت دل کے مضموں یک قلم اس میں
تماشہ قتل گہ کا ہے مطالع[2] میرے دیواں کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۴۶ ، طبع نول کشور قدیم ص ۴۳ ، جدید ص ۶۷ ، بہارستان سخن ص ۱ -
۲ - مطالع = مطالعہ - عوامی تلفظ نظم کیا ہے -

بہت سے بوسے لینے سے کیا کم ارتباط اس نے
یقیں ہے سیرخوری رتبہ کھو دیتی ہے مہماں کا
چھری صیّاد نے حلقومِ بلبل پر جو پھیری ہے
بنا ہے نخلِ ماتم ہر شجر میرے گلستاں کا
عدم کو باز گشتِ روح ہے اک روز ہستی سے
ارادہ بندہ رہا ہے مصر سے یوسف[۴] کو کنعاں کا
وہ جانے گا ہماری حالتِ دل ، جس نے دیکھا ہے
اشارہ ابروے پیوستہ سے برگشتہ مژگاں کا
نہیں کچھ دفترِ گل ہی میں لکّھی سرگذشت اس کی
شہادت نامۂ بلبل ہے ہر پتّا گلستاں کا
اٹھاوے نرگسِ شہلا نہ آنکھ اوپر اگر دیکھے
مرے مرزا منش کی آنکھ میں سرمہ صفاہاں کا
کیا ہے خانۂ زنجیر میں جو یاد صحرا کو
ہوا ہے دوربیں ہر ایک روزن میرے زنداں کا
پھنسے ہیں بسکہ دل سودا زدوں کے تیری زلفوں میں
ہر اک موے رسا پر ان کے عالم ہے رگِ جاں کا
عظیم الشان کوئی ، کوئی رفیع القدر لکھتا ہے
بلند اقبال ہے تو آستانہ تیرے ایواں کا
ہوا ہے تیری خوش چشمی کا شہرہ اے صنم ہر سو
عجب کیا اڑ کے پہنچے ہند تک سرمہ صفاہاں کا
قلم رو حسنِ عالمگیر کی یہ ربع مسکوں ہے
کہ و مہ ہفت کشور میں ہے تابع تیرے فرماں کا
خطِ نو رس نے دلوائے لبِ جاں بخش کے بوسے
دکھایا خضر[۴] نے **آتش** کو چشمہ آبِ حیواں کا

۱۰۲

[1]خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظّارہ ہو ایسے سنبلستاں کا
جگر خوں پان کھا کر کر چکے لعلِ بدخشاں کا
ملو مہندی جو پھیرا چاہتے ہو پنجہ مرجاں کا
دلِ صد پارہ کو سودا ہے اک گیسوے پیچاں کا
نگہباں افعیِ مسکیں ہے اس گنجِ شہیداں کا
خداؤ پنج تن کے عشق نے اس میں جگہ کی ہے
نگینِ دل پر اپنے نقش ہے مہرِ سلیماں[۴] کا
دل اس کا ہے خیالِ یار اگر تشریف فرما ہو
قدم آنکھوں کے اوپر ، سر کے اوپر ایسے مہماں کا
فتیلہ اس کا اس کی ناک میں دیتا ہوں میں مجنوں
مری دیوانگی دم بند کرتی ہے پری خواں کا
خیالِ تن پرستی چھوڑ ، فکرِ حق پرستی کر
نشاں رہتا نہیں ہے ، نام رہ جاتا ہے انساں کا
شبِ مہتاب میں منہ کھول کر وہ شوخ سوتا ہے
ستارہ آج کل چمکا ہوا ہے ماہِ تاباں کا
کہاں جاتی ہے یہ ہرچند بھاگے شوقِ منزل سے
ہمیں آگے ہیں جب پیچھا کیا عمرِ گریزاں کا
خوشا حال اس کا امداد جنوں سے جو برہنہ ہے
گریباں گیر ہے کوئی نہ دامن گیر عریاں کا
جمالِ یار نے جو نقش اپنا اس میں بٹھلایا
دلِ مشتاق پر عالم ہوا یوسف[۴] کے زنداں کا

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۷ ، نول کشور قدیم ص ۳۳ ، جدید ص ۲۸ ، بہارستان سخن ص ۴ ۔

معطّل ہیں اطبّا ، سن کے بیمار اچھے ہوتے ہیں
فسانہ تیرے عنّاب لب و سیبِ زنخداں کا
جبیں پر اپنے افشاں کو جو اس محبوب نے چھڑکا
کتابی چہرے[1] نے نقشہ دکھایا لوحِ قرآں کا
پھرے رہتے ہیں مشتاقوں سے اپنے آج کل وہ بھی
ان آنکھوں پر بھی سایہ پڑ گیا برگشتہ مژگاں کا
ملال آیا اُدھر اس کو ، فنا تھا دم ادھر اپنا
بلائے جاں خفا ہونا ہے خوش اسلوب انساں کا
رخِ روشن ترا جو دیکھتا ہے وہ یہ کہتا ہے
سحر کو کوئی منہ دیکھے تو ایسے مہرِ تاباں کا
زباں سے اس کے افسانہ دہانِ یار کا سنتے
پیمبر[ؐ] سا کوئی ہوتا جو واقف رازِ پنہاں کا
اسی سے عاشق اس محبوب کی فریاد کرتے ہیں
شکوہِ حسن عالمگیر سے ہے رتبہ سلطاں کا
نشاں تیرا ان آنکھوں کی محبّت نے بتایا ہے
اُدھر پھر جاتے ہیں ہم ، رخ جدھر پھرتا ہے مژگاں کا
کنویں لبریز میں نے کر دیے ہیں ، ایسا رویا ہوں
خیال آیا ہے جو بے آبیِ چاہِ زنخداں کا
چمک جانے سے اس کے بند ہو ہو جاتی ہیں آنکھیں
یہ دھوکا برق دیتی ہے تمھارے روئے خنداں کا
سنا کرتا ہوں اس کو چھیڑ کر پاؤں سے میں مجنوں
مری زنجیر کا نالہ ہے افسانہ بیاباں کا

---

۱ - نول کشور کے دسویں ایڈیشن (۱۹۰۷ع) میں مصرع کی صورت یہ ہے : ''کتابی نقشے نے چہرہ دکھایا لوح قرآں کا'' -

کتابی چہرے کے نظارے سے آنکھیں منوّر ہوں
دلِ احباب کو کھینچے شکنجہ تیرے احساں کا

وہ بوسہ یار دیتا تھا جو دن کو رات پر ٹالا
لیا تھا صبح میں نے نام کس کنجوس انساں کا

بہار آئی ہے سائل ساغرِ مے کا ہو ساقی سے
چمن سرسبز ہیں آتش کرم ہے ابرِ باراں کا

۱۰۳

رُخ و زلف پر جان کھویا کیا
اندھیرے اجالے میں رویا کیا

ہمیشہ لکھے وصفِ دندانِ یار
قلم اپنا موتی پرویا کیا

کہوں کیا ہوئی عمر کیونکر بسر
میں جاگا کیا، بخت سویا کیا

رہی سبز بے فکر کشتِ سخن
نہ جوتا کیا میں، نہ بویا کیا

برہمن کو باتوں کی حسرت رہی
خدا نے بتوں کو نہ گویا کیا

مزا غم کے کھانے کا جس کو پڑا
وہ اشکوں سے ہاتھ اپنا دھویا کیا

زنخداں سے آتش محبّت رہی
کنویں میں مجھے دل ڈبویا کیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۸، نول کشور ادہم ص ۳۳، جدید ص ۶۹ -

۱۰۴

اگوش زد جس کے تمھاری چشم کا افسانہ تھا
آہوے مست اُس کی آنکھوں میں سگ دیوانہ تھا

شب جو آنکھوں کو خیالِ گیسوے جانانہ تھا
پنجۂ مژگاں کو حکمِ دستِ خشک شانہ تھا

خواب میں مجھ کو خیالِ نرگسِ مستانہ تھا
آنکھ کھولی تو لبالب عمر کا پیمانہ تھا

اے پری پیکر! نہ جب تک میں ترا دیوانہ تھا
یہ جو روشن ہے چراغِ حسن، بے پروانہ تھا

حسنِ عالمگیر چھپ سکتا چھپائے سے نہیں
پردے میں 'تو، کوچہ و بازار میں افسانہ تھا

اُٹھتے ہی تیرے دگرگوں ہو گیا رنگِ نشاط
جام خالی مے کدے میں سنگ ماتم خانہ تھا

واہ رے انداز و ناز، اللہ رے کبر و غرور
جان یاں جاتی رہی، واں نازِ معشوقانہ تھا

آج کل سے سلسلہ مہر و محبّت کا نہیں
عالمِ ارواح میں، میرا ترا یارانہ تھا

نیند اُڑ جاتی جو سنتا یار میرا حالِ دل
خوابِ شیریں تلخ کر دیتا، یہ وہ افسانہ تھا

بحث علمِ عشق کے قابل[۲] نہ تھا دونوں میں ایک
کوہکن بے مغز تھا، مجنوں جو تھا دیوانہ تھا

---

۱ - طبع علی بخش ص ۳۸، نول کشور قدیم ص ۴۴، جدید ص ۶۹ -
۲ - نسخہ نول کشور "بخت علم عشق" نیز طبع علی بخش "قاتل نہ تھا۔"

پردہ ہاے گوش تک سننے کو آ جاتی ہے جان
کس قدر دل چسپ حسنِ یار کا افسانہ تھا

حال پر اپنے توجّہ کی نظر تھی جن دنوں
آفتابِ ذرّہ پرور جلوۂ جانانہ تھا

جوہرِ جامِ جہاں بیں سن کے یہ روشن ہوا
بادۂ نیرنگ سے لبریز اک پیمانہ تھا

لعلِ لب[۱] دونوں تھے اے محبوب ! لعلِ شب چراغ
دانت جو تھا منہ میں تیرے گوہرِ یک دانہ تھا

مشقِ ناوک افگنی کرتا تھا جب وہ شمع رو
سیکڑوں ہی تودۂ خاکسترِ پروانہ تھا

مصحفِ روے حقیقت کی تلاوت سے کھلا
عشقِ معشوقِ مجازی ابجدِ طفلانہ تھا

ساقیا ! تعریف تیرے مے کدے کی کیا کروں
ساتھ کیفیّت کے تھا لبریز جو پیمانہ تھا

بسکہ رکھتا تھا ہر اک ان میں سے ہیرے کی چمک
جوہروں سے خنجرِ قاتل جواہر خانہ تھا

واہ ری نیرنگ سازیِ طلسمِ زندگی
محویت آنکھیں تھیں ، دل اللہ کا دیوانہ تھا

سایۂ بالِ ہما سے سرفرازی تھی حصول
بادشاہِ وقت زلفوں میں تمھاری شانہ تھا

بھول کر تجھ کو کسی مشکل میں کرتے یاد ہم
آشنا تھا تو ، سوا تیرے جو تھا ، بیگانہ تھا

---

۱ - نسخۂ لاہور میں یہ شعر موجود نہیں ہے -

روشنی دل میں تصوّر سے تھی حسنِ یار کے
گنج کی دولت سے مالا مال یہ دیوانہ تھا
حسن دے کر عاشقِ شیدا دیے اللہ نے
ان بتوں کو لازم **آتش** سجدۂ شکرانہ تھا

۱۰۵

[1]عشق کہتے ہیں اسے نیمچۂ ابرو کا
صورتِ زخم لہو تا دمِ آخر تھوکا
نشّے میں کرتا ہے کارِ دلِ وحشی وہ ُترک
آتش مے سے لگاتا ہے کباب آہو کا
دم فنا دیکھنے والوں کے کیا کرتا ہے
سیفی عامل کا اشارہ ہے تری ابرو کا
نگہِ لطف کی حسرت یہ سجھاتی ہے ہمیں
ڈھونڈھیے سرمہ ان آنکھوں کے لیے جادو کا
کہتے ہیں سنبلِ فردوس بھی شاعر اس کو
سلسلہ دور پہنچتا ہے ترے گیسو کا
رخِ ُپرنور کے سودے میں مسلماں ہوے زرد
خال کافر نے لہو خشک کیا ہندو کا
اس پری ُرو نے کھلایا ہے جو سرمہ ان میں
ُپتلیاں آنکھوں کی ُپتلا ہوئی ہیں جادو کا
کیا کہوں اس بتِ چینی کی صفا کا عالم
نام کو دخل نہیں سارے بدن میں ُمو کا
جان لے گا مری اس چشمِ سیہ کا سودا
ڈر چھلاوے کا بھی رکھتا ہے شکار آہو کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۴ ، نول کشور قدیم ص ۵۴ ، جدید ص ۷۰ -

خطّ پشتِ لبِ یار آنکھوں میں پھر جاتا ہے
دل کو لہراتا ہے سبزہ جو کنارِ جو کا

مصرعِ قد میں ترے یوں تو ہیں معنیِ بلند
اک لطیفہ ہے یہ اس میں کہ ہے دو پہلو کا

کیا کہوں آ گئی ہے نیند کس آسائش سے
مل گیا سر کو جو تکیہ ہے کسی زانو کا

سیرِ گلزار بہت کی، نہ لگا دل بے یار
خار اس خو کا نہ دیکھا نہ تو، گل اس بو کا

سارے نخلوں سے شرافت میں ہے بالا دستی
سرو شجرہ ہے مرے گل کے قدِ دل جو کا

تازہ ہو بادِ بہاری سے نہ بلبل کا دماغ
بوے گل پر جو پڑے سایہ تمھاری خو[1] کا

یہی شوق آنکھوں کو ہے سارے مہینے رہتا
ماہِ نو دیکھ کے منہ دیکھیے اس خوش رو کا

سرِ محفل نہ کر اس شوخ سے گستاخ اے شوق
چاہیے خلوت اسے وقت نہیں قابو کا

فکر کے زور سے باندھا نہیں جاتا آتش
ہاتھ آیا ہے جو مضمون بھی کسی بازو کا

۱۰۶

[2]ابدال سے ہوا نہ تو اوتاد[3] سے ہوا
اے جذبِ دل جو کچھ تری امداد سے ہوا

---

۱ - نول کشور قدیم میں "بلبل کا داغ" اور دوسرے مصرع میں "تمھاری جو کا" غلط چھپا ہے -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۴، نول کشور قدیم ص ۶۴، جدید ص ۷۰ -
۳ - نسخہ علی بخش "نہ تو اولاد سے ہوا" -

مومن سے بہتر اس کو سمجھتے ہیں اہلِ دل
کافر جو پیرِ عشق کے ارشاد سے ہوا
گل پر شرف ترا رخِ خوش رنگ لے گیا
قد کا بلند مرتبہ شمشاد سے ہوا
زلفوں کے دام دیکھ کے گل پھول جائے گا
بلبل کا سامنا نہیں صیّاد سے ہوا
تیرے الف سے قد نے کیا ہے جسے فقیر
مرشد وہی ہے فرقۂ آزاد سے ہوا
رونا بھلا دیا مجھے ابرو کے عشق میں
خنداں جو زخمِ تیغ کی بیداد سے ہوا
کس کس طرح کے ناز کیے جب ظہورِ عشق
حسن و جمالِ یار کی ایجاد سے ہوا
تیغِ قضا سے جب کہ نہ دیکھا کہیں بچاؤ
باہر کھڑا میں قلعۂ فولاد سے ہوا
اے موت ! روزِ حشر کرے گا نہ پھر نمود
نخلِ حیات قطع نہ بنیاد سے ہوا
فریاد رس جو داد نہ دے ، اس کی جو رضا
جس نے سنا وہ غش مری فریاد سے ہوا
میر اپنے باغ کی بھی نہ کرنے دی کفر نے
کارِ بہشت کوئی نہ شدّاد سے ہوا
عیسٰی نفس سے میرے یہ کہیو پیام بر !
نسیان کا مرض ہے تری یاد سے ہوا
تیرے ہی گنجِ حسن کے سودے میں چغد کو
شوقِ خرابہ کشورِ آباد سے ہوا

عاشق کو چن کے قتل نہ کیونکر کرے وہ شوخ
خوں بے گناہ کا نہیں جلّاد سے ہوا
تا کوے یار اشک بہا کر نہ لے گئے
نیکی کا اک عمل نہ بد اولاد سے ہوا
کیا کیا گناہ گار محبّت کیے ہیں قتل
کس کس کا سرنگوں مرے جلّاد سے ہوا
آتش جو بے ستون بنایا تو کیا کیا
شیریں کے دل میں گھر تو نہ فرہاد سے ہوا

۱۰۷

[1]کشتہ ہے گرم جوشیِ ہرجائی یار کا
مارا ہوا دل اپنا ہے فصلی بخار کا
نا فہمی کی دلیل یہ تکیہ ہے دار کا
منصور پر یقیں ہے مجھے ، نے سوار کا
بلبل کو سازوار ہو موسم بہار کا
عہدِ شباب مجھ کو مبارک ہو یار کا
رنگِ طلائی رکھتا ہے اندام یار کا
موے کمر کو رتبہ ہے سونے کے تار کا
پہنچا دیا عدم شبِ تارِ فراق نے
دکھلا دیا سواد ہمارے دیار کا
کرتا ہے مجھ سے ابلقِ ایّام شوخیاں
پہچانتا نہیں مگر آسن سوار کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۰ ، نول کشور قدیم ص ۳۶ ، جدید ص ۴۲ -

خاموشی میں بھی باقی ہے گویائی کا نشاں
طوطے کا پر ہے سبزہ ہمارے مزار کا
جلوے سے روے یار کے ہے دل میں روشنی
ماہِ چہاردہ ہے چراغ اس دیار کا
اللہ سے دعا ہے یہی عندلیب کی
گل چیں کے ہاتھ کے لیے کھٹکا ہو خار کا
عاشق نگاہِ ناز کے رہتا ہے سامنے
پھرتا نہیں ہے تیر سے منہ اس شکار کا
کشتہ تنک مزاجیِ محبوب کا ہوں میں
نازک ہے سنگ، شیشے سے میرے مزار کا
اہلِ صفا کی قدر نہیں کرتے تیرہ روز
روشن ہے حال آئینے سے زنگ بار کا
چلنا پڑے گا ملکِ عدم کو پیادہ پا
اس راہ میں نہیں ہے گزارا سوار کا
طلب نہیں ہے عاشقِ یوسف[۴] سے یار کو
وہ ترک آشنا نہیں زخمی شکار کا
آتش یہ کس کی چاہ کا دم مارتے ہو تم
وہ دل ربا ہے دشمنِ جاں دوست دار کا

۱۰۸

[۱]باغِ طلسم چہرۂ رنگیں ہے یار کا
رہتا ہے چار فصل میں موسم بہار کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۰ ، نول کشور قدیم ص ۴۷ ، جدید ص ۴۳ ، بہارستان سخن ص ۴۲ -

دامانِ زیں ’چھؤا ہے جو اُس شہسوار کا
ہے عرش پر دماغ ہمارے ’غبار کا
سودا ہوا ہے مرغِ جنوں کے شکار کا
پھندا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا
اس بادشاہِ حسن کے در کا فقیر ہوں
ظلِّ ’ہما سواد ہے جس کے دیار کا
پیری میں داغِ عشق نہ کیونکر عزیز ہو
بے فصل کا ثمر ہے یہ گل بے بہار کا
وعدہ خلاف یار سے کہیو پیام بر !
آنکھوں کو روگ دے گئے ہو انتظار کا
آتی ہے مجھ کو شہرِ خموشاں سے یہ صدا
تاریکیِ لحد ہے سواد اس دیار کا
فصلِ بہار آئی کہیں قطع ہو چکے
دامن سے سلسلہ یہ گریباں کے تار کا
دستِ علیؑ کی ضرب کا جنبش میں ہے اثر
ان ابروؤں میں معجزہ ہے ذوالفقار کا
بعدِ فنا ہے کوچۂ گیسو کی جستجو
سودا تو دیکھیو مرے مشتِ غبار کا
چلتی رہے چھری تری اے ’ترک صید پر
فوّارہ ’چھوٹتا رہے خونِ شکار کا
گیسو نے قربِ آئینۂ روئے یار سے
ڈانڈا ملا دیا ہے حلب سے تتار کا
پیچھے نہ پاؤں معرکۂ عشق سے ہٹے
تلوار کھا کے بوسہ لیا دستِ یار کا

باز آویں گے نہ مر کے بھی صورت کے عشق سے
آئینہ ہوگا سنگ ہمارے مزار کا
پھندے میں زلف یار کے جب سے پھنسا ہے دل
دیتا ہے صدمہ روح کو بستہ[1] شکار کا
بے یار داغ ہوتا ہے لالہ کو دیکھ کر
آتا ہے خوش کسے یہ شگوفہ بہار کا
پی کر شراب موسم گل میں ہوا میں مست
حاصل کیا پیادے نے رتبہ سوار کا
اس شمع رو کی بعد فنا بھی ہے جستجو
ہر ذرہ اک چراغ ہے اپنے غبار کا
آتش نہ پوچھ ہجر میں اک[2] نونہال کے
سوز دروں سے حال ہے کہنہ چنار کا

۱۰۹

[3]کریں گے افترا شاعر قبائے یار پر کیا کیا
بندھیں گے باندھنوں آس لٹ پٹی دستار پر کیا کیا
اندھیری رات میں ہوتے ہیں صدقے کبک آڑ آڑ کے
تمہارے چودھویں کے چاند سے رخسار پر کیا کیا
گیا ہوں بعد مدت کے جو میں دیوانہ صحرا میں
پڑی ہے آبلوں کی آنکھ نوک خار پر کیا کیا

---

۱ - نول کشور قدیم "روح کو صدمہ" غلط چھپا ہے -
۲ - بہارستان و نول کشور قدیم "ہجر میں اوس نونہال کے" -
۳ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۱ ، نول کشور قدیم ص ۴۷ ، جدید ص ۴۷ ، بہارستان سخن ص ۴۲ -

شبِ فرقت میں اس کانِ ملاحت کے تصوّر نے
نمک چھڑکا ہے زخمِ دیدۂ بیدار پر کیا کیا
نہ طاؤسوں کو یہ طرزِ روش آئی ، نہ کبکوں کو
قدم مارا نہ کس کس نے تری رفتار پر کیا کیا
سنگھا کر تو نے جو سیبِ ذقن اچھّا کیا اس کو
ہوا رشک اہلِ صحّت کو ترے بیمار پر کیا کیا
گیا وہ ماہ جو صبحِ شبِ وصل اپنے گھر میں سے
اداسی برسی ہے بام و در و دیوار پر کیا کیا
ہوا تجھ سے نہ عشق اے حسن کس کس کو زمانے میں
ستم تو نے کیے ہیں کافر و دیں‌دار پر کیا کیا
لبوں پر مسی و[1] پاں کیسے کیسے رنگ لائے ہیں
پسا ہے سرمہ تیری نرگسِ بیمار پر کیا کیا
صفا آئینے کی وہ چہرۂ محبوب رکھتا ہے
پھسلتی ہیں نگاہیں یار کے رخسار پر کیا کیا
کماں سے دی کبھی تشبیہ ہم نے ، تیغ سے گاہے
کہی ہیں پھبتیاں اس ابروے خم دار پر کیا کیا
فنا کی جان مصری کے عوض میں زہر کھا کھا کر
موے طوطی تری شیرینیِ گفتار پر کیا کیا
چمن میں جا کے رویا میں جو یادِ روے رنگیں میں
گری ہے اوس اشکوں سے مرے گلزار پر کیا کیا
مٹانے یادگاروں کو تری خنجر کی آیا تھا
مرے زخموں نے تھوکا مرہمِ زنگار پر کیا کیا

---

۱ - مِسی اور پان کے درمیان فارسی کا حرف عطف بھی دیدنی ہے ۔

چٹانے کو جو سنگ اے ترک اسے تو نے گھسیٹا ہے
شہادت خواہ پھڑکے ہیں تری تلوار پر کیا کیا
رکی واں بھی طبیعت بدگمانی سے محبّت کی
چمن میں گل سے کھٹکا ہوں میں قربِ خار پر کیا کیا
ہوا جو گوش زد افسانہ حسنِ یار کا آتش
ہماری رال ٹپکی شربتِ دیدار پر کیا کیا

۱۱۰

[۱]گلوں نے کپڑے پھاڑے ہیں قبائے یار پر کیا کیا
حنا پس پس گئی ہے دست و پائے یار پر کیا کیا
[۲]قبائے تنگ پر رکھے کلاہ کج جو دیکھا ہے
ہماری جان نکلی ہے ادائے یار پر کیا کیا
کیے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا
گلے کو کاٹ کر اپنے شہیدانِ محبّت نے
لہو کے گھونٹ گھونٹے ہیں حنائے یار پر کیا کیا
خیال آتا ہے اس خوش رو کو جو صورت نمائی کا
ہوئے ہیں آئینے حیراں صفائے یار پر کیا کیا
جزائے خیر دے خالق انھیں پان اور مسّی نے
دکھائے رنگ لعلِ بے بہائے یار پر کیا کیا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۴۸ ، جدید ص ۴۷ ۔
۲۔ کلیات طبع علی بخش میں یہ شعر دوسرے نمبر پر اور بعض نسخوں میں گیارھویں نمبر پر درج ہے ۔

کیا ہے ٹکڑے ٹکڑے آئنے کو پیشتر ہم نے
ہوا ہے رشک صورت آشنائے یار پر کیا کیا
سُجھا رکھا ہے احوالِ قیامت ہم نے آنکھوں کو
بندھے گی ٹکٹکی اپنی لقائے یار پر کیا کیا
رہا مجمع ہمیشہ عاشقانِ بے تحمّل کا
اڑے مفلس درِ دولت سرائے یار پر کیا کیا
کیا ہے اک جہاں دیوانہ اس کی جامہ زیبی نے
گریباں چاک ہوتے ہیں قبائے یار پر کیا کیا
کیا ہے خوش خرامِ ناز کا عالم جو دکھلا کر
ملیں ہیں ہم نے آنکھیں پشتِ پائے یار پر کیا کیا
اٹھانے دی نہ آنکھ اوپر شبِ وصل اس پری رُو کو
چڑھا ہے جِن مری ضد سے حیائے یار پر کیا کیا
نہیں آنے کا میرے بعد شانے کا خیال آتش
پڑیں گے پیچ گیسوئے رسائے یار پر کیا کیا

۱۱۱

[1]معاف ہووے گا جو کچھ کہ ہے قصور ہمارا
گناہ بخشے گا، اللہ ہے غفور ہمارا
ترے جمال کے نظارے سے ہوئے ہیں یہ روشن
زباں جو ہو کہیں آنکھیں تو ہے نور ہمارا
عدم سے شوق تمھارا کشاں کشاں ہے لے آیا
کہو تو شب یہیں رہ جائیں، گھر ہے دور ہمارا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۴۸ ، جدید ص ۷۵ ۔

اندھیری رات میں نکلے تو نورِ روز ہو شب میں
چراغِ خانہ ہے وہ رشکِ شمعِ طور ہمارا

شرابِ عشق نہ اک قطرہ بھی ٹپک کے بہے گی
ہزار شیشۂ دل ہووے چور چور ہمارا

فرار کرتے ہیں صورت سے تیری دل کے جو غم ہیں
نشاط و عیش ہمارا ہے تو سرور ہمارا

مآلِ کار کا دھیان آ گیا کہاں ہی روئے
گزر ہوا جو کبھی جانبِ قبور ہمارا

سمایا دیدۂ مشتاق میں وہ غیرتِ یوسف[۴]
پسند کس کو کیا واہ رے شعور ہمارا

کھلا یہ آپ کی آرائشِ جمال سے صاحب
حنائی ہاتھوں سے خون ہوگا بے قصور ہمارا

گئے جو ذروں میں اے رشکِ آفتاب تو اپنے
بہت ہے مرتبہ اتنا ترے حضور ہمارا

تمہارے تکیے سے یہ عرش پر دماغ ہے اپنا
تمہارے لطف و کرم سے ہے یہ غرور ہمارا

بہشت میں بھی نہ بے یار کے لگے گی طبیعت
مزاج پھیر سکے گا نہ حسنِ حور ہمارا

یہ حسن و عشق سے رسوائے ہم دگر ہوئے ہم تم
گناہ اس میں تمہارا، نہ کچھ قصور ہمارا

جو ساتھ چلنا ہے آتش تو باندھیے کمر اپنی
سفر زیارتِ کعبہ کو ہے ضرور ہمارا

۱۱۲

[1]مزا صیاد لوٹیں گے ہمارے شعرِ موزوں کا
نشیمن ہے ، قفس ہے ، آشیاں ہے مرغِ مضموں کا
رفیع القدر ہر مصرع ہے اپنی بیتِ موزوں کا
نہ ایسا طاقِ کسریٰ تھا ، نہ قصر ایسا فریدوں کا
چمن آئینہ ہے ، گل عکس ہے رخسارِ گلگوں کا
رہا جو سرو ، پرچھاواں ہے تیرے قدِ موزوں کا
تری دیوار کے سائے کو میں سر پر سمجھتا ہوں
جو دھیان آتا ہے خوش اقبالیِ بختِ ہمایوں کا
زباں سے اپنی تعریف اپنی آنکھوں کی وہ کرتے ہیں
لبِ معجز بیاں سے سنتے ہیں افسانہ افسوں کا
کہن سالی میں بھی الفت وہی ہے نوجوانوں کی
وہی عشق آج تک ہے مجھ کو حسنِ روز افزوں کا
زوالِ حسن میں تو لوٹ لینے دیجے کیفیت
بہار آخر ہے ، چلتا دور ہے صہبائے گلگوں کا
لبِ جاں بخش کی جنبش پہ ایما ہے اُن آنکھوں سے
تمہارے اور اپنے فرق ہے اعجاز و افسوں کا
نگہ میری نہیں مدِ نظر پر غیر کے پڑتی
وہ شاعر ہوں ، نہیں جو آشنا بیگانہ مضموں کا
قرار اس کو نہیں آتا ہماری بے قراری سے
زمانہ آئنہ ہے اپنے احوالِ دگرگوں کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۴۸ ، جدید ص ۷۶ -

سیہ شوخی سے اپنی ہوگی مہندی اُس پری 'رو کی
حنا پیدا کرے گی رنگ مجھ سودائی کے خوں کا
تلاش اے نو گلِ خنداں ہے تیری جس قدر مجھ کو
نہ ہوگا اس قدر شاعر بھی جویا تازہ مضموں کا
بنایا صبح سے تا شام ان کو آئنہ رکھ کر
بلا سے اس میں سودائی ہو کوئی زلفِ شب گوں کا
محبّت ہوتی ہے معشوق کو بھی عشقِ کامل سے
زمیں میں ساتھ قاروں کے گڑا ہے گنج قاروں کا
نشاط و عیش کا ساماں ہے تجھ بن مرگ کا ساماں
صدائے چنگ گولی، تیر ہے آوازہ قانوں کا
چمن کی سیر کو خورشید سے پہلے وہ 'ترک آوے
نسیمِ صبح سے آگے قدم ہو اس کے گلگوں کا
نہایت دل مرا دیدار کا قاتل کے بھوکا ہے
قضا دکھلا چکی منہ مجھ کو میرے تشنۂ خوں کا
گُھلا دے ہڈیاں سوزِ فراقِ یار جب چاہے
سگِ لیلیٰ کا حق ہے استخواں ہے جو کہ مجنوں کا
بنایا ہے زبس حکمت سے اپنی دستِ قدرت نے
وہ رخ جوشِ صفا سے رشک ہے قلبِ فلاطوں کا
جنوں لے چل عدم کو یاں بھی گھبراتا ہے دم اپنا
کیا ہے تنگ وحشت نے ہماری عرصہ ہاموں کا
مزا ملتا نہیں نعمت سے اپنی بد نصیبوں کو
نہ دیکھا لالۂ داغی کو اک دن نشّہ افیوں کا
صفا کے واسطے منجن وہ بت دانتوں میں ملتا ہے
خدا حافظ ہے آتش آبروے 'درِ مکنوں کا

۱۱۳

[1]تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا
ذرا سنبل کو لہرایا تو ہوتا

رخِ بے داغ دکھلایا تو ہوتا
گل و لالہ کو شرمایا تو ہوتا

چلے گا کبک کیا رفتار تیری
یہ اندازِ قدم پایا تو ہوتا

نہ کیوں کر حشر ہوتا دیکھتے ہم
قیامت قد ترا لایا تو ہوتا

بجا لاتے اسے آنکھوں سے اے دوست !
کبھی کچھ ہم سے فرمایا تو ہوتا

تری صورت سے ہنسنا تھا نہ لازم
گلوں نے منہ کو بنوایا تو ہوتا

اکڑنا بھول جاتے سرو و شمشاد
یہ قد بوٹا سا دکھلایا تو ہوتا

کہے جاتے وہ سنتے یا نہ سنتے
زباں تک حالِ دل آیا تو ہوتا

صنوبر سے جو کرتا قد کشی تو
نہ گڑ جاتا تو پتّایا تو ہوتا

سمجھتا یا نہ اے آتش سمجھتا
دلِ مضطر کو سمجھایا تو ہوتا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۳ ، نول کشور قدیم ص ۹۳ ، جدید ص ۷۷ -

۱۱۴

[1]سامنا تجھ سے جو اے ناوک فگن ہو جائے گا
چوکڑی کو بھول کر تودہ ہرن ہو جائے گا

نام تیرا جس کو ورد اے گل بدن ہو جائے گا
غنچۂ گل کی طرح خوشبو دہن ہو جائے گا

موسم گل میں بدن کو کپڑے پھاڑے کھائیں گے
دھجّیاں لینے کے قابل پیرہن ہو جائے گا

تیرے آنے کی چمن میں ہوگی ہر گل کو خوشی
سرخ تر لالہ سے رنگ یاسمن ہو جائے گا

حسن کا عالم دکھاوے گی مجھے سیر چمن
چشم نرگس ، گوش گل ، غنچہ دہن ہو جائے گا

عشق شیریں میں عبث دونوں کو ہے آپس میں رشک
کوہ کن خسرو نہ خسرو کوہ کن ہو جائے گا

خلعت شاہی نہیں اے بو الہوس ! تشریف عشق
جس نے پہنا اس کو یہ جامہ کفن ہو جائے گا

بعد مردن بھی رہے گا شوق عریانی مجھے
روح کو جسم مثالی پیرہن ہو جائے گا

ہم کنار اک دن مری تمثال ہوگی یار سے
آئنہ جوش صفا سے وہ بدن ہو جائے گا

پھاڑ کر پیوند میں مجنوں کروں گا ہر برس
پیرہن درویش کا دلق کہن ہو جائے گا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۳ - ۵۴ نول کشور قدیم ص ۴۶ - ۵۰ جدید ص ۷۷ ، بہارستان سخن ص ۲۲ تا ۲۴ -

چشم کے چشموں میں ان کا اتّفاق اچّھا نہیں
اشک کے قطروں سے دریا موج زن ہو جائے گا

موت کے آنے کی ہوگی اس قدر شادی مجھے
پھٹ کے اترے گا شکنجہ پیرہن ہو جائے گا

روے بت پر آنکھ میری طرح رغبت کی نہ ڈال
سامنا قصّاب کا اے برہمن ہو جائے گا

سکّۂ داغ وفا اک دن مرے کام آئیں گے
عشق کے بازار میں ان کا چلن ہو جائے گا

مدّعی کیا تشنۂ دیدار ہوویں گے ترے
آب زہرہ دیکھ کر چاہِ ذقن ہو جائے گا

چار دن ہے گرمِ بازارِ شباب اے نونہال!
کوڑیوں کے مول یہ سیبِ ذقن ہو جائے گا

شاعروں کے کہنے پر اترا نہ اے گیسوے یار!
عنبرِ سارا نہ تو مشکِ ختن ہو جائے گا

خط کے آنے کی خبر تھی روے رنگیں پر کسے
کیا سمجھتا تھا میں خارستاں چمن ہو جائے گا

دخترِ رز ہوگی حلقے میں ہمارے بے نقاب
خلوتی کو اشتیاقِ انجمن ہو جائے گا

دم فنا اپنا کرے گا کوہکن سر پھوڑ کر
غمزۂ شیریں فریبِ پیر زن ہو جائے گا

ہر گھڑی ہر دم ترقی ہے جمالِ یار کو
روح سے بہتر لطافت میں بدن ہو جائے گا

وجد ہوگا ہر شجر کو دیکھ کر اس کی بہار
لالۂ غربت مرا داغِ وطن ہو جائے گا

دم میں دم جب تک ہے ، چھٹنے کا نہیں میں یار سے
میرے اس کے اتّفاقِ روح و تن ہو جائے گا

قفلِ بے مفتاح کا عالم کرے گی خامشی
مثلِ ماہی بے زباں اپنا دہن ہو جائے گا

منزلِ مقصود دکھلا دے گی توفیقِ ازل
دوست دشمن ہوں گے ، رہبر راہ زن ہو جائے گا

یار مہماں ہوگا آتش ، وصل کی شب آئے گی
خانۂ شادی مرا بیت الحزن ہو جائے گا

۱۱۵

[1]ہلالِ عید ہے اے یارِ جانی نعل ماتم کا
نہیں ہے غرّۂ شوّال ، عشرہ ہے محرّم کا

نہ رکھی دولتِ دنیا کی خواہش خاکساری نے
خدا نے کر دیا حاکم مجھے اکسیرِ اعظم کا

تصوّر یار کے دنداں کا ، ہیرے کا نگینہ ہے
ہماری آنکھ کا حلقہ جو ہے ، حلقہ ہے خاتم کا

حیائے حسن کی عفّت کو لعلِ یار سے پوچھو
مسیحا سا ہے شاہد پاک دامانیِ مریم کا

شکستوں پر شکستیں چوٹ پر کھائی ہے چوٹ اس نے
کھلونا ہے ہمارا دل ، تری طفلی کے عالم کا

تصوّر سے اسے ایوانِ دل میں مَیں لگاؤں گا
صفا سے پیکرِ یار آئنہ ہے قدِ آدم کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۴ ، ۵۵ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۰ ، جدید ص۷۸، بہارستان سخن طبع اول ص۱۵ : "بحر ہزج سالم ارکانہ مفاعلن ہشت بار" -

جنازہ ہو چکا تیّار اے سروِ رواں اپنا
شگوفہ پھولنا باقی رہا ہے نخلِ ماتم کا

ہوائے فصلِ گل بھڑکا رہی ہے آتشِ گل کو
چمن میں کر رہا ہے کارِ روغن آب شبنم کا

خموشی قتل کرتی ہے صنم ! للہ گویا ہو
لبِ جاں بخش پر ہوتا ہے شک عیسیِ بے دم کا

ہوا ہوں مو سے[1] لاغر میں پڑے ہیں آنکھوں میں حلقے
پریشاں کر رہا ہے حال سودا زلفِ پُر خم کا

چرانے سے نہ ہوگی دیو کے زیرِ نگیں کشور
تصرّف[2] ہے تو انگشتِ سلیماں میں ہے خاتم کا

چمن میں جا نکلتا ہوں جو بے اس حورِ جنّت کے
حرارہ آتشِ گل لاتی ہے نارِ جہنّم کا

عتابِ یار سے رنگِ رخِ مریخ اڑتا ہے
نگاہِ خشمگیں کرتی ہے زہرہ آب رستم کا

بلائے جاں ہوا تیرا بگاڑ اے مایۂ شادی !
بنایا کاہشوں نے ہجر کی پُتلا مجھے غم کا

وہ بت بھی راہِ مولا دے اگر بوسے تو بہتر ہے
سخاوت سے زمانے میں ہے ذکرِ خیر حاتم کا

تری ابرو کا دل اے تُرک کشتہ ہو زہے طالع
خوشا حال اس کا جو چورنگ ہو اس تیغِ خوش خم کا

---

۱ - بہارستان سخن "موسے" کے بجائے "مو سا" ہے۔
۲ - کلیات طبع علی بخش نیز نول کشور طبع قدیم اور بہارستان سخن "تکلف ہے تو" بعض نسخوں میں اسے "تصرف" بنا دیا گیا ہے اور شاید یہی صحیح ہے۔

فقیری نے دیا ہے رتبہ اعلیٰ بادشاہی سے
دو عالم بیں مرا دل ہے ، جہاں بیں جام تھا جم کا
بھر آیا زخمِ دل منہ چومنے سے یارِ جانی کے
نہ تھا معلوم شہدِ لب اثر رکھتا ہے مرہم کا
نگاہِ زہر آلودہ سے ان کا یہ اشارہ ہے
کہاں تریاق سے تصفیہ ہو سکتا ہے اس سم کا
ترے در کی فقیری کو شرف ہے بادشاہی پر
گواہ اس قول کا ہے حال ابراہیمِ ادہم کا
کفِ افسوس مل مل کر گریباں چاک کرتا ہوں
خیال آتا ہے اے رشکِ پری جب تیری محرم کا
لہو پانی کیا ہے شوق نے اس کعبہ کو کے
ہمارے دیدۂ تر پر ہے عالم چاہِ زمزم کا
زبانِ پاک اگر پیدا کرے انسان اے آتش
ہر اک نامِ الٰہی میں اثر ہے اسمِ اعظم کا

۱۱۶

[1]مر گئے پر نہ اثر حبِّ شفا کا دیکھا
دردمندوں نے ترے منہ نہ دوا کا دیکھا
تیرے پھرتے ہی اداسی سی چمن پر چھائی
رنگ بے رنگ گلستاں کی ہوا کا دیکھا
گورے منہ کی ترے یاد آئی سنہری افشاں
لوحِ سیمیں پہ اگر کام طلا کا دیکھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۵ ، ۵۶ ، نول کشور قدیم ص ۵۱ ، جدید ص ۷۹ -

سامنے آئنہ رکھتے تو غش آ آ جاتا
تم نے انداز نہیں اپنی ادا کا دیکھا

دست و پا یار کے چوموں گا یہ تحفہ دے کر
نوچتا ہوں جو کہیں پیڑ حنا کا دیکھا

نازِ معشوق سے غمزے میں زیادہ نکلی
آئی جب راستہ برسوں ہی قضا کا دیکھا

جامہ زیبی ترے اندام کے اوپر ہوئی ختم
تجھ کو پہنا کے جو انداز قبا کا دیکھا

تیری درگاہ کا اللہ رے جلال اے شہِ حسن!
عرش پر ہم نے دماغ اس کے گدا کا دیکھا

پھانسی دینے میں احبّا کے نہ کوتاہی کی
حوصلہ ہم نے تری زلفِ رسا کا دیکھا

اے شہِ حسن! کبھی دھوپ میں نکلا ہے جو تُو
سر کے اوپر ترے سایہ ہے ہُما کا دیکھا

پھر گئیں آنکھیں ہماری طرفِ کوچۂ یار
جانبِ کعبہ جو رخ قبلہ نما کا دیکھا

ہر ستارے سے لڑی آنکھ، ہر اک گل سونگھا
تھا تماشا جو کچھ اس ارض و سما کا دیکھا

ذرّے کی طرح سے ہم نے بھی لڑائیں آنکھیں
رخ جب اپنی طرف اُس ماہ لقا کا دیکھا

جوہرِ لوح کیے نشّۂ مے نے روشن
ٹوٹتے ہم نے طلسم ان کی حیا کا دیکھا

سیر بت خانے کی جب تک کہ نہ کی تھی ہم نے
کارخانہ ہی نہ تھا شانِ خدا کا دیکھا

سرو و شمشاد و صنوبر کو نہیں کچھ نسبت
قدِ بالا کو ترے ہم نے بلا کا دیکھا
التجا کرتا ہوں اللہ سے وصلِ بُت کی
ہاتھ اٹھائے جو محل میں نے دعا کا دیکھا
روے گل دیدۂ بلبل سے گرا اے محبوب!
رنگ مہندی سے جو تیرے کفِ پا کا دیکھا
چکھ کے یاقوتیِ لب کو ترے بے خود ہوئے ہم
نشّہ معجون میں مئے ہوش ربا کا دیکھا
کوے قاتل کا تماشا اسے دکھلا آتش
گرم جس نے نہ ہو بازار فنا کا دیکھا

۱۱۷

[1] سَودے میں ترے دھیان نہیں سُود و زیاں کا
مُطلق جو پس و پیش ہو ارزان و گراں کا
دل سے یہ دمِ فکر ہے قول اپنی زباں کا
بے خونِ جگر کھائے نہیں لطف بیاں کا
فصدوں سے تو سودا نہ گیا حسنِ بیاں کا
دانتوں سے مگر کاٹنا باقی ہے زباں کا
عقدہ کھلے اس گل کے جو غنچہ سے دہاں کا
موہوم سمجھتا ہوں قصور اپنے گماں کا
شک ہے کمرِ یار کے اوپر رگِ جاں کا
کیسی رگِ گل ، رشتۂ باریک کہاں کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۶ ، بہارستان سخن طبع اول ص ۴۲ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۲ ، جدید ص ۸۰ -

منہ تم نے شبِ وصل میں کس واسطے ڈھانکا
بے جا نہ کرو ناز یہ غمزہ ہے کہاں کا
تشبیہ نئی دوں ترے گیسوے رسا کو
اترا ہوا چِلّہ کہوں ابرو کی کماں کا
لہرا کے نہ الجھے مژۂ یار سے گیسو
سوزن نہیں دے سکتی ہے زنجیر میں ٹانکا
اک تُرک کے ابرو کے اشارے کا ہوں بندہ
درکار[1] مرے گوش میں ہے حلقہ کماں کا
فرقت میں تری صبر نہیں ہونے کا مجھ سے
بوجھ اٹھے گا سینے سے نہ اس سنگِ گراں کا
قد سرو ہیں، رخسار ہیں گل، آنکھیں ہیں نرگس
رفتار میں عالم ہے تری باغِ رواں کا
تفتیش جو کرتے ہیں مری حالتِ دل کی
در پردہ پتا پوچھتے ہیں تیرے مکاں کا
سودا زدوں کی طرح کیا کرتے ہیں باتیں
بے قصد گزارا نہیں اب اپنی زباں کا
پرساں جو ترے حسن کے عالم کا ہے مجھ[2] سے
مشتاق ہے موسیٰ[2] سے تجلّی کے بیاں کا

---

۱ - بہارستان سخن میں یہ مصرع غلط چھپا ہے:
''درکار میری گوشہ میں چلہ ہے کماں کا''
۲ - کلیات طبع علی بخش میں ہے ''پرساں جو ترے حسن کے عالم کا ہے تجھ سے'' لیکن دوسرے میں موسیٰ سے تجلی کے بیاں کا اشتیاق چاہتا ہے کہ ''تجھ سے'' کے بجائے ''مجھ سے'' ہو جیسا کہ بہارستان سخن طبع اول میں ہے۔

اک آبلہ پک پک کے خموشی سی ہوئی ہے
کیا شعر کہوں ، قافیہ ہے تنگ زباں کا

زیبندہ سخن گویوں میں ہے خواجگی ہم کو
ہے لطفِ بیاں نام غلام اپنی زباں کا

غنچہ نہ دہن ہے ، نہ رگِ گل وہ کمر ہے
اندیشۂ باطل ہے ترے[1] وہم و گماں کا

پیری میں بھی دل سے نہ مٹے داغِ محبّت
گل صبح کو بھی ہو نہ چراغ اپنے مکاں کا

رخ پھیر لیا ، بوسہ طلب کرتے ہی ، ہم سے
کیا حوصلہ ہے تنگ ترے تنگ دہاں کا

کھودی گئی کوچے میں ترے قبر ہماری
دروازہ کھلا اپنے لیے باغِ جناں کا

طوفاں نہ کر اے گُل مجھے ہنس ہنس کے نہ رلوا
بھاری ہے چمن پر قدم اس آبِ رواں کا

بے مثل ہے ، یکتا ہے جو تصویر ہے اس کی
کھینچا ہوا کس کا یہ مرقّع ہے جہاں کا

دنیا کے خرابے میں نہ گھر جس نے بنایا
جنّت میں نہ نکلے گا جواب اس کے مکاں کا

لطفِ دو جہاں حسن سے ہے یار میں میرے
چہرہ ہے پری کا تو بدن حورِ جناں کا

جاں بر ہو کوئی عشق کے آزار سے کیوں کر
آخر میں دق ، اول میں مرض ہے خفقاں کا

---

۱ - بہارستان سخن : ''مرے وہم و گماں کا'' ۔

بنیاد فسادوں کی ہے آغاز سے اس کے
انجام قیامت ہے جہان گزراں کا
پیری[1] میں جوانی کے کہاں چہچہے **آتش**
اب اپنی غزل خوانی ہے غل برگِ خزاں کا

۱۱۸

[2]سر سے حاضر منقبت میں بے تامّل ہو گیا
مدحِ حیدر[4] سے کمیتِ خامہ ’دلدل ہو گیا
زلفِ پیچاں سے پریشان حالِ ’سنبل ہو گیا
گل ترے آگے چراغِ لالہ و گل ہو گیا
جام بھرتے بھرتے خالی شیشۂ ’مل ہو گیا
مجلسِ جمشید برہم ہو چکی، ’قل ہو گیا
انتہائے شوق ہے اب صبر کی طاقت کہاں
ابتدائے عشق میں چندے تحمّل ہو گیا
لے لیا جس نونہالِ حسن نے بوسہ دیا
رزق اپنا میوۂ باغِ توکّل ہو گیا
کون ہے جو اس کی جانب کو کھنچا جاتا نہیں
حسن کی دولت سے وہ بت[3] مرجعِ کُل ہو گیا

---

۱ - ناسخ کی غزل ہے: ”ہے کیا ہی اثر خوبی ابرو کے بیان کا۔“
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۶، ۵۷، بہارستان سخن ص ۱۱ - نول کشور قدیم ص ۵۲، جدید ص ۸۰ - ناسخ کی غزل ہے: ”وصل کے ایام میں وہ شور قلقل ہو گیا۔“
۳ - بہارستان سخن ”کل مرجع کل ہو گیا۔“

نورِ شمع و رنگ گل دیکھا جو روے یار میں
گاہ پروانہ بنا میں ، گاہ بلبل ہو گیا

مرغِ دل مارا پڑا چشمِ سیاہِ یار سے
پنجۂ مژگاں اسے شاہیں کا چنگل ہو گیا

تو نے رکھوائی جو کاکل اے بتِ بالا بلند
طرۂ شمشاد باغِ حسن سنبل ہو گیا

جب وہ شاہِ حسن نکلا گرد و پیش اس کے رہے
عشق بازوں سے سواری کا تجمل ہو گیا

کافروں کو زلف کے زنار سے پھانسی ملی
مومنیں کا مصحفِ رو سے ترے 'قل ہو گیا

تیرے آنے کی خوشی نے کر دیا یہ رنگ سرخ
ٹھیک بلبل کے بدن پر جامۂ گل ہو گیا

بے تکلف بند کھولوں گا قباے یار کے
جامے سے باہر جو شوقِ بے تامل ہو گیا

بسکہ انگشتِ حنائی میں رہا تھا مدتوں
لالۂ بے داغ چھلے کا ترے گل ہو گیا

بڑھتے بڑھتے تا کمر پہنچے وہ موے مشک بو
رفتہ رفتہ مغز سر، سوداے کاکل ہو گیا

جوش پر آیا جو ہجرِ یار میں دریاے اشک
تہ ہوا سطحہ[1] زمیں کا ، آسماں پل ہو گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش اور بہارستان سخن میں "سطحہ زمیں کا" - کلیات طبع نول کشور قدیم (ص ۵۲) میں بھی یہی ہے لیکن ایک نسخے میں اسے "سطح" لکھا گیا ہے - ظاہر ہے 'سطحہ زمیں کا' غلط ہے - شاید "صفحہ" ہو ، "سطح زمیں کا" تو کچھ عجیب ہے - کلیات طبع نول کشور ۱۹۲۹ع ، ص ۸۱ -

خط نکلنے پر صفا چاہیے جو یار آتش کہاں
صاف ہونے میں ہمارے اب تامّل ہو گیا

۱۱۹

[1]ہاتھ سے تیرے ہی لکھتّی ہے جو اے قاتل ! قضا
زندگی سے تنگ ہیں ہم بھی ، رضینا بالقضا

زندگی میں کر دیا ہے مجھ کو مردہ عشق نے
میری قبضِ روح کو آتی ہے لا حاصل قضا

خوابِ غفلت میں نہ کھو ہنگامِ پیری رائگاں
چونک ، ہوتی ہے نمازِ صبح اے غافل ! قضا

دل نہ دوں گا پیشتر سے دے چکا ہوں یار کو
جان حاضر ہے ، جو مجھ سے ہوتی ہے سائل قضا

بے گنہ جلّاد سے پھروائی گردن پر چھری
کر چکی تیرے شہیدوں میں ہمیں داخل قضا

بزمِ دنیا سے اٹھاتی ہے تو غم اس کا نہیں
عالمِ ارواح کی دکھلائے گی محفل ، قضا

عشق کا صدمہ نہیں اٹھ سکنے کا معشوق سے
پہلے مجنوں سے کرے گی لیلیِ محمل قضا

عاشقِ حسنِ بتاں سنتی ہے برسوں سے مجھے
دق کرے گی خون تھکوا کر بنے گی سل ، قضا

نزع کی ایذا سے ہو جاوے گی اک دم میں نجات
سہل کر دے گا خدا ہر چند ہو مشکل قضا

میں اسے بھولا ہوا ہوں ، وہ مجھے بھولی نہیں
میں تو غافل ہوں مگر مجھ سے نہیں غافل قضا

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۵۷ ،کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۲
جدید ص ۸۲ ۔

پاس اپنے وعدے کے اوپر سمجھتا ہوں اسے
دور ہو ہر چند مجھ سے سیکڑوں منزل قضا
حسن سے اک شمع رو محبوب کے ہے دل کو عشق
مثلِ پروانہ سمجھتا ہوں سرِ محفل قضا
آج کل ہوتا ہے سوزِ عشق سے جل جل کے خاک
کھیلتی ہے شمع ساں سر پر ترے اے دل قضا
بہرِ قبضیِ روح آتش حور بن کر آئے گی
عشق بازی میں اگر سمجھی تمھیں کامل قضا

۱۲۰

''طرّہ اسے جو حسنِ دل آزار نے کیا
اندھیر گیسوے سیہِ یار نے کیا
گل سے جو سامنا ترے رخسار نے کیا
مژگاں نے وہ کیا کہ جو کچھ خار نے کیا
ناز و ادا کو ترک مرے یار نے کیا
غمزہ نیا یہ ترکِ ستم گار نے کیا
افشاں سے کشتہ ابروے خم دار نے کیا
جوہر سے کام یار کی تلوار نے کیا
قامت تری دلیل قیامت کی ہو گئی
کام آفتابِ حشر کا رخسار نے کیا
میری نگہ کے رشک سے روزن کو جان دی
رخنہ یہ قصرِ یار کی دیوار نے کیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۷ ، ۵۸ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۳ ، جدید ص ۸۳ -

سودائے زلف میں مجھے آیا خیالِ رخ
مشتاق روشنی کا شبِ تار نے کیا

حسرت ہی بوسۂ لبِ شیریں کی رہ گئی
میٹھا نہ منہ کو تیرے نمک خوار نے کیا

فرصت ملی نہ گریے سے اک لحظہ عشق میں
پانی مرے لہو کو اس آزار نے کیا

سیماب کی طرح سے شگفتہ ہوا مزاج
اکسیر مجھ کو میرے خریدار نے کیا

قد میں تو کر چکا تھا وہ احمق برابری
مجبور سرو کو تری رفتار نے کیا

حیرت سے پا بہ گل ہوئے روزن کو دیکھ کر
دیوار ہم کو یار کی دیوار نے کیا

پتھر کے آگے سجدہ کیا تو نے برہمن
کافر تجھے ترے بتِ پندار نے کیا

کاوش مژہ نے کی رخِ دلبر کی دید میں
پارے نگاہ سے بھی خلش[۱] خار نے کیا

عاشق کی طرح میں جو لگا کرنے بندگی
آزاد داغ دے کے خریدار نے کیا

اعجاز کا عجب لبِ جاں بخش سے نہیں
پیغمبر اس کو مصحفِ رخسار نے کیا

طرّے کی طرح سے دلِ عاشق کو پیچ میں
کس کس لپیٹ سے تری دستار نے کیا

۱۔ خلش، مذکر باندھا ہے۔

آنکھوں کو بند کرکے تصوّر میں باغ کے
گلشن قفس کو مرغِ گرفتار نے کیا
نالاں ہوا میں اس رخِ رنگیں کو دیکھ کر
بلبل مجھے نظارۂ گلزار نے کیا
ہکلا کے مجھ سے بات جو اس دل ربا نے کی
کس حسن سے ادا اسے تکرار نے کیا
الٹا اُدھر نقاب تو پردے پڑے ادھر
آنکھوں کو بند جلوۂ دیدار نے کیا
لذّت کو ترک کر تو ہو دنیا کا رنج دور
پرہیز بھی دوا ہے جو بیمار نے کیا
ناصاف آئنہ ہو تو بد تر ہے سنگ سے
روشن یہ حال ہم کو جلا کار نے کیا
حلقے کی نافِ یار کے تعریف کیا کروں
گول ایسا دائرہ نہیں پرکار نے کیا
دیوانِ حسنِ یار کی آتش جو سیر کی
دیوانہ بیتِ ابروے خم دار نے کیا

۱۲۱

[۱]ہشیاری رنج دیتی ہے قیدِ فرنگ کا
دیوانگی نشانہ بناتی ہے سنگ کا
سودائی ہے جو تیرے خطِ سبز رنگ کا
رہتا ہے اس کو آٹھ پہر نشہ بنگ کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۸ ، ۵۹ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۳ ، جدید ص ۸۳ ۔

اللہ رے دماغ بتِ شوخ و شنگ کا
نازک مزاج شیشے سے پُتلا ہے سنگ کا

دریاے حسن چہرہ ہے اس شوخ و شنگ کا
مژگاں نہیں ہے، ارّہ ہے پشتِ نہنگ کا

کلمہ پڑھیں گے دونوں مرے خانہ جنگ کا
زاغِ کماں ہو اس میں کہ طوطا تفنگ کا

مہماں بہارِ باغ ہے دو چار روز کی
چندے ہے دور دورِ شرابِ فرنگ کا

غیرت کا کوے عشق و جنوں میں گزر نہیں
ہوتا ہے تنگ حوصلہ یاں عار و ننگ کا

صوفی ہیں، دورِ جام ہے، جوشِ بہار ہے
خرقے ہیں اور داغ مئے لالہ رنگ کا

اے بت! خدا کے واسطے دل کو نہ سخت کر
اس کعبے میں ضرور نہیں فرش سنگ کا

معجون آب و گل ہی سے رہتے ہیں مست ہم
کس کو دماغ ہے مئے یاقوت رنگ کا

سنتا ہوں تختہ پھولا ہے نرگس کا باغ میں
آنکھیں لڑائیے جو ارادہ ہو جنگ کا

مرغِ چمن کے نالوں سے ہے یہ صدا بلند
قابل ہے دید کے یہ طلسم آب و رنگ کا

رتبہ ہے پست تختِ سلیماں کا اے پری!
پایہ بہت بلند ہے تیرے پلنگ کا

وحدت پسند ہے تو زمانے سے کر گریز
یک رنگ آشنا نہیں ہوتا دو رنگ کا

تیار رہتی ہیں صفِ مژگاں کی پلٹنیں
رخسارِ یار ہے کہ جزیرہ فرنگ کا
چھرّوں سے کم نہیں شررِ آہِ آتشیں
طاؤسِ آسماں ہے شکار اس تفنگ کا
زورِ کماں ہے ابروئے خم دارِ یار میں
موئے مژہ میں توڑ ہے تیرِ خدنگ کا
رخسار صاف چاہیے نظّارے کے لیے
آئنہ ہو، حلب کا ہو یا ہو فرنگ کا
وہ چشم گھات میں دلِ پُر داغ کے نہیں
آہو کو ہے ارادہ شکارِ پلنگ کا
بعدِ فنا بھی رنگِ طبیعت نہ جائے گا
تربت سے میری پَر آگے گا پتنگ کا
یوسف کے حسن کے ہیں جو ہیں[1] کارواں میں مست
نالہ سرود کا ہے انھیں شور زنگ کا
ساقی نہ قطع سلسلۂ دورِ جام ہو
مطرب نہ تار ٹوٹے اب آوازِ چنگ کا
دو[2] مصقلی دو ابروئے خم دارِ یار تھے
دھبّا لگا نہ آئنۂ رخ کو زنگ کا
میری طرح ہوئی نہ ہو بیمار چشمِ یار
کھلتا نہیں سبب کچھ اجل کے درنگ کا
اس گنبدِ سپہر کو میں کیا کروں گا یاد
آتش ہمیشہ رنج رہا گورِ تنگ کا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش میں ''یوسف کے حسن کے جو ہیں کارواں میں مست'' ہے ۔
۲ ۔ نول کشور ''جو مصقلی ۔''

۱۲۳

[1] مِس کیا عجب طلا اگر اکسیر سے ہوا
کم ہے جو کچھ کہ صاحبِ تاثیر سے ہوا
قابو میں یار عشق کی تاثیر سے ہوا
کیا حسنِ اتفاق یہ تدبیر سے ہوا
دل تنگ چھٹ کے زلفِ گرہ گیر سے ہوا
سودا نکل کے خانۂ زنجیر سے ہوا
بے یار غم مغنی کی تحریر سے ہوا
کانوں میں درد چنگ کی تقریر سے ہوا
مردانِ عشق زلف کے پھندے میں پھنس گئے
شیروں کو سلسلہ تری زنجیر سے ہوا
دکھلائی شان طالعِ بیدار حسن نے
یوسف[4] عزیز خواب کی تعبیر سے ہوا
شدّاد کو خدا سے نہ کرنی تھی ہم سری
دوزخ میں گھر، بہشت کی تعمیر سے ہوا
گرمی جو کی مقابلے میں روے یار نے
خورشید سرد قرصِ تباشیر سے ہوا
جھڑنے لگے جو منہ سے اس آرامِ جاں کے پھول
دل باغ باغ یار کی تقریر سے ہوا
دنیا سے بے نیاز قیامت نے کر دیا
اکسیر کا جو کام تھا اکسیر سے ہوا

---

۱ - کلیات علی بخش ص ۵۹ ، ۶۰ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۴ ، جدید ص ۸۵ -

مارا نگاہِ ناز سے اس ترک نے اسے
استادہ جو کہ فاصلۂ تیر سے ہوا
آئینۂ خیال کو منظور تو رہا
جب سامنا ہوا تری ، تصویر سے ہوا
وحشت ہوئی تصورِ رخسارِ یار سے
دیوانہ آفتاب کی تسخیر سے ہوا
خم خانۂ حدوث میں مستِ قدیم ہوں
طفلی میں مجھ کو نشۂ مے شیر سے ہوا
اچّھا کیا فلک نے جو رکھّا مجھے علیل
بہتر ہوا جو مصلحتِ پیر سے ہوا
مارا پڑا میں جنبشِ ابرو سے بے گناہ
رتبہ شہید کا تری شمشیر سے ہوا
یاد آئی زلفِ یار جو سنبل کو دیکھ کر
گلزار تنگ حلقۂ زنجیر سے ہوا
پھڑکا کیا مرقعِ عالم کے حسن پر
ہر روز عشق اک نئی تصویر سے ہوا
آغازِ خط کا زلفِ مسلسل سبب ہوئی
انبوہِ مور دانۂ زنجیر سے ہوا
اس نوجواں کا ناز یہ کہتا ہے کیجیے
وہ ظلم جو فلک کے نہ ہو پیر سے ہوا
زنداں میں اس پری کا جو آیا کبھی خیال
کارِ سپند ، دانۂ زنجیر سے ہوا
حسن آڑے آ گیا مرے ، بخشا کریم نے
شایانِ عفو عشق کی تقصیر سے ہوا

اے پیرِ عقل پھر نہیں آتش ترا مرید
تقدیر کے خلاف جو تدبیر سے ہوا

۱۲۴

[1]بیاباں کو بھی ہنگامِ جنوں میں سیر کر دیکھا
سرِ شوریدہ کو پائے غزالاں پر بھی دھر دیکھا
تجھے موجود پایا یار ، تجھ کو جلوہ گر دیکھا
ترا دیدار آنکھوں کو جو تھا مدِّ نظر ، دیکھا
تری مستانہ آنکھوں کی نہ گردش کا اثر دیکھا
مئے گل رنگ سے سو سو طرح پیمانہ بھر دیکھا
تمھارے روبرو پھیکا رخِ شمس و قمر دیکھا
وہ نانِ بے نمک پایا ، یہ شیرِ بے شکر دیکھا
سوادِ گیسوے مشکیں میں ظلمت شام کی پائی
بیاضِ گردنِ محبوب میں نورِ سحر دیکھا
محبّت میں سزا ملتا ہے ایذائیں اٹھانے سے
اسی کو ہم نے چاہا جو حسیں بیداد گر دیکھا
مسافر ہی نظر آیا ، نظر آیا جو دنیا میں
جسے دیکھا اسے آلودۂ گردِ سفر دیکھا
دلِ سوزاں کی حالت سینۂ سوزاں میں یاد آئی
کسی مجمر میں ہم نے عود کو جلتے اگر دیکھا
خریدارِ محبّت آئے بھی بازارِ عالم میں
وہی سودا کیا ہم نے کہ جس میں دردِ سر دیکھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ٦٠ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ٥٥ ، جدید ص ٨٦ -

نیا غمزہ کیا صیّاد نے اپنے اسیروں سے
کیا آزاد اسے جس مرغ کو بے بال و پر دیکھا

حلاوت سے نہیں اک ذرہ موجودات کا خالی
گرہ میں قند کو باندھے ہوئے ہر نیشکر دیکھا

ہوئے ہیں کیا سمجھ کر پردۂ فانوس سے باہر
مگر شمعوں نے پروانوں کو بھی بے بال و پر دیکھا

بھری نیّت نہ ہرگز لاکھ کھایا مجھ کو بے صرفہ
فراق یار سا کوئی نہیں جوع البقر دیکھا

خدا کی شان اے بت جلوہ گر ہے حسن سے تیرے
تجلّی طور پر دیکھی جو تجھ کو بام پر دیکھا

جگر خوں ہو گیا بدگو کا اپنے چپکے رہنے سے
خموشی میں بھی مظلوموں کی نالے کا اثر دیکھا

خبر اک دن نہ لی، پوچھا نہ حال اپنے فقیروں کا
وہ شاہِ حسن ہم نے بادشاہِ بے خبر دیکھا

یہ مستغرق تصور میں ہوئیں اس طاقِ ابرو کی
پھریں اپنی نگاہیں جس طرف، کعبہ ادھر دیکھا

تڑپتے دیکھ کر مجھ کو کہا ہنس کر یہ اس بت نے
خدا کے دوست کو رنج و الم میں بیشتر دیکھا

فراقِ یار میں جب عشق نے مجھ کو ٹٹولا ہے
جو دل فولاد کا پایا تو پتّھر کا جگر دیکھا

بدخشان و یمن چھانا، لگائے غوطے دریا میں
نہ لب سا لعل اے آتش نہ دنداں سا گہر دیکھا

۱۲۵

[1]کیجیے چورنگ عاشق کو نگاہِ ناز کا
دیکھ لینا شرط ہے شمشیرِ خانہ ساز کا

صوفیوں کو وجد میں لاتا ہے نغمہ ساز کا
شبہ ہو جاتا ہے پردے سے تری آواز کا

یہ اشارہ ہم سے ہے ان کی نگاہِ ناز کا
دیکھ لو تیر قضا ہوتا ہے اس اَنداز کا

گفتگو بڑھ جائے گی تقریر عیسیٰ[۴] نے جو کی
وہ لبِ جاں بخش بھی دم بھرتے ہیں اعجاز کا

پڑ گئے سوراخ دَل میں گفتگوے یار سے
بے کنایے کے نہیں اک قول اُس طنّاز کا

زندہ ان آنکھوں کے کشتے کو نہ وہ لب کر سکے
اس فسوں پر زور چل سکتا نہیں اعجاز کا

روح قالب سے جدا کرتا ہے، قالب روح سے
ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ تیرے ناز کا

سرمہ ہو جاتا ہے جل کر آتشِ سودا سے یار
دیکھنے والا تری چشمِ فسوں پرداز کا

بہرِ پامالیِ عاشق ہوتی ہے مشقِ خرام
شور ہے خلخال پاے یار کی آواز کا

منہ سے بے دل کے اشارے سے نکلتا کچھ نہیں
مثلِ نے محتاج ہے اپنا دہن دم ساز کا

---

۱ - کلیات علی بخش ص ۶۰ ، ۶۱ ، طبع نول کشور قدیم ص ۵۶ ، جدید ص ۸۷ ، بہارستان سخن ص ۳۶ -

حیرت آنکھوں کو ہے نظّارے میں اس محبوب کے
یہ نہیں کھلتا کہ دل کشتہ ہے کس انداز کا
یہ اشارہ کر رہی ہے ابروے خم دارِ یار
کام منہ چڑھنا ہے اس تلوار کے جاں باز کا
اے زباں ! کیجو نہ شرحِ حالتِ دل کا خیال
منکشف ہونا نہیں بہتر ہے مخفی راز کا
غیبتِ عاشق کے سننے کا دماغ اس کو نہیں
بند ہو جاتا ہے پیشِ یار دم غمّاز کا
کاٹ کر پر مطمئن صیّاد بے پروا نہ ہو
روح بلبل کی ارادہ رکھتی ہے پرواز کا
بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصّع ساز کا

۱۲٦

بلاے جاں[1] مجھے ہر ایک خوش جمال ہوا
چھری جو تیز ہوئی ، پہلے میں حلال ہوا
گرو ہوا تو اسے چھوٹنا محال ہوا
دلِ غریب مرا مفلسوں کا مال ہوا
کمی نہیں تری درگاہ میں کسی شے کی
وہی ملا ہے جو محتاج کا سوال ہوا
دکھا کے چہرۂ روشن وہ کہتے ہیں سرِ شام
وہ آفتاب نہیں ہے جسے زوال ہوا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ٦۱ ، ٦۲ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ٥٦ ، جدید ص ۸۸ ۔

دُکھا نہ دل کو صنم اتحّاد رکھتا ہوں
مجھے ملال ہوا تو تجھے ملال ہوا
سجھایا آنکھوں نے وہ رخ تلاشِ مضموں میں
خیالِ یار مرا، شعر کا خیال ہوا
ترے شہید کے جیبِ کفن میں اے قاتل!
گلال سے بھی ہے رنگِ عبیر لال ہوا
بلند خاک نشینی نے قدر کی میری
عروج مجھ کو ہوا جب کہ پائمال ہوا
غضب میں یار کے شانِ کرم نظر آئی
بنایا سروِ چراغاں جسے، نہال ہوا
یقیں ہے دیکھتے صوفی تو دم نکل جاتا
ہمارے وجد کے عالم میں ہے جو حال ہوا
وہ ناتواں تھا ارادہ کیا جو کھانے کا
غمِ فراق کے دانتوں میں میں خلال ہوا
کیا ہے زار یہ تیری کمر کے سودے نے
پڑا جو عکس مرا، آئنے میں بال ہوا
دکھائی تھی نہ تمھیں چشمِ سرمگیں اپنی
نگاہِ ناز سے وحشت زدہ غزال ہوا
دہانِ یار کے بوسے کی دل نے رغبت کی
خیالِ خام کیا، طالبِ محال ہوا
رہا بہار و خزاں میں یہ حال سودے کا
بڑھا تو زلف ہوا، گھٹ گیا تو خال ہوا
جُنوں میں عالمِ طفلی کی بادشاہت کی
کھلونا آنکھوں میں اپنی ہر اک غزال ہوا

سنا جمیل بھی تیرا جو نام اے محبوب !
ہزار جان سے دل بندۂ جمال ہوا
لکھا ہے عاشقوں میں اپنے تو نے جس کا نام
پھر اس کا چہرہ نہیں عمر بھر بحال ہوا
گنہ کسی نے کیا ، تھرتھرایا دل اپنا
عرق عرق ہوئے ہم ، جس کو انفعال ہوا
ترے دہان و کمر کا جو ذکر آیا یار !
گمان و وہم کو کیا کیا نہ احتمال ہوا
کمال کون سا ہے وہ جسے زوال نہیں
ہزار شکر کہ مجھ کو نہ کچھ کمال ہوا
تمھاری ابروے کج پر تھا دوج کا دھوکا
سیاہ ہوتا اگر عید کا ہلال ہوا
دیا جو رنج ترے عشق نے تو راحت تھی
فراق تلخ تو شیریں مجھے وصال ہوا
وہی ہے لوحِ شکستِ طلسمِ جسم آتش
جب اعتدالِ عناصر میں اختلال ہوا

۱۲۷

[1]وحشت نے ہمیں جب کہ گلستاں سے نکالا
غیرت نے قدم پھر نہ بیاباں سے نکالا
ہاتھوں نے جو مہندی کو گلستاں سے نکالا
سرمے کو ان آنکھوں نے صفاہاں سے نکالا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۲ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ۱۸۷۳ع ص ۵۷ ، طبع جدید ۱۹۲۹ع ص ۸۹ -

کالی ہوئی شوخی سے ترے ہاتھ کی مہندی
یہ رنگ نیا پنجۂ مرجاں سے نکالا

سوزن نے کیا خار کفِ پا سے جو باہر
گویا کہ وہ گل میرے گریباں سے نکالا

باتیں سنیں اللہ کی مشتاق تھے جس کے
مطلب تھا جو کچھ اپنا، وہ قرآں سے نکالا

جھپکی نہ دمِ قتل جو قاتل سے مری آنکھ
کھنچوا کے مجھے گنجِ شہیداں سے نکالا

گردن مری اے دستِ جنوں! تو نے جھکائی
آزاد کیا، بندِ گریباں سے نکالا

کیوں کر وہ شہِ حسن کرے چینِ جبیں دور
طغرے[1] کو کسی نے نہیں فرماں سے نکالا

وحشت نے کیا خانۂ زنجیر سے باہر
صحرا کی ہوا نے مجھے زنداں سے نکالا

مستی کا نہیں رنگ لبِ یار کے اوپر
ظلمت نے ہے سر چشمۂ حیواں سے نکالا

دیوانہ ہوا دیکھ کے پریوں کی ادائیں
وحشت نے مجھے ملکِ سلیماں سے نکالا

اے حسن عمل دونوں کو سمجھا جو برا میں
الفت کا مزہ گبر و مسلماں سے نکالا

---

۱ - تمام نسخوں میں "طغرا" ہے لیکن "طغرے" ہونا چاہیے، قاعدہ یہ ہے کہ میں، سے، کو سے پہلے ہائے مختفی اور الف ے بدل دیتے ہیں۔ اہل لکھنؤ کا روزمرہ بھی "طغرے کو" ہے۔

ہر چند کہ کاوش رہی مضمون میں اس کے
پانی نہ ترے چاہِ زنخداں سے نکالا

لٹکایا ہے زلفوں کو انھوں نے بھی تری طرح
پریوں نے بھی ہے سلسلہ انساں سے نکالا

نالاں رہے ہم کوچۂ محبوب میں **آتش**
بلبل نے بخار اپنا گلستاں سے نکالا

۱۲۸

[۱]وصل کی شب رنگِ گردوں نوعِ دیگر ہو گیا
شام سے یار اور میں جامے سے باہر ہو گیا

عیسیٰ مریم وہ لعلِ روح پرور ہو گیا
روے زیبا حسنِ یوسف[۴] سے پیمبر ہو گیا

ظلم سے اپنے پشیماں وہ ستم گر ہو گیا
دل ہمارا صبر کرتے کرتے پتّھر ہو گیا

اس شہِ خوباں کو جب لکھا عریضہ شوق کا
اس قدر لوٹا ہُما اس پر، کبوتر ہو گیا

تختہ نردِ عشق دل کھیلا جو حسنِ یار سے
اڑ گئے ایسے مرے چھکّے کہ ششدر ہو گیا

منتخب تو نے کیا لے کر قلم کو ہاتھ میں
صاد تیرا شعر کے چہرے کا زیور ہو گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۲ ، ۶۳ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۷ ، طبع جدید ص ۹۰ ، بہارستان سخن ص ۲۹ -

روح کو تفریح ان دانتوں کے دیکھنے سے ہوئی
آبِ گوہر سے ہرا دل کا صنوبر ہو گیا

کوچۂ گیسو سے کس دلبر کے آئی تھی نسیم !
بوے سنبل سے دماغِ جاں معطّر ہو گیا

جنبش ان مژگاں نے کی مجھ پر چھری سی چل گئی
مرغِ بسمل کی طرح آخر تڑپ کر ہو گیا

عشق کا قصہ کہیں گے ہم حضور شاہ حسن
وقتِ شب دربار اگر اپنا مقرّر ہو گیا

کو بہ کو پھرتا ہوں میں خانہ خرابوں کی طرح
جیسے سودے کا ترے سر میں مرے گھر ہو گیا

رتبہ سنبل کو بہم پہنچا خس و خاشاک کا
پیشِ زلفِ یار مٹّی مشک و عنبر ہو گیا

صورت قاتل کے دیکھے سے ہوئی ایسی خوشی
اپنی آنکھوں میں ہلالِ عید خنجر ہو گیا

قبر پر بیٹھا ہمارے ہو کے وہ قاتل ، فقیر
نقش جاں بازی کا اپنی اس کے دل پر ہو گیا

چھوٹ کر مرجع سے اپنے ہے پریشاں حال روح
بھول کر گھر کو تباہی میں کبوتر ہو گیا

بوجھ ہے حمّال کا قاتل سے اٹھنے کا نہیں
طول شرحِ شوق سے مکتوب دفتر ہو گیا

لعل و گوہر اس لب و دنداں سے کھوے گئے
پانی پانی اس طلائی رنگ سے زر ہو گیا

فکرِ رنگیں نے بنایا باغ ، دیواں کو مرے
برگِ گل صفحہ ، رگ گل نقشِ مسطر ہو گیا

گوشِ عارف میں یہ گورستاں سے آتی ہے صدا
آسماں ہے وہ زمیں کے جو برابر ہو گیا
آنکھ سے دیکھا ، سنا کرتے تھے صحبت کا اثر
تیری گردن میں صراحی دار گوہر ہو گیا
قتلِ عاشق کا اشارہ تو تم ابرو سے کرو
تیغ ہے پیدا جو خوں ریزی کا جوہر ہو گیا
کشورِ دل کو کیا غارت خطِ شب رنگ نے
گردِ لشکر میں جسے سمجھا تھا لشکر ہو گیا
تیرے پہلو سے جدا ہوتے ہی اے آرامِ جاں !
استخواں جو تھا مرے پہلو میں ، خنجر ہو گیا
خطبہ بلبل نے پڑھا ، تیرے بہارِ حسن کا
بام گلبن سنتے تھے جس کا وہ منبر ہو گیا
شوقِ خود بینی ہوا تجھ کو جو اے سلطانِ حسن !
آئنہ تمثال سے تیرے سکندر ہو گیا
سامنا جو پڑ گیا ، ہوش اڑ گئے ، بے خود ہوا
جامِ چشمِ یار ، بے ہوشی کا ساغر ہو گیا
ایک الف سے قد کے سودے میں ہوا آتش فقیر
چار ابرو کو صفا کرکے قلندر ہو گیا

۱۲۹

[1]شادمانی میں نے کی غم جس قدر افزوں ہوا
بادۂ گل رنگ اسے سمجھا ، اگر دل خوں ہوا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۳ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۸ جدید ص ۹۱ ، بہارستان سخن طبع ۱۲۶۳ھ ص ۱۸ ۔

گل سے رنگیں تر ہمارے شعر کا مضموں ہوا
سرو سے سرسبز اپنا مصرعۂ موزوں ہوا
کاکلِ مشکیں کے سودے سے ہوا میں سر بہ جیب
سانپ نے کاٹا تو مجھ کو نشّۂ افیوں ہوا
موسمِ گل کی ہوا نے دور کی قیدِ لباس
زائلِ اعجازِ جنوں سے عقل کا افسوں ہوا
مغز کے بدلے بھرا سودا جو عشقِ یار کا
کاسۂ سر پردہ پوشی کے لیے واژوں ہوا
پھرتے پھرتے جستجوئے گوہرِ مقصود میں
بیٹھ کر رویا گھڑی بھر میں جہاں جیحوں ہوا
حکم سے اس کے کیا جو قتل مجھ کو بے گناہ
یار کا شاکر تو میں جلّاد کا ممنوں ہوا
خوں کیا غربت میں دل اپنا وطن کی یاد میں
شہر میں آئے تو داغِ لالۂ ہاموں ہوا
اے جنونِ عشق! کالے کا اثر رکھتا ہے تو
گل ترے آگے چراغِ عقلِ افلاطوں ہوا
تول دیکھا ہم نے میزانِ خرد میں بارہا
سرو نا موزوں ہوا، قد یار کا موزوں ہوا
گاہ گریاں، گاہ خنداں؛ گاہ نالاں، گہ خموش
عشق کے نیرنگ سے حال اپنا گوناں گوں ہوا
آرزومندِ شہادت مر گئے حسرت سے یار
بے گنہ جب تیغ سے تیری ہمارا خوں ہوا
فکرِ رنگیں نے اسے باندھا عسس کی طرح سے
سامنے دزدِ حنا کا جب کوئی مضموں ہوا

یار جب آیا وہ ترک اڑنے لگا بے اختیار
رنگِ رو میرا مرے محبوب کا گلگوں ہوا
بن گئی گور اس کی راحت کے لیے آغوشِ حور
داخلِ جنّت تمھارے کوچے کا مدفوں ہوا
دیدۂ فرہاد سے شیریں ادا دیکھا کیا
نازِ لیلیٰ جب کیا تم نے تو میں مجنوں ہوا
غائب آنکھوں سے خیالِ یار اے آتش نہ ہو
جان کے اوپر بنے گی دل اگر محزوں ہوا

۱۳۰

[1]دوست تھا ، لازم ہے ماتم تم کو مجھ مایوس کا
مرگِ دشمن پر بھی ہوتا ہے مقام افسوس کا
خار آنکھوں میں ہیں گل ، باغِ جہاں کے تجھ بغیر
دل نہیں لگتا کسی صورت ترے مانوس کا
مشتِ خاک اپنی غبارِ راہ ہوگی بعدِ مرگ
سر میں سودا لے چلے ہیں یار کے پابوس کا
مے سرِ بازار پی کر ہو نہ رسوا اے صنم!
توڑنا اچّھا نہیں ہے شیشۂ ناموس کا
موسمِ گل کی ہوا پلوا کے مے رکھتی ہے مست
رقص دکھلا دیتا ہے ابرِ کرم طاؤس کا
پاک دامانی کا تیرے جب گزرتا ہے خیال
کرنے لگتا ہے دل اپنا ذکر ''یا قدوس'' کا

---

۱ ـ کلیات طبع علی بخش ص ۳۶ ، طبع نول کشور قدیم ص ۵۹ ،
نول کشور جدید ص ۹۲ ، بہارستان سخن ص ۲۰ ـ

عالمِ مستی میں چلتا ہے جو تیری چال یار
اپنی آنکھوں پر قدم پڑتا ہے اس طاؤس کا

سرو پر ہوتا ہے آنکھوں کو قدِ بالا کا شک
دیتی ہے دھوکا قبائے گل ترے ملبوس کا

روشنیِ شمع رکھتا ہے خیالِ روئے یار
منزلِ دل پر ہے عالم گنبدِ فانوس کا

کچھ نہیں سنتا خبر ، جا کر کہے کیا یار سے
دم خموشی سے ہماری بند ہے جاسوس کا

چشمِ بینا چاہیے تو جلوہ گر ہے ہر طرف
پردہ ہے اے شمع رو ! پردہ ترا فانوس کا

آدمی کو موت کے آنے کی لازم ہے خوشی
عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا

حسن میں تیرے خدا کی شان ہے اے نازنیں !
دیکھ کر بت تجھ کو نالاں کرتے ہیں ناقوس کا

ایک شاہِ حسن کی فرقت میں دل بے تاب ہے
سینہ کوبی میں ہمارے غلغلہ ہے کوس کا

ڈھونڈھتی ہیں آنکھیں اس محبوب کا نقشِ قدم
چاہتا ہے دل شرف حاصل کرے پابوس کا

بوسہ جب مانگوں تو منہ کو پھیر لیتے ہیں یہ بت
صورت ان کی ہے سخی کی ، دل مگر منحوس کا

موسمِ گل کی ہوا کرتی ہے تکلیفِ شراب
پردہ کھل جاتا ہے آتش زاہدِ سالوس کا

۱۳۱

'آ گیا مجھ کو پسینہ جب کوئی ملزم ہوا
خاک میں مل گیا جو سر کسی کا خم ہوا
یاد فصلِ گل میں آنکھوں کا عجب عالم ہوا
اشک جو مژگاں سے ٹپکا، قطرۂ شبنم ہوا
مردے بھی دیکھے سے تیرے یار زندہ ہو گئے
جان میں جان آ گئی، دم میں ہمارے دم ہوا
نغمۂ بلبل کی خاطر کان تو رکھتا ہے گل
گوشِ صوفی سے سنا تو وجد کا عالم ہوا
نزع کی حالت ہے، سن رکھیے وصیت مہرباں!
روح ہوگی شاد اگر تم کو نہ اپنا غم ہوا
اس پری رو نے کیے منڈوا کے زلف آزاد اسیر
سلسلہ سودا زدوں کا درہم و برہم ہوا
جب نظر آیا کوئی رخسار آئینے سے صاف
دم بخود میں رہ گیا، سکتے کا سا عالم ہوا
کر دیا صاف آئنے سے مصقلی نے عشق کے
دل مرا حسن و جمالِ یار کا محرم ہوا
بوے گل سے بد دماغ اس نازنیں کو جب سنا
اس قدر چھینکے کہ نتھنوں میں ہمارے دم ہوا
چشمِ وحدت بیں سے سیرِ عالمِ کثرت جو کی
ذرّہ بھی اپنی نظر میں نیّرِ اعظم ہوا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۶۴، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۵۹،
جدید ص ۹۲، بہارستان سخن ص ۱۳۔

کالے کے کاٹے کی لہر آنے لگی بے اختیار
سونگھنا اس گیسوے مشکیں کا مجھ کو سم ہوا
ہاتھ میں رکھنے سے تیرے قدرِ انگشتر کھلی
نامِ اقدس سے نگینِ تاجِ سر خاتم کا
دوسرا ہم سا نہ پایا جب کوئی ہمدرد دوست
زخم پر اپنے نمک کافور کا مرہم ہوا
ایک بوسہ مانگنے پر ، دے کے لاکھوں گالیاں
بخل میں قاروں ، سخاوت میں وہ بت حاتم ہوا
چپ رہا عقدہ کھلا جس کو دہانِ یار کا
ہو گیا وہ گنگ جو اس راز کا محرم ہوا
مر گیا سوداے گیسوے مسلسل میں جو میں
خانۂ زنجیر میں چالیس دن ماتم ہوا
جلوۂ یوسف[۴] دکھایا حسن روے یار نے
وہ لبِ جاں بخش نورِ دیدۂ مریم ہوا
پھر گئے آنکھوں میں مشتاقِ گزشتہ نشے میں
دورِ جامِ مے میں اکثر ذکرِ خیرِ جم ہوا
زور مردانہ اکھاڑا ہے ، اکھاڑا عشق کا
چار دن کشتی لڑا جو اس میں وہ رستم ہوا
عاشقوں سے جھک کے کب ملتا ہے وہ بالا بلند
قمریوں سے سرو کا کس دن اکڑنا کم ہوا
دے کے پھانسی مجھ سے بے تقصیر کو گیسوے یار
گردن اہلِ ندامت کی طرح سے خم ہوا
شعرِ رنگیں میرے بلبل نے جو اے آتش پڑھے
چہرۂ گل پر پسینا قطرۂ شبنم ہوا

۱۳۲

'قبضہ ہے اس پر تمھارے حسن سے خوں ریز کا
کام ابرو کے اشارے سے ہو تیغِ تیز کا
کشتہ ہے سو جان سے دل نرگسِ خوں ریز کا
سر کو سودا ہے تری زلفِ بلا انگیز کا
جب لبِ شیریں سے گالی دی ہے ہم کو یار نے
ذائقہ حاصل ہوا ہے شہدِ زہر آمیز کا
تا ابد دل کو نہ بھولے گی ملاحت یار کی
عشق ہے روزِ ازل سے حسنِ شور انگیز کا
بے ستوں پیچھے بنا ، کھود اس کو پہلے کوہ کن
دل میں شیریں کے ہوا ہے وہ جو گھر پرویز کا
چاہیے آغازِ خط ہو گل سے رخ پر یار کے
دل کو لہراتا ہے جوبن سبزۂ نوخیز کا
عاشقوں کے خون میں نہلا کے تیغِ یار نے
رنگ گلگوں کر دیا اس ماہ کے شب‌دیز کا
نشّے میں دکھلا کے آنکھیں قتل کرتا ہے وہ تُرک
کام کرتی ہے شرابِ تند تیغِ تیز کا
بھولتی آنکھیں نہیں اک دم تجھے اے شہ سوار!
یاد تیری دل سے رکھتی ہے خلش مہمیز کا
جب سے دکھلایا ہے آنکھوں نے ترا حسنِ شباب
نشّہ رہتا ہے ہمیں اک ساغرِ لب‌ریز کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ٦٥ ، نول کشور قدیم ص ٦٠ ، جدید ص ۹۳ ، بہارستان سخن ص ۷۵ -

کم نہیں عباسیوں سے مفسدہ پرداز غیر
توڑیے دکھلا کے آنکھ ان پر غضب چنگیز کا

مہربانی حال پر میرے نہ فرمائیں طبیب
دردِ سر ہوگا نہ مجھ بیمار سے پرہیز کا

خط نہ لکھا یار نے اچھا کیا تھا ناگوار
ہاتھ سے قاصد کے آنا اس کی دستاویز کا

صورِ اسرافیل کا پھکنا اسے افسانہ ہے
کشتہ ہے جو تیرے بالائے قیامت خیز کا

میں کنایے کی کسی سے گفتگو کرتا نہیں
ناگوار آتش ہے سننا حرفِ طنز آمیز کا

۱۳۳

[1]باغِ عالم میں نہیں کون ثنا خواں تیرا
ذکر کرتا ہے ہر اک مرغِ خوش الحاں تیرا

کوئی تجھ سا نہیں لاثانی ہے تو اے محبوب!
حق تو یہ ہے کہ جو عاشق ہو تو انساں تیرا

گل کو خوش رنگی میں نسبت رخِ روشن سے نہیں
طرّہ سنبل سے ہے گیسوے پریشاں تیرا

جلوۂ حسن نے دریا کی دکھائیں لہریں
ہاتھ مہندی سے ہوا پنجۂ مرجاں تیرا

تو ہے محبوب اسے ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ اس میں
دم بھرا کرتا ہے مور اور سلیماں[۴] تیرا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۶۵، ۶۶، نول کشور قدیم ص ۶۰، جدید ص ۹۴۔

لالہ ہی اک نہیں اے یار ! غلام داغی
سروِ آزاد بھی ہے بندۂ احساں تیرا

جانِ شیریں سے بھرے دل کو تمنّا ہے یہی
آبِ شیریں کے عوض چاہِ زنخداں تیرا

بات بے مصلحتِ وقت نہیں تو نے کی
عین حکمت ہے وہ جو کچھ کہ ہے فرماں تیرا

کون عالم میں ہے ایسا جو نہیں سربسجود
کس کی گردن کو جھکاتا نہیں احساں تیرا

باغِ عالم میں ترے دم سے ہے اپنی ہستی
چلتے ہیں سونگھ کے ہم سیبِ زنخداں تیرا

خوش بیاں لائے ہیں ایمانِ کلامِ اقدس
کلمہ پڑھتے ہیں وہ ، سنتے ہیں جو قرآں تیرا

جسمِ خاکی سے ہے دشوار رسائی تجھ تک
گرد اڑ کر نہیں چھو سکتی ہے داماں تیرا

بانٹ چاہے جسے دولت دوجہاں کی اے دوست
چاہتا تیرے سوا کچھ نہیں خواہاں تیرا

عشق نے آنکھوں کو دیدار دکھایا آخر
پردہ پوشی سے ہوا حسن نہ پنہاں تیرا

نیّتِ اہلِ توکّل ہے کرم نے بھر دی
سیر نعمت سے دو عالم کی ہے مہماں تیرا

چھوڑتا عاشقِ شیدا نہیں بے قتل کیے
تیغِ عریاں کی طرح حسن ہے عریاں تیرا

کس پری رشک کا دیوانہ ہے تو اے آتش
چاک رہتا ہے مرے یار گریباں تیرا

۱۳۴

[1]ہاتھ قاتل کا مرے خنجر تک آ کر رہ گیا
کہنیوں تک آستینوں کو چڑھا کر رہ گیا

باغ میں میں بلبلوں کو جو اڑا کر رہ گیا
خندہ زن گل ہو کے، غنچہ مسکرا کر رہ گیا

ہو چکی تھی میرے نالوں سے قیامت آشکار
خواب سے سر فتنۂ محشر اٹھا کر رہ گیا

کارواں یاروں کا پہنچا منزل مقصود میں
میں بگولے کی طرح سے خاک اڑا کر رہ گیا

پڑ چکے تھے دست گستاخ اس کمر کے درمیاں
شوق وصل یار دل کو گدگدا کر رہ گیا

سوزش دل سے جلے لیکن زباں نے اف نہ کی
صورت تبخالہ دل ہونٹوں پہ آ کر رہ گیا

کر چکی تھی موسم گل کی ہوا نشتر طلب
خون جتنا تھا بدن میں جوش کھا کر رہ گیا

جب کسی لیلیٰ شمائل کا سنا کانوں نے[2] ذکر
بید مجنوں کی طرح میں تھرتھرا کر رہ گیا

ہنس پڑے تیری طرح سے گل جو مجھ پر باغ میں
پانی پانی ہو گیا، آنسو بہا کر رہ گیا

شہر خوباں میں رہا کرتا ہوں میں خانہ بدوش
شب ہوئی جس کوچے میں بستر لگا کر رہ گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۶ ، نول کشور قدیم ص ۶۱ ، جدید ص ۹۵ -

۲ - نسخۂ نول کشور : "کانوں سے ذکر" - نسخۂ علی بخش : "کانوں نے ذکر -"

چپ نہ رہنا تھا دلا فکرِ دہانِ یار میں
بول اٹھنا تھا جگہ حجت کی پا کر رہ گیا
ٹھوکروں سے راہ کی از بسکہ حالت غیر تھی
پاؤں اپنا یار کے کوچے میں جا کر رہ گیا
سامنا شوقِ شہادت نے کیا ، چھوٹا جو تیر
جب کھنچی شمشیر ، میں گردن جھکا کر رہ گیا
تو نے منہ پھیرا سوالِ بوسہ پر مجھ سے جو یار
ہونٹ کیا کیا اپنے دانتوں سے چبا کر رہ گیا
شمع ساں اظہار کا یارا نہ آتش کو ہوا
سرگزشت اپنی زباں تک اپنی لا کر رہ گیا

۱۳۵

[1]شبِ وصل تھی ، چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا ، خدا مہرباں تھا
مبارک شبِ قدر سے بھی وہ شب تھی
سحر تک مہ و مشتری کا قِراں تھا
وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس میں دن کی
زمیں پر سے اک نور تا آسماں تھا
نکالے تھے دو چاند اس نے مقابل
وہ شب صبحِ جنت کا جس پر گماں تھا
عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل
فرح ناک تھی روح ، دل شادماں تھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۶ ، نول کشور قدیم ص ۶۱ ، جدید ص ۹۶ -

مشاہد جمالِ پری کی تھی آنکھیں
مکانِ وصال اک طلسمی مکاں تھا
حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی
کُھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا
کیا تھا اسے بوسہ بازی نے پیدا
کمر کی طرح سے جو غائب دہاں تھا
حقیقت دکھاتا تھا عشقِ مجازی
نہاں جس کو سمجھے ہوئے تھے، عیاں تھا
بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصّہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

۱۳۶

[۱]دل شبِ فرقت میں ہے از بسکہ خواہاں مرگ کا
اشتیاقِ یار سے افزوں ہے ارماں مرگ کا
چاہیے خالِ پری بہرِ سپندِ چشمِ غول
یہ چراغِ گور ہے مجھ سے بیاباں مرگ کا
موسمِ گل کی ہوا کرتی ہے تکلیفِ جنوں
دیتی ہے پیغام تنگیِ گریباں مرگ کا
کیا بیانِ دردِ دل پیشِ اطبّا کیجیے
کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا ہے درماں مرگ کا
جب کہا مر جاوے گا اپنے گلے کو کاٹ کر
ہنس کے فرمایا "نہیں مختار انساں مرگ کا"

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ٦٧ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ٦١ ، طبع جدید ص ٩٦ -

حسرتِ تازہ تمنّایے اجل نے مجھ کو دی
جب کہیں دیکھا مہیّا میں نے ساماں مرگ کا

اس قدر گردوں مری قیدِ گریباں سے ہے تنگ
پھر نہ چھوڑوں ہاتھ اگر آ جائے داماں مرگ کا

دانت ہلتے ہیں، ہوئے ہیں موے سر سارے سفید
گور ہنستی ہے سمجھ کر مجھ کو شایاں مرگ کا

شام ہوتے ہی شبِ فرقت میں آ نکلے اگر
صبحِ محشر تک رہے گا مجھ پر احساں مرگ کا

کیوں نہ اپنے آتش جوانوں کی طرح باندھوں کمر
پیر ہوں، در پیش ہے طے کرنا میداں مرگ کا

۱۳۷

ابروے مژہ ان آنکھوں نے دل کو دکھا دیا
صیّاد نے شکار چھری سے لڑا دیا

تشبیہ دی جو چہرۂ قاتل کی خال سے
گولی نے بے تفنگ نشانہ اڑا دیا

کافر سے بھی نہ ہو جو کیا نازِ حسن نے
عاشق کے دل کو توڑ کے کعبے کو ڈھا دیا

دل دے کے بوسۂ لبِ لعلیں کیا خرید
بازارِ عشق میں سے یہ آ کر لیا دیا

ٹھہرا حضورِ یار نہ ماہِ چہاردہ
دن ہو گیا، نقاب جو شب کو اٹھا دیا

۱۔ کلیاتِ طبع علی بخش ص ۶۷، طبع نولِ کشور قدیم ص ۶۲، طبع جدید ص ۹۷۔

قہرِ خدا ترا دہنِ تنگ ہے صنم!
بجلی گرائے گا جو کبھی مسکرا دیا

تل کیا بنایا یار نے روے صبیح پر
فرعون کو تختِ عاج کے اوپر بٹھا دیا

ذکر آ گیا جو خاکِ شہیدانِ ناز کا
سن کر اسے گلال سا تم نے اڑا دیا

سوداے زلفِ یار کی سر میں جگہ ہوئی
دامِ بلا میں دل کو قضا نے پھنسا دیا

بے داغ ہونے نے رخِ پُر نورِ یار کے
داغِ جبیں کا ماہ کو دھبّا لگا دیا

احسانِ مانیو حسنِ خدا داد کا بتو!
پتّھر تھے، تم کو شیشے سے نازک بنا دیا

خط سے رہا نہ حسنِ رخِ یار کا فروغ
بجھنے نے اس چراغ کے دل کو بجھا دیا

پوچھا ہے عارفوں سے جو ہم نے مکانِ یار
آنکھوں کو بند کرکے ہے دل کا پتا دیا

مغرور ہو نہ حسنِ جوانی پر آدمی
پیری نے آسماں کی کمر کو جھکا دیا

خلخالِ پاے یار سے ہے یہ صدا بلند
غافل جو سوتے تھے انھیں ہم نے جگا دیا

اللہ رے شوق دل کو زنخدانِ یار کا
غش آ گیا جو سیب کسی نے دکھا دیا

آتش خرامِ یار بھی ہے دولتِ کثیر
اکسیر تھا وہ خاک میں جس کو ملا دیا

۱۳۸

[1]شوق اگر کوچۂ محبوب کا رہبر ہوتا
گامِ اول میں قدم کعبے کے اندر ہوتا

گوشِ خوباں میں لٹکتا جو میں گوہر ہوتا
زر جو ہوتا تو حسینوں ہی کا زیور ہوتا

حق ہے اے جان کہ تجھ سا نہیں دلبر ہوتا
دلِ عالم میں نہیں تیری طرح گھر ہوتا

نہیں معلوم انھیں ، دل‌جوئی نہیں جو کرتے
کہ ثواب اس کا ہے سو حج کے برابر ہوتا

اس قدر اہلِ جہاں کو ہے محبّت زر سے
پیٹ میں مارتے ، سونے کا جو خنجر ہوتا

اس پری تک جو خطِ شوق مرا لے جاتا
تاجِ ہُدہُد کے سزاوار کبوتر ہوتا

خال کی بو بھی ہے اس رخ کے پسینے کے شریک
شاملِ عطر ہے فی الواقعہ عنبر ہوتا

توڑتا پاؤں کو جو تخت کی خواہش کرتے
کاٹتا سر کو ، اگر مائلِ افسر ہوتا

قابلِ دید ہے ہرچند صفا سے وہ رخ
آئنہ تھا جو مروت کا بھی جوہر ہوتا

بحرِ ہستی میں نظر آتے نہ مانندِ حباب
خالی اک لحظہ ہوا سے جو ترا سر ہوتا

---

۱ . کلیات طبع علی بخش ص ۶۷ ، ۶۸ ، طبع نول کشور قدیم ص ۶۲ ، طبع جدید ص ۹۷ -

میٹھی باتوں کا عجب کیا ہے دہن سے ان کے
بیشتر پستہ ہے آلودۂ شکّر ہوتا

میرے زنداں میں کرم بادِ بہاری کرتی
نکہتِ گل کی طرح جامے سے باہر ہوتا

جام بھر بھر کے مئے ناب سے دیتا جمشید
آئنہ تجھ کو دکھاتا جو سکندر ہوتا

گرد پھرتا کبھی، آغوش میں لیتا گاہے
یار کے قد سے جو اونچا نہ صنوبر ہوتا

تیری فرقت میں شب اے تُرک یہ تنگ آیا تھا
چیرتا پہلوے خالی کو جو خنجر ہوتا

عشق ہو بندگیِ حسن سے کیوں کر باہر
دوست اللہ کا کیسا ہی پیمبر ہوتا

ساغرِ مے کا طلب گار نہیں اے ساقی!
دونوں آنکھوں سے تری مست دو ساغر ہوتا

باغ بے یار جو جاتا تو پئے غارتِ دل
تختہ لالہ قزلباش کا لشکر ہوتا

باغِ عالم کے تماشے کا یہی حاصل ہے
لالہ تھا داغِ محبّت جو میسّر ہوتا

سوزشِ عشق میں یہ دل ہی ہے قائم آتش
پانی ہو ہو کے بہا کرتا جو پتّھر ہوتا

۱۳۹

[1]عاشقِ شیدا علیِ مرتضیٰؑ کا ہو گیا
دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہو گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۲۸، دیوان دوم کی پہلی غزل نول کشور قدیم ص ۲۱۰، جدید ص ۳۳۱ -

قربِ حق حاصل ہے اس کو، مردِ عارف ہے وہی
یا علیؑ پیرو جو تجھ سے پیشوا کا ہو گیا

ساختہ پرداختہ تیری ہے ساری کائنات
حکمِ حضرت سے وجود ارض و سما کا ہو گیا

وقتِ مشکل تیں کہا جس وقت، یا مشکل کشا!
سہل چھٹکارا گرفتارِ بلا کا ہو گیا

کون[1] تجھ سا ہے ولی اللہ اے مولا مرے
کعبہ پیدائش سے تیری گھر خدا کا ہو گیا

۱۴۰

[2]وہ رنگ سرخ ہے کیفِ شراب سے ہوتا
ظہور لعل کا ہے آفتاب سے ہوتا ؟

غرورِ حسن نے نازاں کیا انھیں ورنہ
نیاز نامہ مشرّف جواب سے ہوتا ؟

نزاکتِ بدنِ نازنینِ یار نہ پوچھ
کمر میں درد رہا پیچ و تاب سے ہوتا

---

۱ - یہاں سے کلیات کا دوسرا حصہ یعنی دیوان دوم شروع ہوتا ہے ، جسے آتش کے مخلصین نے ۱۲۶۳ھ میں چھپوایا تھا۔ زیر نظر ترتیب میں دیوان اول کی ردیف الف کی غزلوں کے بعد دوسرے دیوان کی ردیف الف شریک کی جا رہی ہے -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۲۸ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۰ ، جدید ص ۳۳ -

شراب تھوڑی سی پینا مناسب آپ کو ہے
ستم بہت ہے تمھارے حجاب سے ہوتا
ترے پسینے کا دھوکا ہی دے دیا کرتے
عرق عرق ہوں میں بوے گلاب سے ہوتا
یہ کیسے نالے ہیں سودائے چشم میں اپنے
کوئی جو فتنہ ہے بیدار خواب سے ہوتا
نظارہ بازیِ بحرِ جہاں ہے شغل اپنا
وہ ہم بھی کرتے ہیں جو ہے حباب سے ہوتا
تمھارے کشتۂ رخسار کی جو خاک اُڑتی
ہر ایک ذرہ بلند آفتاب سے ہوتا
دلِ برشتہ کو وہ ترک یاد آتا ہے
جگر کباب ہے بوے کباب سے ہوتا
چکور ہوتے ہیں رخسارِ یار کے صدقے
کمالِ ماہ ہے حسنِ شباب سے ہوتا
کھلا یہ روے مخطّط سے یار کے ہم کو
یہ مدّعا نہیں حاصل کتاب سے ہوتا
قریب ہے کہ کرے آفتابِ حشر طلوع
کمال تنگ ہے یوسف[۴] نقاب سے ہوتا
وہ گل عذار منڈاتا ہے خطِ نو رس کو
چمن کا سبزہ ہے خارج حساب سے ہوتا
کمی محال ہے تیرے کرم میں اے محبوب!
کنارہ کش نہیں دریا حباب سے ہوتا
چھپاؤں پھاے سے میں خاک داغِ سودا کو
درشت رو نہیں یوسف[۴] نقاب سے ہوتا

غبار بن کے لپٹتا میں دامنِ زیں سے
جدا جو ہاتھ تمھاری رکاب سے ہوتا
پھندایا یار کے گھر میں تو کیا کیا[1] کم تھا
جو کچھ کہ ہمتِ عالی جناب سے ہوتا
شراب خواریِ رنداں سمجھ نہ سہل آتش
شناوروں کا گذارا ہے آب سے ہوتا

۱۴۱

[2]ہزار طرح سے ثابت ہے وہ دہاں ہوتا
کلام کرتے ہم اس سے جو رمزداں ہوتا
بتوں کے حسن سے ہے نورِ حق عیاں ہوتا
مجاز پر بھی حقیقت کا ہے گماں ہوتا
فغان و آہ سے ہے سوزِ دل عیاں ہوتا
دلیل آگ کے ہونے کی ہے دھواں ہوتا
بنے ہوئے ہیں یہ محبوب چار عنصر سے
حکیم تھا وہ جو ان کا مزاج داں ہوتا
یہی رہا ذقنِ یار دیکھ کر افسوس
اچک کے گرتے ہم اس میں اگر کنواں ہوتا
جواب رکھتا نہ گیسوے یار کشتی میں
بلا کے پیچ یہ کرتا جو پہلواں ہوتا

---

۱ - نول کشور طبع قدیم میں ہے : ''گھر میں یہ کام کیا کم تھا ''۔
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۲۹ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۰ ، جدید ص ۳۳۲ -

یقیں ہے مردِ مسلماں بھی سجدہ کرتے اسے
ترش کے بت جو ترا سنگِ آستاں ہوتا

مہِ صیام میں نعمت جو کچھ ملے کم ہے
خدا کا بندۂ مومن ہے میہماں ہوتا

نہ پوچھ علمِ محبّت سے کیا کھلا تجھ کو
یقیں ہوا وہ کہ جس کا نہ تھا گماں ہوتا

وہی ہے صدر نشیں بزمِ خاکساراں میں
صفِ نعال میں جس کا کہ ہے مکاں ہوتا

اداس قالبِ خاکی میں روح رہتی ہے
مکاں سے تنگ ہے مشتاق لامکاں ہوتا

فراغِ حال ہے دشوار خوش نوایوں کو
قفس سے تنگ ہے بلبل کا آشیاں ہوتا

ترے شہید کا دھوکا تھا دے چکا اے ترک
جو کربلائے معلّیٰ میں ارغواں ہوتا

ہنساتے یار کو ہم حالِ زار دکھلا کر
یہ رنگِ زرد تماشائے زعفراں ہوتا

زیادہ چشم سے لازم ہے روشنی دل میں
خیالِ یار ہے اس گھر میں میہماں ہوتا

گلوں سے نالۂ بلبل کی وجہ کیا پوچھوں
زباں کا درد نہیں گوش سے بیاں ہوتا

جو کرتی آتشِ سودائے زلفِ یار اسے زرد
یقیں ہے مشکِ سیہ فام زعفراں ہوتا

یہ جوئے آب بھی نیرنگ اپنا دکھلاتی
محیطِ خوں تری شمشیر سے رواں ہوتا

لباسِ سرخ سے کرتا ہے یار خوں ریزی
حسینوں میں بھی ہے مریخ سا جواں ہوتا
کرایہ رہنے کو سودائے زلف میں لیتے
کوئی جو خانۂ زنجیر سا مکاں ہوتا
خدا کے خوانِ کرم سے ہو سیر جو چاہے
نہ مُہر ہوتی ہے اس پر ، نہ ہے نشاں ہوتا
جو لکھتے ہم خمِ ابروے یار کی توصیف
قلم جو تیر بھی ہوتا تو پھر کہاں ہوتا ؟
نیازمند نہ ہوتا تو پوچھتا ہوں میں
یہ ناز آپ جو کرتے ہیں پھر کہاں ہوتا ؟
دکھاتے ہیں رقمِ خال و مدِ ابرو کو
سرِ حساب ہے ان سے سیاق داں ہوتا
گلوری پان کی کھا کر جو آپ ہنس پڑتے
شگفتہ گل کی طرح غنچۂ دہاں ہوتا
نگاہِ ناز تمھاری ہے رخ جدھر کرتی
نشستِ تیر کے قابل ہے وہ مکاں ہوتا
صدا جرس کی ہے غنچوں کے کھلنے سے آتی
روانہ نکہتِ گل کا ہے کارواں ہوتا
خوشا نصیب ہو افراط سے یہ جس دل میں
کمالِ ذوق سے ہے وصلِ جاوداں ہوتا
بلند پایہ کرے گی وہ زلف شانے کو
کمند سے بھی تو ہے کار نردباں ہوتا
تم اپنے چاند سے منہ کو نہ پھیرتے پیارے !
خلاف ہم سے جو ہوتا تو آسماں ہوتا

حقیقتِ دہنِ یار عقل سے یہ کھلی
اسی محل میں خموشی کا ہے مکاں ہوتا

بقدر حوصلہ جو چاہے لے لے داغِ جنوں
بہارِ گل میں یہ سودا نہیں گراں ہوتا

کہیں جگہ ترے مردود کو نہیں رہتی
ہر اک طرف سے ہے اس پر کہاں کہاں ہوتا

نقاب الٹ کے وہ دیدارِ عام کرتے ہیں
قیامت آئی ، اکٹھا ہے دو جہاں ہوتا

کوئی ہزار کہے کب کسی کی سنتا ہے
بہارِ گل میں ہے دیوانہ باغباں ہوتا

یہ ناگوارِ طبیعت ہے نعمتِ دنیا
نوالہ حلق میں اپنے ہے استخواں ہوتا

یقیں ہے آبلے پڑ پڑ کے پھوٹ بہتے تو
بیانِ حال جو **آتش** کا اے زباں ہوتا

۱۴۲

[1]کام رہنے کا نہیں بند اپنا
بندہ پرور ہے خداوند اپنا

اپنی قسمت کا ہو وہ بوسۂ لب
ہم کو چکھوائے مزہ قند اپنا

دیکھیے کستے ہیں کب تک وہ ہمیں
امتحاں ہوتا ہے تا چند اپنا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۲ ، جدید ص ۲۳۴ -

اے پری رُو ہوں ترے دیوانے
دیکھیں سودا جو خردمند اپنا
کیا ملائے گا ذقن سے تیرے
زرد رُو سیبِ سمرقند[1] اپنا
کیوں نہ یعقوب کو یوسف ہو عزیز
کس کو پیارا نہیں فرزند اپنا
سیر رکھتا ہے وہ گل ہنس ہنس کر
رزق ہے شہد ، شکر خند اپنا
سر کو سودا ہے کسی کاکل کا
دل ہے زنجیر کا پابند اپنا
شجرِ قدس ہیں ہم عالم میں
اس چمن میں نہیں پیوند اپنا
تیغِ قاتل سے اڑیں گے ٹکڑے
بند سے ہوگا جدا بند اپنا
ناصحا چپ ، نہ بس اب بک بک کر
سر پھراتی ہے تری پند اپنا
دور بھاگیں گے نہ ہم آپ کی طرح
پاس تم کو نہ ہو ہرچند اپنا
سر ترا ہم کو ہے مصحف کی جگہ
ہے یہ ایماں ، تری سوگند اپنا
دولت فقر سے رکھتا ہے غنی
ہم کو آتش دلِ خرسند اپنا

---

۱ ۔ کلیات کے مطبوعہ نسخوں میں ''ثمرقند'' ہے ۔

۱۴۳

پامال[1] کیجیے آنھیں رفتارِ ناز کا
طاؤس و کبک رکھتے ہیں دعویٰ نیاز کا

لکھتا ہوں وصف ان مژہہاے دراز کا
لیتا قلم سے کام ہوں میں نیزہ‌باز کا

ساقی سماے اس میں ہزاروں خُمِ شراب
کشتیِ مے کو ظرف خدا دے جہاز کا

اللہ رے صفاے بیانِ حدیثِ دوست
دم بند ہے فصاحتِ اہلِ حجاز کا

ہوتا ہے شعبدوں سے ترے آسماں سفید
اڑتا ہے رنگ چہرۂ نیرنگ ساز کا

کیوں کر وہ نازنیں نہ کرے بے نیازیاں
اندازے سے بھی حوصلہ عالی ہے ناز کا

ظاہر ہے گرم جوشیِ پروانے کا اثر
روشن ہے حال شمع کے سوز و گداز کا

ساقی زلال و دُرد جو توفیق ہو سو دے
مستوں کو تیرے ہوش کہاں امتیاز کا

ہو جائے حسنِ معنیِ بے صورت آشکار
روے حقیقت الٹے جو پردہ مجاز کا

آنکھیں ہیں ہجرِ یار میں لبریز اشکِ سرخ
سوزِ جگر کو شغل ہے دل کے گداز کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۲۰ ، جدید ص ۳۳۴ -

ہر جمعے کو ظہور کا رہتا ہوں منتظر
مشتاق ہوں امام کے پیچھے نماز کا

ہجرانِ یار میں تنِ خاکی سے تنگ ہوں
ایذاے مرغ روح کو چنگل ہے باغ کا

سوداے عشق میں نہ رہی شانِ خواجگی
محمود بندہ ہو گیا حسنِ ایاز کا

پُتلوں سے خاک کے یہ گڑھے بھرچکیں کہیں
دھبّا مٹے زمیں کے نشیب و فراز کا

ساحل سمجھتے ہیں تہِ دریاے عشق کو
طوفان ناخدا ہے ہمارے جہاز کا

حسن و جمالِ نور جو اسلام کا دکھائے
دیوانۂ پری ہو مقیّد نماز کا

عمرِ خضر سے اس کی زیادہ ہو زندگی
دھوون پیے جو یار کی زلفِ دراز کا

اللہ کے فقیر کا دل کیوں نہ ہو غنی
تکیہ ہے کیسے خسروِ مسکیں نواز کا

نیرنگِ حسن و عشق کی اللہ رے بہار
بے کار کوئی فعل نہیں کارساز کا

عشقِ نہفتہ ہووے گا اشکوں سے آشکار
یہ طفل کھیل کھیلیں گے افشاے راز کا

بیمارِ عشق کے لیے ممکن نہیں شفا
پرہیز سے مقام ہے یہ احتراز کا

چن[1] کر کیا ہے قتل مجھے تیغِ یار نے
کُشتہ ہے دل مرا شرفِ امتیاز کا

مجھ رند کو حلال ہے ، گو مے حرام ہو
پیرِ مغاں کا حکم ہے اس میں جواز کا

آتش جگہ نہ دل میں ہوا و ہوس کو ہو
کم زہر سے اثر نہیں اس شہد آز کا

۱۴۲

[2]حسن سے دنیا میں دل کو عشق پیدا ہو گیا
آ کے اس بازار میں یوسف[4] کا سودا ہو گیا

بوسہ لینے نے کیا ثابت دہانِ یار کو
جس کو نا پیدا سمجھتے تھے ، وہ پیدا ہو گیا

موسمِ گل کی ہوا کرنے لگی نازِ پری
سکّہ بازارِ جنوں کا داغ سودا ہو گیا

ہوش اڑائے صورت آبادِ جہاں کی دید نے
پُتلیوں کو دیکھ کر محوِ تماشا ہو گیا

دل تصوّر کا ترے مسکن ہوا اے بحرِ حسن !
بند جذبِ عشق سے کوزے میں دریا ہو گیا

جلوہ فرمائی نئی صورت سے کی ہر رنگ میں
تو نے جس جامے کو پہنا ، تجھ کو زیبا ہو گیا

---

۱ - طبع نول کشور : "چھپ کر" ۔ متن مطابق طبع علی بخش ۔
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۱ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۳ ، جدید ص ۳۳۵ ۔

سچ ہے جو جیسا کرے، ویسا ہی آ جاتا ہے پیش
عشق کو بدنام کرکے حسن رسوا ہو گیا

اشک افشانی سے محو مجنوں کے ہیں اطفال محو
کھیلنا لڑکوں کا، لڑکوں کو تماشا ہو گیا

فی الحقیقت روشن آئینے کو کرتا ہے غبار
خاکساری سے ہمارا دل مصفّا ہو گیا

تو جو آ نکلا چمن کی سیر کو اے رشکِ حور!
گل ہوئے گلہائے جنّت، سرو طوبیٰ ہو گیا

آنکھیں دکھلانے غزال آئے جو مجنوں کو ترے
ایک تختہ نرگسِ شہلا کا صحرا ہو گیا

آگ پر رکھوا کے جلوانا نہ تھا فرعون کو
پنج شاخے سے بھی روشن دستِ موسیٰ[۴] ہو گیا

خم کدے میں عالمِ طفلی کی کیفیّت ملی
شیرِ دایہ مے کشوں کو خونِ مینا ہو گیا

تیغ سے وہ ابروے خم دار ہے خوں‌ریز تر
جوہرِ ادراک سے حل یہ معمّا ہو گیا

گوش زد کی اس صنم کے داستانِ شرحِ شوق
دل مرا نالوں سے ناقوسِ کلیسا ہو گیا

کور مادر زاد بینا اپنے جلوے سے کیے
حسن روے یار یوسف[۴] سے مسیحا ہو گیا

عشق کرتے ہی ہوئے خواہانِ جاں سوز و گداز
قرض خواہانِ محبّت کا تقاضا ہو گیا

مر چکے تھے پیاس کے مارے ترے مشتاق یار!
زندگانی وعدۂ دیدارِ فردا ہو گیا

تو نے لٹکایا جو گچھا موتیوں کا کان میں
آسمانِ حسن پر طالع ثریّا ہو گیا
ہو سکا ممکن نہ دامِ فکر آتش سے شکار
مرغِ مضمونِ دہانِ یار عنقا ہو گیا

۱۴۵

[1]لباسِ یار کو میں پارہ پارہ کیا کرتا
قبائے گل سے اسے استعارہ کیا کرتا
بہار گل میں ہیں دریا کے جوش کی لہریں
بھلا میں کشتیِ مے سے کنارہ کیا کرتا
نقاب اُلٹ کے جو منہ عاشقوں کو دکھلاتے
تمھیں کہو کہ تمھارا نظارہ کیا کرتا
سنا جو حالِ دلِ زار یار نے تو کہا
طبیب مرتے ہوئے کا ہے چارہ کیا کرتا
ہلالِ عید کا ہرچند ہو جہاں مشتاق
تمھاری ابروؤں کا سا اشارہ کیا کرتا
حقیقتِ دہنِ یار کھولتا کیوں کر
نہفتہ راز کو میں آشکارہ کیا کرتا
قدم کو پیچھے رہِ خوف ناکِ عشق میں رکھ
یہ پہلے دیکھ لے دل ہے اشارہ کیا کرتا
خُمِ شراب سے مجھ مست نے نہ منہ پھیرا
کنارِ آب سے پیاسا کنارہ کیا کرتا

---

۱ - کلیات طبع نول کشور ص ۲۳۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۳ ، جدید ص ۳۳۶ -

بہار تھی جو وہ گل چہرہ یار بھی ہوتا
اکیلے جا کے چمن کا نظارہ کیا کرتا

پڑی ہے خالِ رخِ یار پر نظر دیکھیں
اثر ہے اپنا یہ مشکیں ستارہ کیا کرتا

گداز موم سے ہر استخواں کو پاتا ہوں
پھر اور سوزشِ دل کا حرارہ کیا کرتا

بڑا ہی خوار علاقہ ہے گلشنِ اُلفت
مری طرح کوئی اس میں اجارہ کیا کرتا

شرابِ خلد کی خاطر دہن ہے رکھتا صاف
وضو میں ورنہ یہ زاہد غرارہ کیا کرتا

شکستہ دل نہ ہو اس بت کے ناز سے کیوں کر
سلوک شیشے سے ہے سنگ خارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں پیالہ لگا لیا منہ سے
شراب پینے کو میں استخارہ کیا کرتا

فقیر کو نہیں درکار شان امیروں کی
سرِ برہنہ، سرِ گوشوارہ کیا کرتا

بہارِ گل میں تھا جامے سے باہر اے **آتش**
نہ کرتا میں جو گریباں کو پارہ، کیا کرتا ؟

۱۴۶

[1]ساقی ہوں تیس روز سے مشتاق دید کا
دکھلا دے جام مے میں مجھے چاند عید کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۴ ، جدید ص ۳۳۷ -

موقع ہوا نہ اس رخِ روشن کی دید کا
افسانہ ہی سنا کیے ہم صبحِ عید کا
افسانہ سنیے یار کا ، ذکر اس کا کیجیے
مقصود ہے یہی مری گفت و شنید کا
شیدائے حسنِ یار کس اقلیم میں نہیں
محبوب ہے وہ ماہ قریب و بعید کا
حاضر ہے چاہے جو کوئی نعمت فقیر کی
شیریں کلام اپنا ہے ، توشہ فرید کا
مرّیخ کا ہے ظلم و ستم کس شمار میں
پیرِ فلک کو رتبہ ہے تیرے مرید کا
حجّت دہانِ یار میں کیوں کر نہ کیجیے
منظور ہے ثبوت ہمیں ناپدید کا
لیتا ہے بوسہ دے کے وہ سیمیں عذار دل
یہ حال عاشقوں کا ہے جو زرخرید کا
آرائش ان کی قتل کرے ہم کو بے گناہ
درکار مہندی گندھنے کو ہو خوں شہید کا
بندِ قبائے یار کے عقدے ہوں لاکھ قفل
گستاخ ہاتھ کام کریں گے کلید کا
دل بیچتے ہیں عاشقِ بے تاب لیجیے
قیمت وہ ہے جو مول ہو مالِ مزید کا
اپنی طرف ان ابروؤں کے رخ کو پھیرے
اللہ زور دے جو کماں کی کشید کا
سودائیوں کو حاکمِ ظالم سے ڈر نہیں
داغِ جنوں ہر ایک نگیں ہے حدید کا

اُس رخ پہ ابروؤں سے مسوں کو سمجھ نہ کم
ہر آیہ ہے فصیح کلامِ مجید کا
کُنجِ قفس میں پہنچی صبا لے کے بوے گل
خط آ گیا بہارِ چمن کی رسید کا
شادیِ بے محل سے بھی ہوتا ہے دل کو غم
اندوہِ طفل جمعہ کو ہونا ہے عید کا
قاتل رہا کرے گی شبِ جمعہ روشنی
کوچے میں تیرے ڈھیر ہو تیرے شہید کا
موسیٰؑ کی طرح ہم کو بھی دیدار کا ہے شوق
آنکھوں کو حوصلہ ہے تجلّی کی دید کا
صورت کو تیری دیکھنے آتے ہیں قرعہ بیں
رخ پر یقین ہے انھیں شکلِ سعید کا
چسپاں بدن سے یار کے ہو کر قباے ناز
حیرانِ کار رکھتی ہے قطع و برید کا
بے جرم تیغِ عشق سے دل ہو گیا ہے قتل
سینہ مرا مقام ہے مردِ شہید کا
دیوانہ زلفِ یار کی زنجیر کا ہے دل
رہتا ہے صدمہ روح کو قیدِ شدید کا
خوں ریز جس قدر کہ ہو اس سے عجب نہیں
آتش فراقِ یار پدر ہے یزید کا

۱۴۷

اعشقِ مژگاں کا مزہ بھی کوئی دم بھر ملتا
کاٹتے اپنے گلے ، ہم کو جو خنجر ملتا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۳ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۴، جدید ص ۳۳۸ -

عشق کا آئنۂ دل کو ہے جوہر ملتا
تن کو سودے کے لیے یار کے ہے سر ملتا
تیرے مستانوں کو جنّت میں کہیں گھر ملتا
ہاتھ سے حور کے جامِ مئے کوثر ملتا
دہنِ یار نہ آنکھوں کو دکھائی دے گا
زندگی میں ہے کسے چشمۂ کوثر ملتا
ہاتھ پر بیٹھ کے اس ترک کو دیتا خطِ شوق
کوئی ایسا نہیں شاہین کبوتر ملتا
وحشتِ دل کبھی صحرا کو جو لے جاتی ہے
ہر بگولا ہے گلے سے مرے اٹھ کر ملتا
فی الحقیقت تری زلفوں کی جو ہوتی خوش بو
مشک ملتا نہ کسی کو، نہ تو عنبر ملتا
واہ ری پست و بلندِ رہِ اُلفت اس میں
کوئی تختہ جو زمیں کا ہو برابر ملتا
خلعتِ بالِ ہُما دے کے روانہ کرتے
نامۂ شوق کا حامل جو کبوتر ملتا
نقشِ بد نقشِ محبّت سا نہ ہوگا کوئی
سیکڑوں مہرۂ گل ہے مجھے ششدر ملتا
سامنا آنکھ اُٹھا کر نہیں نرگس کرتی
جھک کے اس سروِ رواں سے ہے صنوبر ملتا
دل بہت سینے میں بے تاب ہے اس پر رکھتے
صبر سے بھی کوئی بھاری سا جو پتّھر ملتا
عید کا روز ہے، مسکین ہیں فطرہ لیتے
خیر خم ہم کو بھی ساقی کوئی ساغر ملتا

لبِ شیریں سے وہ دشنام دیا کرتے ہیں
زہر ہو کر ہے مجھے قندِ مکرّر ملتا
بادشہ حسن نے اے یار! بنایا ہے تجھے
خطبہ پڑھتا ہوں ترا میں جو ہے منبر ملتا
ہم بھی اللہ سے دولت کی تمنّا کرتے
سیم بر یار جو کوئی عوضِ زر ملتا
نہ کیا تُو نے تعیّن ہی مکاں کا ورنہ
دلِ مومن میں سمجھتا جو ترا گھر ملتا
ابرِ نیساں کا کرم رہتا ہے ہر سال اس پر
تیرے دنداں سا صدف کو نہیں گوہر ملتا
کیا سمجھ کر اسے اخواں نے کنویں میں پھینکا
خوب صورت نہیں یوسفؑ سا برادر ملتا
نالہ بلبل کا نہ سنتا ، یہ غرور آ جاتا
گوشِ گل کو جو ترے کان کا زیور ملتا
وحشتِ دل کا تقاضا ہے نکل چلنے کا
تنگ ہوں ، گنبدِ گردوں کا نہیں در ملتا
اے پری! شیفتہ ہوتے ترے جنّ و انساں
عشق بازوں سے سلیماںؑ کا لشکر ملتا
تیری تمثال سے روشن یہ ہوا آتشِ حسن
آئنے کو بھی ہے اقبالِ سکندر ملتا
بیٹھ جاتا ، نہ کھڑے رہنے کی طاقت رہتی
چرخ کو میری طرح سے کبھی چکّر ملتا
کیا عجب عاشقِ بے صبر کو بوسہ جو وہ دیں
یہ تواضع بھی ہے مفلس سے تونگر ملتا

دھجیاں خوب ہی لیتا میں بہارِ گل میں
مجھ کو آتش جو گریبانِ رفوگر ملتا

۱۴۸

[1]دل کو فزوں چمن کی مٹی سے سرد پایا
گیندے سے میں نے اپنے چہرے کو زرد پایا

حسن و جمال پر ہے زیبا غرور تجھ کو
بے مثل ، بے نظیر و یکتا و فرد پایا

پارس کا کام سنگِ در سے عجب نہیں ہے
اکسیر کو تمھارے کوچے کی گرد پایا

ہر چند حالتِ دل نا گفتنی تھی لیکن
رو کر کہا کچھ اُس سے جو اہلِ درد پایا

اندھیر ہے جو تیری چشمِ سیہ سے کم ہے
گردش کا اس کی سرمۂ دنبالہ گرد پایا

باغِ جہاں میں حقِ انصاف سے نہ گزرے
شربت بنایا بہرِ بلبل جو درد پایا

سودے میں گیسوؤں کی زنجیر کے جنوں نے
مجنوں سے مجھ کو طرہ صحرا نورد پایا

خالِ رخِ صنم نے گولی کی کی نہ گرمی
کافور کی طرح سے یہ مشک سرد پایا

ہونے لگی ہویدا نیرنگ سازیِ عشق
گاہے سفید ، گاہے رنگ اپنا زرد پایا

---

۱ - کلیات طبع دلی بخش ص ۲۳۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۵ ، جدید ص ۳۲۹ ۔

کس کس ستارے سے شب اے مہ لقا ! لڑی ہیں
آنکھوں کو تیری ہم نے مرد نبرد پایا
کرتے مصوّر اس کو تصویر خضر میں صرف
ہوتا جو تیرے خط سا کچھ لاجورد پایا
میں بھاگتا ہوں ، دنیا آ آ کے ہے لپٹتی
آتش مجھی کو اس نے شاید کہ مرد پایا

۱۴۹

[1]خدا نے برقِ تجلّیٔ جمال دیا
ہماری آنکھوں کو دیدار کا خیال دیا
کسی کو ملک دیا ہے ، کسی کو مال دیا
فقیر ہوں ، مجھے اللہ نے ہے حال دیا
فریبِ حسن نے ، سکھلائی ان کو صیّادی[2]
شکار کھیلنے کو گیسوؤں کا جال دیا
چلا تو بت کدے کی سیر کو مؤذن ہے
ہلا دیا جو بتوں کو پہاڑ ڈال دیا
یقیں ہے صورتِ عاشق سے ان کو وحشت ہو
فسونِ سرمہ نے ہے دیدۂ غزال دیا
لبوں تک آئی ہوئی بات پی گئے سو بار
زباں کو دل نے نہ اذنِ بیانِ حال دیا
دکھا کے حسنِ زنخدانِ یار کا عالَم
ہماری آنکھوں نے دل کو کنویں میں ڈال دیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۵ ، جدید ص ۳۴۰ - چمن بے نظیر ص ۲۳ پر سات شعروں کا انتخاب ہے .
۲ - نول کشور قدیم : ''ان کو سکھائی صیادی'' .

شراب ابر میں کیوں کر پئیں نہ اے ساقی!
ترے کرم سا ہے ہم کو شفیقِ حال دیا
گلے میں ڈالتے ہی پوست کی طرح لپٹی
قبا نے سانچے میں اندامِ یار ڈھال دیا
بنایا جب ترے پُتلے کو دستِ قدرت نے
ہر ایک عضوِ بدن اس کو بے مثال دیا
مرید کرکے مجھے پیرِ عشق نے اپنا
مشاہدے کو اک آئینۂ جمال دیا
ہوا ہوں اہلِ دول سکّہ ہائے داغ سے میں
جنوں نے صدقۂ حسنِ پری ہے مال دیا
چلیں گے باغ، اگر ہم کو بھی مقدّر نے
رفیقِ سیرِ چمن کوئی نونہال دیا
چکھا کے خوان کا اپنے نمک توکّل نے
زبان کو مزۂ لقمۂ حلال دیا
نظر پڑا کئی دن سے نہیں وہ ابرو کج
چھپا ہے جب سے، دکھائی نہیں ہلال دیا
ہوا ہے سامنے جب تیرے روئے رنگیں کے
صبا نے گل کو ہے آزارِ گوشمال دیا
جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے چودھویں کا چاند
شبابِ حسن نے ہے یار کو کمال دیا
بہت مرے دلِ صد چاک سے اُلجھتی تھی
تمہاری زلف کا شانے نے بل نکال دیا
تپِ فراق سے جاں اپنی جا چکی ہوتی
صنم نے راہِ خدا شربتِ وصال دیا

صفا میں تیرے سے چمکے ہوئے نہ پائے دانت
لبوں کو رنگ ترے لعل سے بھی لال دیا

ہوئی ہے خالِ رخِ یار پر ملاحت ختم
نمک یہ حسن نے زنگی کو خال خال دیا

جلاے آئنۂ رخ سے نشۂ مے نے
جمالِ یار کو ہے خلعتِ جلال، دیا

غرورِ حسن سے بے جا جو ناز کرنے لگے
بتوں کو کعبے سے اللہ نے نکال دیا

ادا ہو شکر ترے فیضِ عام کا کس سے
ہر ایک ذرے کو خورشیدِ لازوال دیا

صفاے رخ کا ملا لطف، خط کے بوسے سے
قضا نے درد میں ہے نشۂ زلال دیا

شرف سے دستخطِ یار کے پھرا محروم
جواب صاف ملا، لکھ کے جب سوال دیا

سرورِ یار سے حاصل ہوا سرور مجھے[1]
ملالِ دوست نے دل کو مرے ملال دیا

شبِ وصال میں اس چہرۂ منوّر سے
ہٹا کے زلف کو آتش بلا کو ٹال دیا

---

۱ - کلیات طبع نول کشور: ''سرور تجھے'' ہے - کلیات طبع علی بخش اور چمن بے نظیر: ''سرور مجھے -''

۱۵۰

[1]غزل جو ہم سے وہ محبوب نکتہ داں سنتا
زمینِ شعر کا افسانہ آسماں سنتا

فراقِ رخ سے ہے بعدِ مرگ بھی دشوار
زمیں کے نیچے بھی ہوویں تو آسماں سنتا

کھلے نہ حالتِ دل کو زبان کا احوال
سنا کرے ہے اگر گوش بے زباں سنتا

خوشی سے جامے میں پھولا نہیں سماتا ہے
بہارِ گل کی جو آمد ہے باغباں سنتا

زباں کون سی مشغولِ ذکرِ خیر نہیں
کہاں کہاں نہیں میں تیری داستاں سنتا

قریب ہے یہ کہ حاصل کروں حضور رسی
پتا لگایا ہے ، دل ہوں ترا مکاں سنتا

خوشی کے مارے زمیں پر قدم نہیں پڑتے
جرس سے مژدۂ منزل ہے کارواں سنتا

نہ پوچھ ،کان میں کیا کیا کہا ہے ،کس کس نے
پھرا ہوں تیری خبر میں کہاں کہاں سنتا

فسانۂ رخِ رنگینِ یار کیا کہتے
چمن کو آگ لگاتا جو باغباں سنتا

زباں سے مری یوسف نہیں کہا جاتا
تمھارے حسن کے سودے کو ہوں گراں سنتا

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۵ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۶ ، جدید ص ۳۴۱ ۔

نکلتا ہے جو وہ خوں خوار اوچھی بن کر
ہر اک طرف سے ہوں آوازِ الأماں سنتا
کچھ احتیاج نہیں مجھ کو حرزِ بازو کی
اجل کو اپنی ہوں اپنا نگاہباں سنتا
مری فغاں سے ہے گیسوے یار بل کھاتا
ملال ہوتا ہے، کافر ہے جب اذاں سنتا
بہار آئنہ دکھلا رہی ہے، حیراں ہے
ہزار کہیے، نہیں ایک باغباں سنتا
کیا ہے زرد یہ سوداے خالِ مشکیں نے
وہ رنگ ہے کہ جو تھا رنگِ زعفراں سنتا
چمن کو کوچہٗ قاتل مگر ہے سمجھا تُو
شہید تجھ کو ہوں اے نخلِ ارغواں سنتا
یہ شوقِ بوسہ ہے منہ اس کا چوم لیتا ہوں
زباں سے جس کی ترے رخ میں ہوں دہاں سنتا
مجھے وہ روشنیِ خانہ یاد آتا ہے
کسی کے گھر میں جو ہوں دوست میہماں سنتا
جواب اُلٹ کے نہ کیونکر میں اس کے بدلے دوں
کڑی مرے لیے ہے گوش بے زباں سنتا
رسائی دیر میں ہوتی جو برہمن کی طرح
بتوں کو چھیڑ کے دو چار گالیاں سنتا
اَن ابروؤں کو ہیں شاعر بھی کہہ رہے کچھ کچھ
کسی سے تیغ، کسی سے ہوں میں کماں سنتا
کہوں میں بال جو اس کو تو بال شیشے کا
کمر کو ہوں تنِ نازک کے درمیاں سنتا

فراقِ یار کو اے صبر زور تو نہ جتا
پچھاڑتا ہے یہ ، جس کو ہے پہلوان سنتا

قضا کے تیر کو دے کر نشانہ بنتا ہے
کوئی جو ابروے خم دار سی کہاں سنتا

قصور مجھ سے ہوا ہو جو کچھ معاف کرو
خفا مزاج تمھارا ہوں مہربان سنتا

جفا و جور و ستم میں مقابلہ کرتا
وہ تُرک اگر فلکِ پیر کو جوان سنتا

یہ چل رہی ہے ہوا باغِ دہر میں کیسی
نہ گل سا رخ ، نہ تو غنچے سا ہوں دہاں سنتا

نہالِ قد کے ہو سودے میں جب سے زرد آتش
تمھارا نام ہوں میں شاخِ زعفران سنتا

۱۵۱

[۱]لباس سرخ پہن کر جو وہ جواں نکلا
پناہ مانگتا مرّیخِ آسماں نکلا

خراب پھرتے تھے عالم میں دل کو بھولے ہوئے
مکانِ یار کا دیوار درمیاں نکلا

وہ زلف ہو گئی زنجیر اپنے سودے کو
کہاں سے جا کے ہے یہ سلسلہ کہاں نکلا

ملاحتِ ذقنِ یار کا ہے ہر سُو شور
عجیب لطف کا کھاری ہے یہ کنواں نکلا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۶ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۷ ، جدید ص ۳۴۲ -

بندھے دہان و کمر کے ہزارہا مضمون
زمینِ شعر سے گنجینۂ نہاں نکلا
کھُلا نہ آتشِ سودائے عشق کا پردہ
وہ سُو ہوا جو مرے مغز سے دھواں نکلا
تلاش ہم نے ہزاروں ہی لشکروں میں کی
قدِ بلند سا تیرے نہ اک نشاں نکلا
سنیں گے قصۂ یوسف[۴] زباں سے ان کی
کوئی ہماری طرف سے جو کارواں نکلا
شباب کھو کے، گئی جان رنجِ پیری سے
بہار لوٹ کے گلشن سے باغباں نکلا
کہا جو شاعروں نے اس کو چشمۂ شیریں
کھلا ہمیں کہ اب ان سے ترا دہاں نکلا
دیا نہ تم نے کبھی بوسۂ لبِ شیریں
مزہ نہ مہر و محبّت کا مہرباں نکلا
سنا ہے شور سگِ کوے یار جب ہم نے
خوشی سے پوست کے باہر ہے استخواں نکلا
جنونِ عشق میں کی کوچۂ بتاں کی جو سیر
بلند کعبے سے ہر گھر کا آستاں نکلا
دکھائی دیتی ہیں آنکھوں کو صورتیں ہر سُو
یہ گنبدِ فلک آئینے کا مکاں نکلا
مقامِ شکر ہے دے آسماں جو خرقۂ فقر
کفن پہن کے ہے اس گھر سے میہماں نکلا
شبِ فراق میں بے چہرۂ منوّرِ یار
ہوا ہے داغ مجھے، چاند ہے جہاں نکلا

کرے گا کیا کوئی دنیا میں سرکشی آتش
یہ وہ مقام ہے جھک کر ہے آسماں نکلا

۱۵۲

اُجا کر قفس میں عاشقِ صیّاد ہو گیا
بلبل کا حال قابلِ فریاد ہو گیا

تو روشنیِ عالمِ ایجاد ہو گیا
ویرانہ تیرے جلوے سے آباد ہو گیا

سختیِ ہجرِ یار سے دل میں ہؤا جو درد
مومی ہماری آہ سے فولاد ہو گیا

حافظ رخِ کتابیِ محبوب کے ہیں ہم
یہ "احسن القصص[۲]" ہے ، ہمیں یاد ہو گیا

اللہ کے سوا نہ کسی نے کبھی سنا
نالہ مرا غریب کی فریاد ہو گیا

پھر آئے رنگِ رفتہ جو رخ پر عجب نہیں
اکثر ہے چہرۂ نظری صاد ہو گیا

وہ شب ہے کون سی کہ نہیں لطفِ نوشہی
فکرِ سخن عروس میں داماد ہو گیا

زلفوں کو رکھ کے مایۂ سودا ہؤا وہ رخ
دو پر لگا کے یار پری زاد ہو گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۶ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۸ ، جدید ص ۳۴۳ -

۲ - حضرت یوسف[ؑ] کے واقعے کو قرآن میں "احسن القصص" فرمایا گیا ہے -

ساقیِ ماہ رُو نے پلائی شرابِ عشق
تفریحِ روح کو ہوئی ، دل شاد ہو گیا
دکھلایا آبِ جُو نے چمن میں جو آئنہ
گلچینِ باغِ حسن وہ صیّاد ہو گیا
سایے کی طرح سے مرے پھرتا ہے ساتھ ساتھ
عشق اس پری جمال کا ہمزاد ہو گیا
کم حکمِ شرع سے نہیں ایمائے حسن بھی
بے جرم بے قصور وہ جلّاد ہو گیا
کپڑے رنگے جو خونِ احبّا سے یار نے
مریخِ چرخِ کشتۂ بیداد ہو گیا
سرمے سے چشمِ یار بنی مفسدوں کی جڑ
لب رنگِ پاں سے ظلم کی بنیاد ہو گیا
رنگوایا بلبلوں کے جو خوں سے بہار میں
گلزار رشکِ خانۂ صیّاد ہو گیا
خورشید سے زیادہ ہوئی اس میں روشنی
جو ذرّہ تیری راہ میں برباد ہو گیا
اے سوزِ عشق! نرم دلِ سخت یار کر
اکسیر ہے جو کشتہ یہ فولاد ہو گیا
ہجرِ صنم میں پھوڑ کے سر ، دل نے جان دی
فارغ پہاڑ کاٹ کے فرہاد ہو گیا
نقش اس الف سے قد کا کیا جب کہ عشق نے
دل صاف ہو کے چہرۂ آزاد ہو گیا
قدّ بلند یار کو شمشاد جو کہا
گیسو لٹک کے طرّۂ شمشاد ہو گیا

غیرت کے مارے یار ہوا غیر سے خلاف
یہ اتّفاق بھی ہے خداداد ہو گیا

موقوف سخت روئی ہوئی خط سے یار کے
بُوٹی سے کشتہ بیضہ فولاد ہو گیا

پھرتے ہیں ڈھونڈھتے ، نظر آتا نہیں کہیں
کوے بتاں بھی گلشنِ شدّاد ہو گیا

زنجیر اس بہار میں ہلکی اگر گڑھی
ہاتھ اپنا طوقِ گردنِ حدّاد ہو گیا

مژگاں کی طرح گردشِ چشمانِ یار سے
زیر و زبر ہی عالمِ ایجاد ہو گیا

تحصیلِ علم روح کی شائق ہوئی جو روح
شاگرد کرکے مجھ کو دل اُستاد ہو گیا

بلبل کے نالے لے اُڑے فصلِ بہار میں
دیوانہ کپڑے پھاڑ کے صیّاد ہو گیا

دیوانگی نے دامِ خرد سے نجات دی
عشقِ پری کے صدقے سے آزاد ہو گیا

کرتا ہے یار دستِ حنائی سے قتلِ عام
مہندی کا خون کرکے ہے جلّاد ہو گیا

ساقی ! حدیث اس کو سمجھتے ہیں تیرے مست
پیرِ مغاں کے منہ سے جو ارشاد ہو گیا

رسوا ہوا میں ، پردہ کھلا تیرے عشق کا
اشکوں سے رنج نا خلف اولاد ہو گیا

بوسوں کے بدلے ملتی ہیں **آتش** کو گالیاں
شایانِ لطف موردِ بیداد ہو گیا

۱۵۳

'سامنے جو پڑ گیا ، دیوانۂ بے باک تھا
پھاڑ کر آنکھیں جسے دیکھا ، گریباں چاک تھا
عالمِ ایجاد بھی طُرفہ طلسمِ خاک تھا
کاسہ گر مٹّی تھا ، مٹّی کاسہ ، مٹّی چاک تھا
یوں تو تیرے تیر کے نخچیر تھے سب خوش نصیب
وہ بلند اقبال تھا جو بستۂ فتراک تھا
بے ترے شب کو چھری چلتی تھی اے خورشیدِ حسن
جو ستارہ تھا ، سوا مرّیخ سے سفّاک تھا
لعلِ لب کے جس سے مضموں ڈھل گئے فکر اس کی ہے
ان نگینوں کو تراشا جس نے ، وہ حکّاک تھا
جامہ زیبی میں نہ دی تشبیہ میں نے یار سے
وہ خوش اندامی نہ تھی ، گل لاکھ خوش پوشاک تھا
اینڈتا تھا تیرے مستوں کی طرح سے باغ میں
صاحبِ کیفّیت اپنے سلسلے میں تاک تھا
بوئے گل کی طرح گردِ راہ دکھلائی نہ دی
یار کا گلگوں ، نسیمِ صبح سے چالاک تھا
مردمِ دیدہ ترا رو رو کے جب کرتے تھے ذکر
اشک جو تھا ، دانۂ تسبیحِ خاکِ پاک تھا
پار اُترا صاف بحرِ بے کنارِ عشق سے
روتے روتے مر گیا جو ہجر میں تیراک تھا

---

۱ - کنیات طبع علی بخش ص ۳۷۷ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۸ ، جدید ص ۳۴۵ -

دیدۂ عارف سے جب دیکھا تو یہ روشن ہوا
مظہرِ نورِ الٰہی حسن مشتِ خاک تھا

چشم نامحرم کو برقِ حسن کر دیتی تھی بند
دامنِ عصمت ترا آلودگی سے پاک تھا

ساتھ دے سکتے نہ تھے صحرا نوردی میں مرا
جوشِ وحشت میں غزالوں سے بھی میں چالاک تھا

تیرے کوچے کا چمن پر دل کو آ جاتا تھا شک
سُنبل و گل اپنی آنکھوں میں خس و خاشاک تھا

صید بندی کا تجھے جب شوق تھا اے شہ سوار!
حلقۂ دامِ محبّت رشتۂ فتراک تھا

جسم گل کھائے ہوئے ساعد ترے چھلّوں کے تھے
غیرتِ صبحِ بہار اُس آستیں کا چاک تھا

جائے آب اس مست کو ملتی ہے انگوری شراب
اعتقادِ پاک سے جو خوشہ چینِ تاک تھا

جب رلاتا تھا تصوّر لالہ رُویوں کا ہمیں
طفلِ اشک اک ایک مستِ نشّۂ تریاک تھا

عالمِ تشبیہ میں کہتا صنوبر کس کو میں
یار کا بُوٹا سا قد موزوں تھا، وہ کاواک تھا

رات بھر تھا چشم غول آنکھوں میں اپنے ہر چراغ
شہر بھی بے یار اک صحرائے وحشت ناک تھا

کر گئی جب روح مرجع کی طرف اپنے رجوع
خاک میں وہ مل گیا جو جسم **آتش** خاک تھا

۱۵۴

[1]ساقی ! شراب سے رہے قصرِ فلک بھرا
شیشے کی طرح ہے سے شکم حلق تک بھرا

صحبت برار ہونے کی صورت نہیں کوئی
میں بد گماں ہوں اور مرا یار شک بھرا

حسنِ ملیح پر نہ کرو اس قدر گھمنڈ
کانِ نمک میں لاکھوں ہی من ہے نمک بھرا

رو رو کے میں نے دل نہیں خالی کیا ہنوز
پانی ابھی سما سے کہاں تا سمک بھرا

صحرا میں جا کے لائے حرارت جو آبلے
پاؤں نے ان میں پیس کے خارِ خسک بھرا

آئی بہار ، رکھ دے مرے آگے ساقیا !
لبریزِ بادہ جام ، پیالہ گزک بھرا

رات انتظارِ یار میں جھپکیں جو نیند سے
آنکھوں کو اپنی چیر کے میں نے نمک بھرا

قل ہو فراقِ یار میں کس کس کا دیکھیے
تاروں کے نقل سے ہے یہ خوانِ فلک بھرا

آتش ہمیشہ سیر ہوا خوانِ حسن سے
نیّت کو رکھے بوسۂ لب کی چشک بھرا

---

۱ ۔کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۸ ، نول کشور قدیم ص ۲۱۹ ، جدید ص ۲۶۶ ۔

۱۵۵

عشق کے سودے سے پہلے دردِ سر کوئی نہ تھا
داغِ دل خندہ زن زخمِ جگر کوئی نہ تھا

غیرِ یار آنکھوں میں اپنی جلوہ گر کوئی نہ تھا
مردمانِ چشم سا اہلِ نظر کوئی نہ تھا

روے رنگیں سا ہو گل جس میں شجر کوئی نہ تھا
باغ میں سیبِ زنخداں سا ثمر، کوئی نہ تھا

جوہری کی آنکھ سے دیکھے جواہر بیش تر
لعلِ لب سا لعل، دنداں سا گہر، کوئی نہ تھا

خوب صورت یوں تو بہتیرے تھے لیکن یار سا
نازنیں، نازک بدن، نازک کمر کوئی نہ تھا

رہ گئی دل ہی میں اپنے حسرتِ اظہارِ شوق
لکھ کے خط جب ہم نے ڈھونڈھا نامہ بر، کوئی نہ تھا

میرے نالوں نے جو شب کی تھی قیامت آشکار
جاگتا تھا فتنہ جو تھا، بے خبر کوئی نہ تھا

دوست دشمن یار رکھتا خاطر اپنی کیا عزیز
عیبِ الفت کے سوا ہم میں ہنر، کوئی نہ تھا

کھینچ لاتا تھا ہمارا جذبۂ دل یار کو
نالہ و افغاں سے جو تھا بے اثر کوئی نہ تھا

کون سے حلقے میں ان زلفوں کے تھے اک دو نہ دل
خانۂ زنجیر سا آباد گھر کوئی نہ تھا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۸، نول کشور قدیم ص ۲۱۹، جدید ص ۳۶۴ -

تیغ کے جوہر دکھاتی تھی وہ ابرو جن دنوں
آشنا گردن سے اپنی سر کوئی نہ تھا
دیدہ و دل تھا منّور ، تیرے نورِ حسن سے
جلوہ فرما ہو نہ تُو جس میں ، وہ گھر کوئی نہ تھا
رکھتی تھی زلفِ رسائے یار ہر اک مُو دراز
کون سے قصّے کو کہتا مختصر کوئی نہ تھا
عہدِ پیری میں جوانی تھی ، نہ اس کے ولولے
محفلِ شب میں سے ہنگامِ سحر کوئی نہ تھا
بلبلِ تصویر تھا باغِ جہاں میں تیری طرح
باوجودِ بال و پر ، بے بال و پر کوئی نہ تھا
معرکے میں عشق کے سر ہاتھ پر رکّھے ہوئے
واپسیں دم تک تو مجھ سے پیشتر کوئی نہ تھا
یار آ نکلا تو تھا صورت دکھاتا میں کسے
جھٹ پٹے کا وقت تھا ، شمس و قمر کوئی نہ تھا
عشق کس کو حسنِ دلکش سے نہ تھا اے جانِ جاں
فکر سے غافل تری ، جنّ و بشر کوئی نہ تھا
چاشنی دونوں کی چکّھی ہے جو حق حق پوچھیے
ان لبِ شیریں سے شیریں نیشکر کوئی نہ تھا
لے چلے ہستی سے داغِ عشق **آتش** شکر ہے
منزلِ ملکِ عدم کا ہم سفر کوئی نہ تھا

۱۵٦

[1]دیوانہ ہے دل یار ! تری جلوہ گری کا
مشتاق نہایت ہی یہ شیشہ ہے پری کا

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۹، نول کشور قدیم ص ۲۲۰ ، جدید ص ۳۴۷ ۔

انداز کہاں یہ روشِ حور و پری کا
دم بند ہے ٹھوکر سے تری کبکِ دری کا

ہنگامہ گل و لالہ کی ہے جیب دری کا
دیوانہ ہوا چاہیے شیشے کی پری کا

ساقی کی نگاہوں نے مرے ہوش اڑائے
آنکھوں سے دیا جام مئے بے خبری کا

اک بوٹے سے قد کا ہے زبس نقش جو بیٹھا
دل رنگ دکھاتا ہے عقیقِ شجری کا

پیری میں رخ ان ابروؤں کا اپنی طرف چاہ
سیفی کا سا ہے حال دعاے سحری کا

تلوار کے مقتولوں میں محسوب ہے وہ بھی
کُشتہ ہے جو اے ترک ! تری کج نظری کا

آئنہ نہیں دیکھتے ، زلفیں نہیں بنتیں
کم سن ہیں وہ ، عالم ہے ابھی بے خبری کا

سبزہ مری تربت کا ہرا خوب ہوا ہے
ایسے میں ہرن آئیں تو موقع ہے چری کا

کیا جاے ادب ہے ، ترے کوچے کی زمیں پر
پایا نہ کہیں نقشِ قدم ، رہ گزری کا

اک گل کی جدائی ہے شب و روز رلاتی
مژگاں نہیں گرد آنکھوں کے ، سبزہ ہے پری کا

لکھتا ہوں جو میں شرح تری خوش روشی کی
بنتا ہے سرِ خامہ قدم کبکِ دری کا

کرتا ہوں جو میں حسرتِ پرواز میں نالے
صیّاد کو غم ہے مری بے بال و پری کا

بے وجہ لباس اپنا نہیں سرخ یہ رکھتا
مرّیخ ہے پیرو تری بیداد گری کا
کس مارِ سیہ میں نہیں اس زلف کی لہریں
کس مور کو دعویٰ نہیں نازک کمری کا
گل پھولے سماتے نہیں ہیں جامے میں اپنے
ادنیٰ یہ شگوفہ ہے نسیمِ سحری کا
اک کانِ ملاحت کے ہیں پامالوں میں ہم بھی
چکھتا ہے مزا ہم نے بھی شوریدہ‌سری کا
دم لاکھ محبّت کا تری غیر بھریں یار!
باور نہ کیا چاہیے کھوٹوں کی کھری کا
اورنگ نشیں ملکِ جنوں میں نہ ہو کیونکر
افسر سرِ دیوانہ کو سایہ ہے پری کا
طے مرحلۂ عشق، خدا چاہے تو ہووے
اس راہ میں توشہ ہے توکّل، سفری کا
پیری میں رہا روشنیِ فکر سے عالم
خورشید لبِ بام، چراغِ سحری کا
دیوانہ ہے کس چاند سے رخسار کا آتش
زنجیر کا غل قہقہہ ہے کبکِ دری کا

۱۵۷

[1]اک سال میں دس دن بھی جسے غم نہیں ہوتا
وہ شہر ہے جس میں کہ محرّم نہیں ہوتا
سنبل میں تری زلف کا عالم نہیں ہوتا
محراب میں ان ابروؤں کا خم نہیں ہوتا

---
۱ ـ کلیات طبع علی بخش ص ۳۴۰، نول کشور قدیم ص ۲۲۱، جدید ص ۳۴۸

اک جام میں کھُلتا ہے طلسمات جہاں کا
مستی میں کسے مرتبۂ جم نہیں ہوتا
نشتر کی طرح چھیڑتی رہتی ہیں وہ مژگاں
کس چاہنے والے کا لہو کم نہیں ہوتا
تلوار کی موت اس کے نصیبوں میں نہیں ہے
ابرو کے اشارے سے جو بے دم نہیں ہوتا
بے عشق سے زنہار نہ کر تذکرۂ حسن
کہتے نہیں راز اس سے جو محرم نہیں ہوتا
اک رشکِ مسیحا کے تصوّر میں ہے یہ حال
آنکھوں میں ہے جاں اور فنا دم نہیں ہوتا
فرقت میں تری کون سی شب کو نہیں روتا
کب سینہ زنی سے مری ماتم نہیں ہوتا
پیدا کرے گو موم کی وہ جسم گدازی
زخمِ دلِ احباب کا مرہم نہیں ہوتا
آتی ہے یہی معرکۂ عشق سے آواز
یاں کشتہ نہ ہو جو وہ مسلّم نہیں ہوتا
کم موت کے آنے سے نہیں یار کا جانا
قالب میں جو ڈھونڈھو تو کہیں دم نہیں ہوتا
اس زلف کی بُو سونگھی ہو جس نے وہی جانے
افعیِ سیہ رنگ میں یہ سَم نہیں ہوتا
مقبول ہے جو ذرّہ کہ درگاہ کو تیری
وہ ملتفتِ نیّرِ اعظم نہیں ہوتا
شیشے میں جو ہے روشنیِ بادۂ گلگوں
فانوس میں یہ شمع کا عالم نہیں ہوتا

بے صرفہ لٹے دولت دیدار شب و روز
معشوقوں میں ایسا کوئی عالم نہیں ہوتا

زنجیر کا اس زلف کے سودا نہ ہو کیوں کر
یہ سلسلۂ درہم و برہم نہیں ہوتا

افسوس ہے، انسان نہ ہو علم کا جُویا
وہ مال ہے یہ صَرف سے جو کم نہیں ہوتا

اولاد سے اب تک ہے خصومت وہی باقی
ابلیس سا بھی دشمنِ آدم نہیں ہوتا

اُس باغ کے ناظر نگہِ پاک سے ہیں ہم
گل جس میں کہ آلودۂ شبنم نہیں ہوتا

ثابت قدمِ فقر کو ہے نفس کُشی **شرط**
بے دیو کے مارے ہوئے رستم نہیں ہوتا

یہ نکتہ ہمارا ہے سخن چیں کو نصیحت
الزام جو دیتا نہیں، ملزم نہیں ہوتا

تا چند بہار آتی نہیں دیکھیے **آتش**
کب تک شرفِ نیّرِ اعظم نہیں ہوتا

۱۵۸

[1]وصف کیجے جو تیری قامت کا
کہیے اُس کو الف قیامت کا

نیم‌جاں چھوڑنا نہ اے قاتل!
فعل ہے یہ بڑی ندامت کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۱، نول کشور قدیم ص ۲۲۱، جدید ص ۳۴۹ -

نعمتِ عشق بٹتی ہے، لے لے
مستحق ہو جو اس کرامت کا

پیروی پیشوا کی لازم ہے
روسیہ منکرِ امامت کا

مردِ میداں کا حال کیا جانے
راہ رو کوچۂ سلامت کا

حسن سے عشق ہے ہمیں ازلی
ہم بھی دم بھرتے ہیں ندامت کا

واہ ری عاشقوں کی دل جوئی
کس سے وعدہ نہیں قیامت کا

وصل میں ہجر کی خبر تھی کسے
تھا نہ معلوم روز شامت کا

گھر بناتے اگر یقیں ہوتا
اس خرابے میں استقامت کا

حسبِ دل‌خواہ دے تجھے آتش
وہ جو ہے خاتمہ امامت کا

۱۵۹

[1]تیری جو یاد اے دل خواہ بھولا
باللہ بھولا، واللہ بھولا

فرقت کی شب میں جاں سوز دل نے
اُف اُف کیا جو آہ آہ بھولا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۱، نول کشور قدیم ص ۲۲۱، جدید ص ۳۳۹ -

کج رکھ نہ پا کو جادے سے غافل
پھیر اُس نے کھایا جو راہ بھولا
زنّار ڈالا ، تسبیح پھینکی
عشقِ صنم میں اللہ بھولا
خور نے گرایا اس کو نظر سے
جو ذرّہ تیری درگاہ بھولا
زلفِ رسا کو سمجھا جو افعی
چوکا وہ ، قصہ کوتاہ بھولا
دیکھے سے تیرا روے منّور
ہم مہر بھولا ، ہم ماہ بھولا
محروم رکّھا ساقی نے ہم کو
اپنے گدا کو جم جاہ بھولا
بت خانہ چھوڑا ، باز آئے بت سے
وہ شہر بھولا ، وہ شاہ بھولا
شرطِ وفا کی ، کس بے وفا سے
آتش سا عارف آگاہ بھولا ؟

۱۶۰

[1]مشتاق اس قدر ہوں خدا کے حضور کا
سجدہ کروں جو بت بھی ملے سنگِ طور کا
دکھلا کے جلوہ آنکھوں نے اک شمع نور کا
گل کر دیا چراغ ہمارے شعور کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۲ ، جدید ص ۳۵۰ -

موسم ہوا بہارِ چمن سے سرور کا
آیا زمانہ داغِ جنوں کے ظہور کا

سب کو خیال رہتا ہے اک رشکِ طور کا
ظلمت میں دل مرا متلاشی ہے نور کا

منہ کو چھپائیے نہ مرے قتل کے لیے
شمشیرِ بے نیام ہے پردہ حضور کا

کرتا ہے نغمہ صورتِ داؤد[۴] عندلیب
عالم ہوا ہے دفترِ گل پر زبور کا

گردن ہی اپنی پھانسی کے قابل نہیں ہنوز
کیا شکوہ ان کی زلفِ رسا کے قصور کا

کس کس کو خاک میں نہیں ملوایا آپ نے
کشتہ ہے کون کون تمہارے غرور کا

دکھلا کے ساقِ پا جسے مارا ہے یار نے
گنبد بنا ہے قبر پر اس کے بلور کا

کس تُرک کی کلاہ کو زینت ہوئی پسند
کھینچا گیا ہے پوست ہزاروں سمور کا

لپٹا میں دوڑ کر جو پری‌رو نظر پڑا
دیوانہ بن کے کام کیا ذی شعور کا

قبروں کو عاشقوں کی نہ کھدوا، ستم نہ کر
بے درد! یوں عمل نہیں کشفِ قبور کا

یُمنِ قدم سے یار کے فردوس باغ ہو
نرگس کے پھول کام کریں جسمِ حور کا

۱٦۱

[1] اس ہمائے حسن کا عنقا مقابل ہو گیا
حق جو کچھ تھا حق، جو باطل تھا سو باطل ہو گیا
عاشقوں کو رتبہ پروانوں کا حاصل ہو گیا
تو فروغِ حسن سے جو شمعِ محفل ہو گیا
دلبروں کی انجمن میں حال بسمل ہو گیا
تیغ سی ابرو کو دیکھا جس کی ، قاتل ہو گیا
ہوش اڑے ایسے ، بہارِ رنگِ گل کو دیکھ کر
بلبلوں کی فکر سے صیّاد غافل ہو گیا
عہدِ طفلی سے جوانی میں ہوا دہ چند حسن
جب وہ خوش رو تھا ہلال، اب ماہِ کامل ہو گیا
گرمیاں تیری طرح سے آتشِ گل نے جو کیں
پاؤں رکھنا باغ میں بلبل کو مشکل ہو گیا
گرد دیوانے کے رہنے سے ہوا یہ آشکار
چشمِ طفلاں میں کھلونا مہرۂ گل ہو گیا
کون سا کونہ نہ جھانکا، کی نہ کس گھر میں تلاش
جستجو میں تیری ششدر مہرۂ گل ہو گیا
چار عنصر چار رہ ہیں ، منتشر ہوش و حواس
اٹھ گئے تم کیا ، دگرگوں رنگِ محفل ہو گیا
صورتِ پروانہ مجنوں نے کبھی ڈالی جو آنکھ
شمع لیلیٰ ہو گئی ، فانوس محمل ہو گیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۳ ، جدید ص ۳۵۱ -

حسنِ معنی نے کیا صورت سے آدم کی ظہور
سجدہ گاہِ قدسیاں یہ کعبہ و گل ہو گیا

نقشِ صورت کو مٹا کر آشنا معنی کا ہو
قطرہ بھی دریا ہے جو دریا سے واصل ہو گیا

قطع ہو جاوے گی گامِ چند میں سختیِ راہ
خضر ہے ، جب آگے آگے شوقِ منزل ہوگیا

نکہتِ زلف اس پری کی جو کبھی لائی صبا
حاصلِ تاتار دیوانوں کو حاصل ہو گیا

کر دیا تیری توجہ کے کرم نے بےنیاز
دولتِ حاتم سے مالا مال سائل ہو گیا

شب کو دم دے دے لیے جاتا ہے کوے یار میں
میں تو تھا ہی، مجھ سے بھی مرشد مرا دل ہو گیا

جنبشِ ابرو نے رکھ لی آبروے تیغِ یار
نیم بسمل رہ گیا تھا جو وہ بسمل ہو گیا

شاعروں میں کوئی **آتش** سا نہ ہوگا حسن‌دوست
خوب صورت پر پڑی جب آنکھ مائل ہو گیا

۱۶۲

[1]قوی دماغ رہے بلبل خوش الحاں کا
قفس میں بھی ہے وہی چہچہا گلستاں کا

پھرا ہے ہم سے رخ اس بادشاہِ خوباں کا
کچھ اعتماد نہیں ہے مزاجِ سلطاں کا

۱- کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۳ ، جدید ص ۳۵۱ -

ان ابروؤں سے اشارہ یہی ہے مژگاں کا
کماں ہو تو کرے قصد تیر باراں کا
ہنسا وہ گل تو یقیں ہے چمک گئی بجلی
لبوں کے کھلتے ہی پردہ کھلے گا دنداں کا
دکھائیے گا اگر چہرۂ کتابی آپ
ثواب بخشیے گا ہم کو ختمِ قرآں کا
جگہ ہے دل میں ترے داغِ عشق کی خالی
جو سرفراز کرے تو یہ گھر ہے مہماں کا
قفس میں نالۂ بلبل سے یہ صدا ہے بلند
بہشت ہے جو تصوّر رہے گلستاں کا
دکھائی دے مرے یوسف[۴] کی شکل آنکھوں کو
حجاب ٹوٹے تو دروازہ ٹوٹے زنداں کا
نقاب اُلٹ کے دکھا یار! چہرۂ رنگیں
کبھی تو کھول دے دروازہ اس گلستاں کا
وہ اپنی زلفوں میں گھڑیوں ہی کرتے ہیں کنگھی
خیال جو کبھی آتا ہے مجھ پریشاں کا
لباس ہی نہیں اس گل کا قتل کرتا ہے
برہنگی میں بھی عالم ہے تیغِ عریاں کا
جنوں کے جوش میں روتا جو ہوں میں دیوانہ
ارادہ کرتا ہے ہر طفلِ اشک طوفاں کا
سنا ہے اپنا جو دیوانہ اس صنم نے مجھے
اشارہ رہتا ہے لڑکوں کو سنگ باراں کا
چھڑکنے سے رخِ پُرنور پر ترے اے ماہ!
ستارہ بن گیا ہر ایک ذرہ افشاں کا

١٦٣

[1] کعبہ و دیر میں ہے کس کے لیے دل جاتا
یار ملتا ہے تو پہلو ہی میں ہے مل جاتا

خدمتِ یار میں میں جب کہ ہوں سائل جاتا
کچھ نہ کچھ بوسہ و دشنام سے ہے مل جاتا

ترے دانتوں سے جو ہونے کو مقابل جاتا
صورتِ اشکِ گہر خاک میں مل مل جاتا

پھل مِلا ہے یہ تری تیغ سے ہم کو اے تُرک!
پھوٹ کی طرح ہر اک زخم ہے کھل کھل جاتا

رخ کے ہوتے ہوئے ڈھونڈھا نہ دہن کا مضموں
سہل کو چھوڑ کے کیوں جانبِ مشکل جاتا

پر تو کترے ہیں، یقیں ہے کہ چھری بھی پھیرے
زمزموں سے، مرے صیّاد ہے ہل ہل جاتا

زخمِ کاری کی تری تیغ سے اللہ رے خوشی
رقص کرتا ہوا دنیا سے ہے بسمل جاتا

راہ بھولے ہوئے حاجی ہے بھٹکتا ناحق
کعبۃ اللہ جو جاتا تو سوئے دل جاتا

طرفہ رکھتی ہے خراباتِ مُغاں کیفیّت
ہوشیار آ کے ہے اس بزم میں، غافل جاتا

راہ میں شانِ کریمی ہے تری بھر دیتی
پھر کے خالی کسی در سے جو ہے سائل جاتا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۳، نول کشور قدیم ص ۲۲۳، جدید ص ۳۵۲ -

اے صبا ! تو ہی آڑا کر رخِ لیلیٰ دکھلا
دستِ مجنوں نہیں تا پردۂ محمل جاتا
کون سی راحتِ جاں کی ہیں یہ آنکھیں مشتاق
کرکے اندھیر ہے وہ رونقِ محفل جاتا
آمدِ یار کی کانوں سے سنی ہے جو خبر
چھپ کے پہلو سے ہے آنکھوں کی طرف دل جاتا

۱۶۴

[1]باراں کی طرح لطف و کرم عام کیے جا
آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ نام کیے جا
غمزے نئے اے سروِ گل اندام کیے جا
جو کام ہے معشوق کا، وہ کام کیے جا
اے نرگسِ خود کام ملے خاک میں کوئی
تو پیرویِ گردشِ ایّام کیے جا
کاکل کا اشارہ یہی اس رخ سے ہے رہتا
مشتاق سے اپنے سحر و شام کیے جا
مرغِ دل احباب خود آڑ آڑ کے پھنسے ہیں
اے زلفِ سیہ! کش مکشِ دام کیے جا
مژگاں یہی اس چشمِ سیہ کو ہیں سجھاتیں
چشمک طرفِ نرگس و بادام کیے جا
رکھتا ہے اثر شوق کا اظہار بھی غافل
یار آئے ہی گا، نامہ و پیغام کیے جا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۳، نول کشور قدیم ص ۲۲۳، جدید ص ۳۵۳ -

عاشق کا جنازہ ہے ملا راہ میں پیارے
تو بھی تو مشیت[1] کوئی دوگام کیے جا
شفتالوے لب کو کبھی تاکا تو وہ بولے
ملنے کا نہیں کچھ طمعِ خام کیے جا
الٹی ہے مت آن کی تجھے بوسہ ہی ملے گا
آتش حرکت قابلِ دشنام کیے جا

۱۶۵

صحراے مغیلاں کا مگر مرحلہ آیا
پھوٹی ہوئی قسمت کو لیے آبلہ آیا
استادہ کمر باندھے ہوئے راہ میں ہیں ہم
لوٹا اسے یوسف[۲] کا اگر قافلہ آیا
سودا ہی رہا گیسوے پیچاں کا تمھارے
شانے کی طرح ہاتھ نہ یہ سلسلہ آیا
یاقوتیِ لب کی تری اللہ رے تفریح
پیری میں جوانی کا مجھے ولولہ آیا
ہر چند کرے ظلم و ستم جور و جفا یار
دانتوں سے ہی کاٹا جو زباں پر گلہ آیا
اک دم نہ جدا ہوتے تھے یا پہروں ہو غائب
کیا اس کا سبب ہے کہ جو یہ فاصلہ آیا

۱ ۔ مشیت : شاید 'مشایعت' کا عوامی تلفظ ہے جس کے معنی ہیں جنازے کے ہمراہ چلنا ۔ لاہور کے ایک ایڈیشن میں اسے "معیت" بنا دیا گیا ہے ۔

۲ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۳۴۳ ، طبع نول کشور قدیم ص ۲۲۴، جدید ص ۳۵۳ ۔

فریاد کو میری نہ سمجھ بے اثر اے بت !
کُہسار کو ان نالوں سے ہے زلزلہ آیا

بے آہ کیے جان نہیں بچتی اب اے دل !
بے تابی سے ہے تنگ مرا حوصلہ آیا

تھا شوق زبس منزلِ مقصود کا آتش
طے اس کو کیا سامنے جو مرحلہ آیا

۱۶۶

[1]طریقِ عشق میں مارا پڑا جو دل بھٹکا
یہی وہ راہ ہے جس میں ہے جان کا کھٹکا

سزا ہے اپنی جو دے یار ہجر کا جھٹکا
شبِ وصال کی گستاخیوں کا ہے کھٹکا

علاج ہی نہیں کچھ تیرے نام کی رٹ کا
چھڑانے سے نہیں چھٹتا زبان کا چٹکا

کسی کے سر میں ہوا درد منہ مرا چھٹکا
کسی کے پاؤں میں موچ آئی میں نے سر پٹکا

کیا ہے بادِ بہاری نے بلبلوں کو مست
ہؤا ہے پھول کے ہر گل شراب کا مٹکا

نہ بوریا بھی میسّر ہوا بچھانے کو
ہمیشہ خواب ہی دیکھا کیے چھپرکھٹ کا

شب فراق میں اُس غیرتِ مسیح بغیر
اُٹھا اُٹھا کے مجھے دردِ دل نے دے پٹکا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۴ ، جدید ص ۳۴۳ ۔

کہوں جو عرشِ بریں بھی تو کہہ نہیں سکتا
بہت بلند ہے پایہ ترے چھپرکھٹ کا

خدا نے دی ہے تجھے اے صنم فضیلتِ حسن
زیادہ طرّۂ گیسو سے شملے کو لٹکا

شبِ وصال میں کھولے قبائے یار کے بند
کمر سے کھینچ کے پٹکے کو ہم نے دے پٹکا

پری سے چہرے کو اپنے وہ نازنیں دکھلا
حجاب دور ہو ، ٹوٹے طلسم گھونگھٹ کا

مطیعِ نفس نہ اللہ نے کیا مجھ کو
نہ میں نے پیروئ غول کی ، نہ میں بھٹکا

شراب پینے کا کیا ذکر یار ! بے تیرے
پیا جو پانی بھی ہم نے تو حلق میں اٹکا

چمن کی سیر میں سنبل سے پھلوانی کی
چڑھا کے پیچ پر آن گیسوؤں نے دے پٹکا

شراب صاف نہ باقی رہی تو اے ساقی !
لٹائے گا مجھے کیچڑ میں نشّہ تلچھٹ کا

کبھی تو ہوگا ہمارے بھی یار پہلو میں
کبھی تو قصد کرے گا زمانہ کروٹ کا

بس اپنی مستی کو گردش ہے چشمِ ساقی کی
ہمارا پیٹ نہیں ہے شراب کا مٹکا

خدا کو حشر کے دن منہ دکھائے گا تو کیا
یہی جو شرم پر اے بت ہے طرّہ گھونگٹ کا

سرائے یار میں پہنچیں گے ہم لگا کے کمند
بلند بام سے رتبہ ہے اس کی چوکھٹ کا

کلاہِ کج کا ہے طُـرّہ قبائے چسپاں پر
جوانؔ آج نہیں ہے تری سجاوٹ کا

نہ تیغِ عشق کے منہ چڑھ دلا ! خدا سے ڈر
اسی گڑھے میں تو جی چھوٹتا ہے جیوٹ کا

اڑائی ہے تری رنگیں ادائیوں نے نیند
عسس کے دل کو ہے مہندی کے چور کا کھٹکا

نہ پھول بیٹھ کے بالائے سرو اے قمری !
چڑھے جو بانس کے اوپر یہ کام ہے نٹ کا

پری سے چہرے کے اوپر نہیں ہیں لہراتے
یہ منہ چڑھاتے ہیں گیسوئے یار گھونگھٹ کا

یہ جانتے تو تمھیں ہم نہ باندھنے دیتے
کمر کے ساتھ لپیٹے گا ناف کو پٹکا

عجیب بھول بھلّیاں ہے غفلتِ ہستی
جسے کہ راہ ہوئی اس سے خوب ہی بھٹکا

عجب نہیں ہے جو سودا ہو شعر گوئی سے
خراب کرتا ہے **آتش** زبان کا چٹکا

۱٦۷

[1]عزیز روح کے دم تک ہے کالبدِ گل کا
خراب حال ہے بےمغز جب ہوا چھلکا

لہو سے سرخ رہے رنگ تیغِ قاتل کا
وہ تُرک اور تماشا ہو رقصِ بسمل کا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۵ ، جدید ص ۳۵۵ -

بہار آئی ہے ، دیوانے وجد کرتے ہیں
سرود کی ہے صدا ، غلغلہ سلاسل کا

رخِ ملیح کے خالوں سے یہ ہؤا ظاہر
نمک کے ساتھ مزا ہے سیاہ فلفل کا

عجب نہیں شرفِ خواجگی مری خاطر
ذلیل بندہ ہوں کیسے عزیز ہر دل کا

کہا جو میں نے مجھے ذبح کیجیے تو کہا
"یہ کام ہے ملک الموت نام قاتل کا"

فراقِ یار میں ممکن نہیں تحمّل و صبر
نہ ہو سکے گا یہ ہم سے ، ہے کام مشکل کا

ہمیشہ یار رہے پیشِ چشم عالم میں
نہ منہ دکھائے خدا بے چراغ محفل کا

پھرا ہوں گرد میں سودائے خال میں گھڑیوں
نظر پڑا ہے کہیں پیڑ جو کوئی تِل کا

کہے جو یوسفؑ انھیں کوئی تو یہ کہتے ہیں
"ہمیں بھی سمجھے ہو تم بیچنے کے قابل کا"

خیالِ زلف ہے اُس رخ کے شوق میں آتا
دکھائی دینے لگا ہے سواد منزل کا

گئی ہے روح بدن میں سے وجد کرتی ہوئی
عجیب حال ہوا ہے تمھارے بسمل کا

نظارۂ رخِ لیلیٰ کرو میاں مجنوں !
بٹھا کے ناقے کو پردہ اُٹھاؤ محمل کا

کُھلا یہ ہم کو دمِ نزع کے تنفّس سے
کشاں کشاں لیے جاتا ہے شوق منزل کا

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے آتش !
کریم رد نہیں کرتا سوال سائل کا

۱۶۸

[1]رعد کا شور ہو موروں کی صدا سے پیدا
جھومتا ابر بہاری ہو ہوا سے پیدا

اے جنوں خار ہوں صحرا کی ہوا سے پیدا
آبلے ہوتے ہیں اپنے کفِ پا سے پیدا

نہ تو بھوکے ہوئے تھے ہم نہ تو پیاسے پیدا
ہو گئے روگ یہ دنیا کی ہوا سے پیدا

چاہیے اشک بھی ہوں نالے کے پیچھے پیچھے
آمدِ قافلہ ہے بانگِ درا سے پیدا

لالہ و گل ہیں زمیں پر تو فلک پر ہے شفق
رنگ کیا کیا ہوئے خونِ شہدا سے پیدا

قدکشی آج وہ سرووں سے ہیں کرتے جاتے
کل کی ہے بات ہوئے تھے جو ذرا سے پیدا

تخت پریوں کے اڑا لائے جو دیوانوں تک
یارب ! ایسی کوئی آندھی ہو ہوا سے پیدا

دھوپ میں تو جونکلتا ہے کبھی اے شہ حسن
سایہ ہوتا ہے پر و بالِ ہما سے پیدا

مشک بو زلف کا ہے لطف رخِ رنگیں پر
سنبل الطّیب چمن میں ہو بلا سے پیدا

---

۱ - کلیات علی بخش ص ۲۸۵ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۵ ، جدید ص ۳۵۵ -

شاہد گل کو ہے مقصود شکار بلبل
تتلیاں باغ میں ہوتی ہیں حنا سے پیدا
پا برہنہ، سر عریان و تن گرد آلود
ہے کرامات گدا، حال گدا سے پیدا
حسن بت سے جو بنی جان پہ اپنی تو کھلا
حال ہوتا ہے یہی عشق خدا سے پیدا
فی الحقیقت ہے اگر چشمۂ حیواں وہ دہن
سیکڑوں خضر سے ہو جائیں گے پیاسے پیدا
بوسہ بازی سے مری ہوتی ہے ایذا ان کو
منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں مہاسے پیدا
عہد پیری میں جوانی ہے بہت یاد آتی
کیجیے زور کہاں پشت دوتا سے پیدا
اب نقاب اُلٹے ہوا بھی تو نہیں کچھ ہوتا
تم نے کر لی ہے بڑی آڑ صبا سے پیدا
مجھ کو ڈر ہے کہیں طوق کمر یار نہ ہوں
حلقے ہوتے ہیں بہت زلف رسا سے پیدا
بند کر دے گی تری برق جمال آنکھوں کو
ہونے دے شربت دیدار کے پیاسے پیدا
دیکھ کر آئنہ بیزار نہ ہو صورت سے
ہوتے ہیں جوش جوانی میں مہاسے پیدا
بندہ عالم نہیں ہو سکنے کا بے دل‌جوئی
بت گمراہ کریں راہ خدا سے پیدا
لب شیریں کی ترے چاشنی ممکن نہ ہوئی
رس سے شکر ہوئی، شکر سے بتاشے پیدا

اے شہِ حسن! ترے عشق میں مرنے کے لیے
لڑکے ہوتے ہیں فقیروں کی دعا سے پیدا

غور ہو، موسمِ سرما ہے قریب اے آتش
کیجیے ربط کسی مہر لقا سے پیدا

۱۶۹

نالہ[۱] ہر روز نہیں ہو سکتا
دردِ سر روز نہیں ہو سکتا

سامنے اپنے وہ شبِ ہجراں
جلوہ گر روز نہیں ہو سکتا

گاہ گاہے تو سہی اے آہو!
جو اثر روز نہیں ہو سکتا

پوچھ لینا خبرِ عاشق کا
بے خبر روز نہیں ہو سکتا

راہبر شرط ہے رہرو کے لیے
بے سحر روز نہیں ہو سکتا

ماتمِ دل میں کہاں تک روؤں
خونِ جگر روز نہیں ہو سکتا

اے شبِ وصل! برابر تیرے
مختصر روز نہیں ہو سکتا

تیسرے فاقے ہوں، اٹھا میں گدا
در بدر روز نہیں ہو سکتا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۶۔ کلیات آتش طبع اول کشور قدیم و جدید اور لاہور کے مطبوعہ نسخے میں آیندہ پانچ غزلیں موجود نہیں ہیں۔

پاؤں ٹوٹیں ترے اے عمرِ رواں
اب سفر روز نہیں ہو سکتا

یار سے ہم کو شکایت بھی نہیں
شُکر اگر روز نہیں ہو سکتا

... [1]چپ رہے کب تک آتش
... روز نہیں ہو سکتا

۱۷۰

[2]دشمنِ جانِ جہاں وہ تُرکِ بد خُو ہو گیا
بادشاہِ حسن کہنے سے ہلاکو ہو گیا

مارِ گیسو سے سوا قاتل وہ ابرو ہو گیا
میری ایذا کو سراپا ڈنک بچھو ہو گیا

باغ میں چل کر شرابِ سرخ اے ساقی! پییں
فصلِ گل ہے فرش سبزے کا لبِ جُو ہو گیا

لالہ رو اٹھتے ہی پہلو سے ترے میں کیا کروں
جاں وبالِ دل ہوئی، دل داغِ پہلو ہو گیا

حق ہے کافر کے لیے دنیا ہے گلزارِ بہشت
وہ رخِ رنگیں مقامِ خالِ ہندو ہو گیا

زار ہوں ایسا، کسی کو میں نظر آتا نہیں
عشق میں گھل کر کمر کا یار کی مُو ہو گیا

مدت سودائے گیسو کا بیاں کیا کیجیے
طوقِ گردن گھستے گھستے حلقۂ مُو ہو گیا

---

۱ - موجود نسخے میں یہ حصہ دیمک کی نذر ہو گیا ہے۔
۲ - کلیات آتش طبع علی بخش ص ۲۴۶ و نول کشور ندارد۔

یاد صحرا میں جو مجھ مجنوں کو آیا کوے یار
پھاڑ کھانے کو سگِ دیوانہ آہو ہو گیا
دیکھتا ہے جب کوئی ہنستا ہے تیری چال پر
زرد ہوتے ہوتے آتش زعفراں تو ہو گیا

۱۷۱

[1]ے نوش بھر رہے ہیں دم ابرِبہار کا
تشریف لائے تو کرم ابرِ بہار کا
پرچم کا جلوہ برق کی دکھلاتا ہے چمک
افراختہ علم ہوا ابرِبہار کا
چھڑکاؤ مے کدے میں کرے مشک کی طرح
پانی سے ہے بھرا شکم ابرِ بہار کا
طاؤس کی طرح سے جو ہوتے فریفتہ
منہ چوم لیتے آڑ کے ہم ابرِبہار کا
دو دیدۂ پُر آب ہیں یاں بھی عطاے عشق
روتے ہیں ساتھ دے کے ہم ابرِ بہار کا
پیماں شکن ہوا لیے آتی ہے دوش پر
بھاری ہے توبہ پر قدم ابرِبہار کا
بے بادہ سرخ ہو کہ سفید و سیاہ ہو
ہر ایک رنگ ہے ستم ابرِبہار کا
کیوں کر کہیں بساطِ سلیماں ترے گدا
ساقی! یہ مرتبہ ہے کم ابرِبہار کا

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۶ و نول کشور ندارد۔

مے خوار انتظار میں دیوانے ہو گئے
غمزہ نہیں پری یہ کم ابرِ بہار کا

ساقی ! پلا کے مے مجھے دل شاد بھی تو کر
کھاتا ہوں سال بھر سے غم ابرِ بہار کا

آئے تو ابکی آنکھوں سے اپنی لگاؤں میں
دھو کر شراب سے قدم ابرِ بہار کا

اے محتسب نہ مے کدے کا قصد کیجیو
بجلی گراتا ہے ستم ابرِ بہار کا

آتا ہے جھومتا ہوا ، ساماں رہے درست
اے ساقیانِ بزمِ جم ابرِ بہار کا

۱۷۲

[1]اُڑ جائے گا زخمِ دلِ بے تاب کا پھاہا
پیدا کرے گا حوصلہ سیماب کا پھاہا

بلبل کے کلیجے میں جو یہ گھاؤ ہے ، اس پر
رکھ دے کوئی برگِ گلِ شاداب کا پھاہا

وہ دوستی پیشہ ہوں ، لہو روتی ہیں آنکھیں
چھوٹا ہے جو زخمِ دلِ احباب کا پھاہا

جرّاح مرے داغِ جنوں پر اسے رکھ دے
موبافِ پری سے جو ہو تیزاب کا پھاہا

اندیشہ نہیں زخم کے بھی چور کا ہم کو
زربفت کا پھاہا ہے ، یہ کم خواب کا پھاہا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۷ و نول کشور ند رد -

باقی رہے گا پھر بھی نشان زخم کا اپنے
ہرچند مٹایا کرے تیزاب کا پھاہا
اے داغِ جدائی ترے اوپر اسے رکھ دوں
ممکن ہو اگر چادرِ مہتاب کا پھاہا
کیا کاٹے گا پھوڑا ہے مرے دل کا بہت سخت
زائیدہ روی کا ہے یہ تیزاب کا پھاہا
جب خون مرے سینے کے زخموں نے دیا ہے
ہم رنگ ہوا ہے کفِ قصّاب کا پھاہا
مجروح تری تیغ کے ہیں پشم سمجھتے
کس گنتی میں ہے قاقم و سنجاب کا پھاہا
کیا جائے گی سوزش مرے ناسورِ جگر کا
موجوں کی نہ بتّی ہے، نہ گرداب کا پھاہا
اچھا نہیں اس نقشِ محبّت کا مٹانا
دشمن نہ ہوا داغِ دل احباب کا پھاہا
کس ترک کی تلوار کا تو زخمی ہے آتش
لایا سپرِ بافتہ تیزاب کا پھاہا

۱۷۳

[1]آشیانہ، نہ قفس اور نہ چمن یاد آیا
آنکھ کھلنے بھی نہ پائی تھی کہ صیّاد آیا
تیغ کھینچے ہوئے تُرکِ ستم ایجاد آیا
بعد مدّت ملک الموت کو میں یاد آیا

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۷ و نول کشور ندارد ۔

دام میں کھینچنے بلبل نہیں، صیّاد آیا
یہ چمن میں کوئی گلچیں کا بھی استاد آیا

ذبح کرنے لیے خنجر نہیں جلّاد آیا
جوہر اپنے مجھے دکھلانے ہے فولاد آیا

تو بھی اے سروِ رواں زلف کو لہرا جا کر
طرّہ لٹکائے گلستاں میں ہے شمشاد آیا

رو دیا ابرِ بہاری کو جو ہنستے دیکھا
کرمِ پیرِ خرابات مجھے یاد آیا

نہ کہو فصلِ بہار آئی ہے، بلبل نہ سنے
چپ رہو، چپ رہو، ہنگامۂ فریاد آیا

عشق کے معرکے میں کون سی جھیلی نہ کڑی
سر کیسا سامنے جو قلعۂ فولاد آیا

قطع امید ہوئی رحم بھی آ جانے کی
ذبح کرنے مجھے منہ پھیر کے جلّاد آیا

ایک دن ہچکی بھی آئی نہ مجھے غربت میں
میں کبھی تم کو نہ اے اہلِ وطن یاد آیا

واجب القتل ہوں، مہمانِ دمِ چند ہوں میں
تیسرا حکم بھی لے کر نہیں جلاد آیا

ذبح مجھ سوختہ جاں کو نہیں کر سکنے کا
آبرو کھونے کو ہے خنجرِ فولاد آیا

نہ ڈرو حشر کے دن، منہ نہ چھپاؤ مجھ سے
داد خواہی کو نہیں کشتۂ بیداد آیا

چاہیے حلق میں باقی نہ رہے قطرۂ خوں
تیسرے فاقے سے ہے خنجرِ جلّاد آیا

سوزشِ دل مری کیا بن کے قلم لکتھے کا
موم ہو ہو کے ہے بہہ جانے کو فولاد آیا

عزم بالجزم ہے مجھ رند کو میخانے کا
دخترِ رز سے یہ کہہ دیجیو داماد آیا

سجدۂ شکر زمیں پر نہ کروں میں کیوں کر
آسماں سے ہے مرا رزقِ خداداد آیا

کاکلِ یار نے زنجیر کی صورت پکڑی
قید ہونے کے لیے سینکڑوں آزاد آیا

تیرے دیوانے کے مردے کو لیے کاندھے پر
گور تک مجمعِ طفلانِ پری زاد آیا

ہوں وہ دیوانۂ بے خود خبر اصلا نہ ہوئی
طوق و زنجیر پنھانے کسے حدّاد آیا

ملک الموت کو اللہ نے بھیجا مجھ تک
حکمِ سلطاں سے مرے قتل کو جلّاد آیا

وصفِ لعلِ لب و زنجیرِ دو گیسو لکھتے
خطِ یاقوت ، نہ ہم کو خطِ حداد آیا

عوَضِ فاتحۂ خیر پڑھے گا سیفی
قبر پر میری شبِ جمعہ جو جلّاد آیا

دیکھ لے ، پھر یہ تماشا نظر آنے کا نہیں
سامنے آنکھوں کے ہے عالمِ ایجاد آیا

سخت جانی نے مری جب سے کیا ہے آری
منہ دکھانے نہیں پھر خنجرِ فولاد آیا

کہہ دو اندھوں سے کوئی اپنی تم آنکھیں کھولو
روشنیِ نگہِ عالمِ ایجاد آیا

فرقتِ یار میں بےتابیِ دل کیا کہیے
کب کلیجا نہیں منہ کو دمِ فریاد آیا

ہاتھ آیا کبھی بلبل ہے تو اس گل پر سے
صدقے کرکے ہے اُڑا دینے کو صیّاد آیا

یار ! غمزے نئے ، انداز نئے ، ناز نئے
تم کو اس عالمِ ایجاد میں ایجاد آیا

دامن اپنا نہیں پہنچا ہے یہ چشمِ تر تک
ادب آموزیِ اطفال کا استاد آیا

درگہِ یار مرادوں کی محل ہے آتش
شاد یاں سے ہے گیا جب کوئی ناشاد آیا

ردیفِ بائے تازی

۱

اگرم ہو کیسا ہی، کتنا ہی کھنچے دُور آفتاب
روبروئے یار ہے اک قُرصِ کافور آفتاب

یار کو دیکھے تو اندھا ہو رقیبِ رُو سیاہ
دیدۂ خفّاش کو کرتا ہے بےنور آفتاب

منہ نہ دیکھا ہو ترا اس رشک سے جلتا ہوں میں
اے صنم! جب پوجتے ہیں گبرِ مغرور آفتاب

مِہر طینت میں بتانِ مہر طلعت کی نہیں
سبز کر دیتا ہے کیونکر تاکِ انگور آفتاب

نیش سے لگتے ہیں ہجرِ یار میں تارِ شعاع
آسمانِ نیلگوں چھتّا ہے، زنبور آفتاب

داغ پہلو ہے جو پہلو میں وہ مہ پیکر نہ ہو
چشمِ حربا[2] میں پری بن جائے یا حور آفتاب

حسنِ غارت گر سے نسبت کون دیتا ہے اسے
تابۂ آہن ہے پیشِ روئے پُر نُور آفتاب

بام پر وہ مِہر وش آتا ہے، صبحِ عید ہے
پردۂ شب سے نہ نکلے تا بہ مقدور آفتاب

سربلندوں کے لیے ہے عیب بھی آتش ہنر
آسماں کا داغِ پیشانی ہے مشہور آفتاب

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۶۸ ، طبع نول کشور قدیم ص ۶۳ ، طبع جدید ص ۹۹ -

۲ - حربا : گرگٹ -

۲

[1]چھین سکتا ہے کوئی جائے خیالِ یار خواب
تیری قسمت میں نہیں اے دیدۂ بیدار ، خواب

حالتِ بد میں نہیں کوئی کسی کا آشنا
کوچ کر جاتا ہے پیش از مردنِ بیمار ، خواب

پرتوہ ہے یہ مگر[2] حسنِ لطیف یار کا
آنکھوں میں ہے ، پر نظر آتا نہیں زنہار خواب کا

دیدۂ خانہ خراب اب روتے روتے پھوٹ جائیں
اڑ گیا پاتے ہی بوے انتظارِ یار ، خواب

دامنِ دایہ اسے شاید کہ سمجھا کوہ کن
جاتے ہی آیا میانِ دامنِ کہسار خواب

سایۂ طوبیٰ میں لے چل مجھ کو اے خوابِ اجل !
کیجیے تاچند زیرِ سایۂ دیوار ، خواب

خفتگاں مجھ کو نظر آتے ہیں مردے سے پڑے
صبح تک دکھلاتی ہے یہ چشمِ شب بیدار، خواب

بعدِ مردن بھی نہ ہوں گے بند روزن کی طرح
میری آنکھوں سے بہت رکھتا ہے ننگ و عار، خواب

زیست میں راحت کو کیا روؤں میں بعدِ مرگ بھی
گور میں آنے نہ دے گا وعدۂ دیدار خواب

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۶۸ ، ۶۹ ۔ طبع نول کشور قدیم ص۶۳ ، جدید ص ۹۹ ، بہارستان سخن ص ۹۳ ۔ بحر رمل مثمن محذوف ، ارکانہ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ۔ ناسخ کی غزل ہے :
"تجھ سے سیکھا ہے مگر طرز گریز اے یار خواب ۔"

۲ ۔ طبع علی بخش میں "یہ کمر حسن لطیف" ہے ۔

وقتِ شب ہو ، بادہ ہو ، تنہا مکانِ یار ہو
کس کو دکھلاتا ہے ایسا طالعِ بیدار ، خواب

نیند آتی ہے مرے جاتے ہی آتش یار کو
ہو گیا ہے جان کو میری غریب آزار ، خواب

۳

کیا دیجیے گا عاشقِ دل گیر کا جواب
خاموشی کے سوا نہیں تقصیر کا جواب

آئینہ لے کے صنعتِ اسکندری کو دیکھ
تصویر ہے کھنچی ہوئی ، تصویر کا جواب

مژگانِ یار تیر ہیں ، ابرو کمان ہے
نے اس کمان کا مثل ، نہ اس تیر کا جواب

خط دے کے کہیو اب کی زبانی یہ نامہ بر !
تحریر کا جواب ، نہ تقریر کا جواب !

اللہ جانتا ہے اسے خوب ، کیا کہوں
میرا سوال ، اس بتِ بے پیر کا جواب

زنداں میں شب کو ڈر کے جو اس نے کیا ہے غل
میں نے دیا ہے نالۂ زنجیر کا جواب

لکھتا ہوں بیت ابروے محبوب کی جو شرح
شمشیر کھینچتا ہوں میں شمشیر کا جواب

گویا زبانِ شعلہ سے ہرگز ہوئی نہ شمع
تدبیر سے محال ہے تقدیر کا جواب

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۹ ، طبع نول کشور قدیم ص ۶۳ ، ۶۴ ، جدید ص ۹۹ -

آتش کہاں تک اپنے نوشتے کو روؤں میں [1]
لکھا نہ یار نے مری تحریر کا جواب

۴

خط سے اس رخ کا حل ہوا مطلب
شرح سے متن کا کھلا مطلب

تو وہ مرجع ہے جس سے رکھتے ہیں
کافر و رند و پارسا مطلب

منزلِ گور میں وصال ہوا
گوشے میں چھپ کے ہو گیا مطلب

التجا ہے یہی زباں سے مجھے
گوش سے ہو نہ آشنا مطلب

بیتِ ابرو کی کیا کروں تعریف
سوجھتا ہے نیا نیا مطلب

دہنِ زخمِ کشتگاں سے ہے
میرے قاتل کو مرحبا مطلب

برہمن سے نہ پوچھا اک بت نے
کیا ہے اے بندۂ خدا! مطلب؟

بند خط اس نے پھاڑ کر پھینکا
ہم نے جب کھول کر لکھا مطلب

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۹، طبع اول کشور قدیم ص ۶۴،
جدید ص ۱۰۰ -

اے شہِ حسن! ہم فقیروں کو
ہے زباں سے تری دعا مطلب
دہن و زلف کا میں مائل تھا
کبھی الجھا، کبھی رکا مطلب
حسن سے عشق کون کرتا ہے
کس کو ہے دردِ بے دوا مطلب
فتنہ پرداز چشم کو اس کی
مکر منظور ہے، دغا مطلب
جو کہ شاکر ہوا مقدّر پر
خطِ پیشانی کا پڑھا مطلب
شاعرِ حال گو تھا میں **آتش**
میرے ہر شعر میں بندھا مطلب

۵

زعم میں اپنے یہ نا فہم جو اُستاد ہیں سب
معترض ہوجیے تو قابلِ ایراد ہیں سب
صورتِ سیل، یہ خوش‌رو ستم ایجاد ہیں سب
خانہ بربادیِ احباب کی بنیاد ہیں سب
مکتبِ عشق میں جو ہیں وہ فلاطون حکمت
کوئی شاگرد کسی کا نہیں، اُستاد ہیں سب
آج کل چاہنے والوں سے خفا ہے وہ شوخ
مستحقانِ کرم موردِ بیداد ہیں سب

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۶۹، ۷۰، طبع نول کشور قدیم ص ۶۴،
جدید ص ۱۰۰۔

روزِ اول سے ہیں سایے کی طرح وہ ہمراہ
رنج و اندوہ و ملال اپنے یہ ہمزاد ہیں سب
قطع ہو جائے اگر سلسلۂ مہر و وفا
پھر گرفتار نہیں ہے کوئی ، آزاد ہیں سب
دفترِ عشق بھی کیا دفترِ خوش طالع ہے
نظری فرد نہیں اس میں کوئی ، صاد ہیں سب
عشوہ[۱] و غمزہ و بد مذہب و ناز و انداز
واسطے تیرے گنہگاروں کے جلّاد ہیں سب
آفتِ جاں نہیں مُو کون سا آن مژگاں کا
خلش و کاوش و پرخاش کی بنیاد ہیں سب
شوق ہے دل میں تو آنکھوں میں تصوّر اُس کا
منزلیں جلوۂ محبوب کی آباد ہیں سب
صاف آئینے سے ہیں تیغ سے خوں‌ریز یہ لوگ
ان حسینوں میں غرض جوہرِ فولاد ہیں سب
کون سا دل ہے نہیں جس میں غم عشق اے حسن
خوگرِ آہ و فغاں ، نالہ و فریاد ہیں سب
کیا تماشا ہے جو وہ سروِ رواں آ نکلے
قد کشی کرنے کو استادہ تو شمشاد ہیں سب
جگر و دیدہ و دل کا میں کہوں کیا احوال
نامُراد ان میں سے ہر ایک ہے ، ناشاد ہیں سب
عاشقِ خستہ ترے ہجر سے تنگ آئے ہیں
''المدد'' کی ہے صدا سائلِ امداد ہیں سب

---

۱ - کلیات علی بخش میں ''عشق و غمزہ'' ہے ۔

آئنہ لے کے حسینوں نے نہ زلفیں دیکھیں
دام میں اپنے اسیر آپ یہ صیّاد ہیں سب
تو جو لیلیٰ ہے تو مجنوں ہیں ترے دیوانے
تو جو شیریں ہے تو عاشق ترے فرہاد ہیں سب
صورتیں کشتوں کی اپنے نہیں بھولا قاتل
خواب دیکھے ہیں جو یوسف[۴] نے مرے، یاد ہیں سب
اس جفا جو کو نہیں قدر وفاداری کی
رائگاں محنتیں ہیں ، کوششیں برباد ہیں سب
دل نہ کیوں کر ہو حسینانِ جہاں پر مائل
غیرتِ حور ہیں سب ، رشکِ پری زاد ہیں سب
قامتِ یار ہے بانیِ قیامت ، آتش!
فتنہ پردازیاں اس چشم کی ایجاد ہیں سب

۶

ابر حال میں ہے اپنے مرا یار دل فریب
گفتار دل فریب ہے ، رفتار دل فریب
مژگاں کی طرح گردِ ہوں دیکھیں اگر طبیب
اتنی تو ہے وہ نرگسِ بیمار دل فریب
مژگانِ چشمِ یار کی تعریف کیا کروں
جاں کاہ ، جاں خراش ، دل آزار و دل فریب
اندازِ حسنِ یار ہیں اک اک سے خوش نما
رکھتا ہے ہر شگوفہ یہ گلزار دل فریب

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۴۸ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۶ ، جدید ص ۳۵۶ ، چمن بے نظیر ص ۵۱ -
دیوان اول میں ردیف 'ب' کی پانچ اور دیوان دوم میں مندرجہ بالا تین غزلیں ہیں -

مشتاق زخم کے رہیں اے تُرک ! کشتنی
ابرو سے تیرے ہو تری تلوار دل فریب

دیوانے گِرد رہتے ہیں گھر میں ہیں یار کے
چشمِ پری سے روزنِ دیوار دل فریب

دنیا میں آ کے جی نہیں جانے کو چاہتا
دل کش ہر اک دکان ہے ، بازار دل فریب

سودائے عشق کے لیے ہے خوش جمال شرط
یہ جنس چاہتی ہے خریدار دل فریب

عالم میں مجھ کو قاتلِ خوش رو کی ہے تلاش
جلّاد ڈھونڈھتا ہے گنہ گار دل فریب

دیوانِ حسن میں سے ہے اک بیت انتخاب
کیونکر نہ ہو وہ ابروے خم‌دار دل فریب

اس گل نے گوشِ دل سے سنا ایک دن نہ حیف
آتش ! یہ کیسے ہیں ترے اشعار دل فریب ؟

۷

[1]چلتے ہیں ناز سے جو وہ رفتارِ آفتاب
پاؤں کو پوجتے ہیں پرستارِ آفتاب

منہ پر نقاب ڈالا ہے جیسے کہ یار نے
آنکھوں میں اپنے بند ہے بازارِ آفتاب

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۸ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۶ ، جدید ص ۳۵۷ -

پی کر شراب مست جو رہتے ہیں نشے سے
وہ لوٹتے ہیں دولتِ سرکارِ آفتاب

حسن و جمال یار کا اللہ رے فروغ
آتے ہیں سجدہ کرنے پرستارِ آفتاب

اس طفلِ مہ جبیں نے جو رکھی کلاہ کج
پیرِ فلک نے پھینک دی دستارِ آفتاب

زیرِ زمیں ہے گاہ ، گہے آسماں پر
عقلِ حکیم ہے ، نہیں رفتارِ آفتاب

البتہ روے یار کا ہم کو ہو اشتباہ
لب لعل سے دکھائے جو رخسارِ آفتاب

بٹھلائیے نہ دھوپ میں ہو کر خفا مجھے
مجرم ہوں آپ کا ، نہ گنہ گارِ آفتاب

اللہ نے دیا ہے رخِ آتشیں تمھیں
وہ گرمیاں ہوں ، ہوں جو سزاوارِ آفتاب

چل کر چمن میں پختہ کرو میوہاے خام
ظاہر ہیں رخ سے آپ کے آثارِ آفتاب

پیدا ہوا ہوں عشقِ رخ یار کے لیے
دیکھا ہے آنکھ کھول کے دیدارِ آفتاب

کھلتا ہے حالِ رخ لبِ جاں بخشِ یار سے
سن لیتے ہیں مسیح سے اخبارِ آفتاب

سیرِ جہاں کیا کرے دن کو غرض نہیں
شب کو ہمارے گھر میں ہو اقرارِ آفتاب

گرمیِ حسن کا ہے اشارہ یہی ہمیں
وہ کام کیجیے کہ جو ہو کارِ آفتاب

بندھتی ہیں یار ٹکٹکیاں اب تری طرف
آتے ہیں دیکھنے تجھے نظّارِ آفتاب
چوتھے فلک سے کم نہیں مستوں کو مے کدہ
ہے آفتاب ساغرِ سرشارِ آفتاب
ایسا کھرا ہے سکّہ ترے داغِ عشق کا
کھوٹا ہے جس کے سامنے دینارِ آفتاب
ہنگامِ صبح تم بھی جو بالائے بام ہو
آنکھوں میں رہ رووں کی ہو تکرارِ آفتاب
رخسارِ دل فریب ہو نظّارے کے لیے
خواہانِ ماہ ہوں ، نہ طلب گارِ آفتاب
اندھیر اپنی آنکھوں میں آتش ہے روشنی
بے روئے یار داغ ہے رخسارِ آفتاب

۸

[۱]روشنی اُس رخ کی کر جاتی ہے کارِ آفتاب
حسن سے پیدا کیا ہے اعتبارِ آفتاب
سامنا اُس آتشیں رخسار کا اندھیر ہے
ہم کہے رکھتے ہیں ، آگے اختیارِ آفتاب

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۴۹ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۷ ، جدید ص۳۵۸ ، چمن بےنظیر ص ۵۵ -
چمن بےنظیر میں پوری غزل درج ہے مگر بعض اختلاف بھی ہیں جو بظاہر نقل کی غلطی ہے ؛ مثلاً ”روشنی اس رخ کی“ کے بجائے ”روشنی اس گل کی“ لکھا ہے - یا دوسرے شعر کا دوسرا مصرع تیسرے شعر اور تیسرے شعر کا دوسرا مصرع پہلے شعر کے دوسرے مصرع کی جگہ چھپا ہے

ہجر کی شب میں زبس ہے اشتیاقِ روزِ وصل
رات بھر رکھتی ہیں آنکھیں انتظارِ آفتاب

نقش کس دل میں نہیں رخسارِ روشن کا ترے
کون سا گھر ہے نہیں جس میں گذارِ آفتاب

منہ سلاتا ہے تمھارے چہرۂ پُر نور سے
کیجیے اپنی کفِ پا کو دوچارِ آفتاب

حسنِ مخلوقات سے اشرف جمالِ یار ہے
بے حساب اُن عارضوں میں ہے شمارِ آفتاب

یہ دعا کرتے ہیں اُس رخ کو ترقی خواہِ حسن
روشنیِ طُور دے پروردگارِ آفتاب

کیفِ مے سے سرخ جو وہ چہرۂ روشن ہوا
ہم بہارِ باغ لوٹی ، ہم بہارِ آفتاب

خانۂ دل میں جگہ دیجے خیالِ یار کو
دیکھیے برجِ شرف میں اقتدارِ آفتاب

دم فنا اُس روے روشن کے نظارے نے کیا
طائرِ جاں ہو گیا اپنا ، شکارِ آفتاب

روتے روتے پہلوے گل میں گزر جاتی ہے رات
یاد آتا ہے جو شبنم کو کنارِ آفتاب

صبحِ محشر کا ہے آنکھوں کو انھوں کے اشتیاق
ہجر کی شب میں ہیں جو اُمّیدوارِ آفتاب

عور رہتے ہیں تصوّر سے شبِ سرما میں گرم
روے روشن یار کا ہے یادگارِ آفتاب

مر گئے پر بھی نہ بھولے گا رخِ زیباے یار
ذرے اپنی خاک کے ہوں گے نثارِ آفتاب

پاؤں[1] تیرے اس میں اے محبوب دھویا کیجیے
ہاتھ آ جائے جو طشتِ زرنگارِ آفتاب

دل جلا ہے گرمیوں سے اس کی[2] بے یار اس[1] قدر
بھاگ جاؤں واں ، نہ جس جا ہو گزارِ آفتاب

روے یار اپنی طرف سے پھرنے اے آتش نہ دیں
ہو جو ہاتھ اپنے عنانِ اختیارِ آفتاب

---

۱ - یہ شعر چمن بے نظیر میں بارھویں نمبر پر درج ہے ۔
۲ - چمن بے نظیر میں شعر یوں ہے :
دل جلا ہے گرمیوں سے اس لیے بے یار اب
بھاگ جاؤں واں نہ ہو جس جا گذار آفتاب

ردیف بائے فارسی

۱

'بہتر دکھائی دیں کہیں شمس و قمر سے آپ
دیکھیں جو آئنے کو ہماری نظر سے آپ

ہوتے ہیں گوش زد لب شیریں سے حرفِ تلخ
اپنے دہن کو صاف کریں نیشکر سے آپ

درباں غریب خاک کرے عرضِ بارباب
کانوں کو بند کرتے ہیں میری خبر سے آپ

فریاد عاشقوں کی گوارا نہ کیجیے
واقف نہیں ہیں آہ و فغاں کے اثر سے آپ

آئینے نے جو زلف کا عالم دکھا دیا
دیکھیں گے راہ شام کی صاحب! سحر سے آپ

خط نے غرورِ حسن کو کھویا ہے مہرباں
مجبور ہو گئے ہیں قضا و قدر سے آپ

اس نازنیں کو دیکھ کے کہتے ہیں غیب داں
کچھ نازکی میں کم نہیں اپنی کمر سے آپ

آئینہ دیکھنے کا کہاں ہے تمھیں دماغ
زلفوں میں شانہ کرتے ہیں کس دردِ سر سے آپ

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۷۰ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۶۵ ، جدید ص ۱۰۱ میں صرف ایک غزل ہے ، دیوان دوم میں دو غزلیں ہیں -

اچھا ہوں یا برا ہوں تمھارا ہوں جو کہ ہوں
آگاہ ہیں غلام کے عیب و ہنر سے آپ

کیا کیا ہمارا طائرِ دل ہے پھڑک رہا
کس دن شکار کھیلنے نکلیں گے گھر سے آپ ؟

ہوش ایسے اڑ گئے ہیں خبر کچھ نہیں رہی
آئے ہیں کس طرف سے ، گئے ہیں کدھر سے آپ

بدنام ہو گے تم بھی جو رسوا کیا ہمیں
ہے خیر اسی میں باز رہیں اب بھی شر سے آپ

زاری بھی کرکے اپنے نصیبوں کو دیکھ لیں
ہاتھ آئے زور سے نہ تو ہم کو نہ زر سے آپ

خانہ خرابِ عشق جو میری طرح کرے
ٹکرائیں اپنے سر کو مرے سنگِ در سے آپ

آتش تمھارے گریے میں ہوتا جو کچھ اثر
کرتے درخت خشک ہرے چشمِ تر سے آپ

۲

دکھلاتی ہے رنگینیِ رخسار عجب روپ
رکھتا ہے ترے حسن کا گلزار عجب روپ

کہتا ہے گل و لالہ کوئی ، کوئی مہ و مہر
لایا ہے ترا جلوۂ دیدار عجب روپ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۷ ، جدید ص ۳۵۹ ، چمن بے نظیر ص ۶۱ -

نظّارۂ یوسف[۴] ہو زلیخا کو مبارک
بدلے ہوئے ہے مصر کا بازار عجب روپ
مشتاق نہ کیونکر ہوں تری دید کی آنکھیں
دیکھا نہیں ، سنتے ہیں مگر یار عجب روپ
دلالوں کی قیمت کا یقیں آتا ہے کس کو
پاتے ہیں ترا تیرے خریدار عجب روپ
اُس رشکِ مسیحا کا جو کرتا ہے کوئی ذکر
ہوتا ہے مرا صورتِ بیمار عجب روپ
جب دیکھیے کچھ اور ہی عالم ہے تمہارا
ہر بار عجب رنگ ہے ، ہربار عجب روپ
چلتے ہو جو تم ناز سے اٹکھیلی کی چالیں
ہر گام دکھا دیتی ہے رفتار عجب روپ
کھل جائیں تجھے معنیِ توحید اگر آتش
پھردیکھے تو دکھلائیں گل و خار عجب روپ

۳

بل کھا سکے نہ صورتِ گیسوے یار سانپ
توڑے مروڑے اپنے بدن کو ہزار سانپ
احول کی آنکھ سے ہوں میں سودائی دیکھتا
دو زلفیں یار کی نظر آتی ہیں چار سانپ
کیونکر نہ پھاڑ پھاڑ کے پھینکوں میں پیرہن
سوداے زلفِ یار میں ہے تار تار سانپ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ۲۵۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۸ ، جدید ص ۳۵۹ ، چمن بے نظیر ص ۵۹ ۔

افشاں چھڑک کے یار نے زلفِ سیاہ پر
دکھلا دیا وہ سنتے تھے جو مال دار سانپ
موذی بھی متّفق اثرِ حسن سے ہوئے
کرتے ہیں گنجِ یار کے اوپر نثار سانپ
ہر عقدہ گانٹھ زہر کی، موذی ہے بال بال
کاکل ہے ایک یار کی، کالے ہزار سانپ
دھوون کے زلفِ یار کی پائی نہ سمّیت
کف لا کے، زہر اگل کے، ہوئے شرمسار سانپ
اس زلف میں ہے جب سے مرا داغدار دل
طاؤس کو سمجھتے ہیں اپنا شکار سانپ
سودائے زلف میں ہے جو کچھ حال کیا کہوں
رہتا ہے رات دن مرے سر پر سوار سانپ
روئے صبیح پر نہیں لہرا رہی وہ زلف
بُو پا کے یاسمیں کی ہے بےاختیار سانپ
موذی کو چاہتا ہے قوی آسمانِ دوں
یوحا[1] بنایا کرتا ہے یہ بد شعار سانپ
آتش یہ شاعروں کا فقط اختراع ہے
رخسار گنج ہیں، نہ تو گیسوے یار سانپ

---

۱ - یوحا : ایک قسم کا سانپ جو ایک ہزار سال کی عمر پاکر ہرصورت اختیار کر سکتا ہے - علی بخش کے نسخے میں ''یوحا'' - نول کشور کے نسخۂ قدیم میں ''یـوجا'' - جدید میں ''پوجا'' اور ''چمن بے نظیر'' میں ''یوں جا'' ہے -

ردیف تائے مثناۃ

۱

[1]تا صبح نیند آئی نہ دم بھر تمام رات
نو چکّیاں چلیں مرے سر پر تمام رات

سونے نہ جاؤ فتنہ جگا کر، تمام رات
وعدہ ہے میرا آپ کا دن بھر تمام رات

اللہ ری صبح عید کی اُس حور کو خوشی
شانہ تھا اور زلفِ معنبر، تمام رات

گلشن میں آ گیا جو قدِ یار مجھ کو یاد
رویا میں زیرِ پائے صنوبر تمام رات

غفلت میں ہم نے عہدِ جوانی کو کھو دیا
اب بیٹھے ہاتھ ملتے ہیں کھو کر تمام رات

کیا انتظارِ یار کی حالت بیاں کروں
رہتی ہے جان آنکھوں کے اندر تمام رات

بے یار دل کسی سے نہ میرا بہل سکا
کیا کیا چمک کے نکلے ہیں اختر تمام رات

کرنے دے کرتے ہیں جو ہوس ناک گرمیاں
باقی پڑی ہے اے دلِ مضطر تمام رات

---

۱ - کلیات دیوان اول علی بخش ص ۷۱، طبع نول کشور قدیم ص ۶۵، نول کشور جدید ص ۱۰۲ -

مارا ہے پھانسی دے کے مجھے زلفِ یار نے
ہوگا عذابِ قبر مقرّر تمام رات

اے ماہِ چاردہ یہ گریز اب نہیں ہے خوب
پہلے کیا تھا کس لیے خوگر تمام رات

گویا زبانِ شمع جو ہوتی تو پوچھتا
کٹتی ہے ہجرِ یار میں کیوں کر تمام رات

کھولے بغل کہیں لحد تیرہ روزگار
سویا نہیں کبھی میں لپٹ کر تمام رات

کنڈی چڑھا کے شام سے وہ شوخ سو رہا
پٹکا کیا میں سر کو پسِ در تمام رات

تا صبح گفتگو تھی نگاہوں میں یار سے
آنکھوں میں دشمنوں کی کیا گھر تمام رات

بے یار فرشِ گل مری آنکھوں میں خار تھا
لوٹا کیا میں کانٹوں کے اوپر تمام رات

دیوانہ کون سے صنمِ با وفا کا ہوں
زنداں میں میرے آتے ہیں پتّھر تمام رات

دن کو تو چین لینے دے اے گردشِ فلک
کافی ہے مجھ کو گردشِ ساغر تمام رات

راحت کا ہوش ہے کسے **آتش** بغیرِ یار
بالیں[1] ہے خشتِ خاک ہی بستر تمام رات

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ''بالیں ہے'' طبع جدید ''بالیں میں۔''

۲

[1]روز و شب ہنگامہ برپا ہے میانِ کوے دوست
ہڈیوں پر میری لڑتے ہیں سگانِ کوے دوست

حور کی تعریف گویا یار کی تعریف تھی
ذکر کو جنت کے میں سمجھا بیانِ کوے دوست

تشنۂ خونِ جہاں ہے یہ ، تو وہ قتالِ خلق
آفتِ جاں ہیں زمین و آسمانِ کوے دوست

قاصد کشتہ نظر آتا ہے ہر مردہ مجھے
مجھ کو گورستاں کے اوپر ہے گمانِ کوے دوست

ہم نشیں کہتے ہیں افسانے سے آ جاتی ہے نیند
ہجر کی شب میں سنوں گا داستانِ کوے دوست

رشک اسے کہتے ہیں میں نے صاف اسے سمجھا رقیب
صورتِ دیوار اگر دیکھی میانِ کوے دوست

نقشِ پاے غیر پاتا ہوں پسِ دیوار میں
آشنائے دزد نکلا پاسبانِ کوے دوست

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوے دوست

چاہِ رہ نقشِ قدم ہے ، خارِ رہ قزاق ہے
ہو چکے دشمن ہمارے رہ روانِ کوے دوست

آتش اہلِ کربلا سے چل کے اب کہتا ہوں میں
اے خوشا طالع تمھارے ساکنانِ کوے دوست

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۷ ، طبع نول کشور قدیم ص ۶۶ ، طبع نول کشور جدید ص ۱۰۳ ، بہارستان سخن ص ۴۹ - رمل مثمن محذوف - ارکانہ: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن - ناسخ کی غزل ہے :
''دشمن جاں ہے ہمارا پاسبان کوے دوست'' -

۳

'تار تارِ پیرہن میں بھر گئی ہے بوے دوست
مثلِ تصویرِ نہالی میں ہوں یا پہلوے دوست
چہرۂ رنگیں کوئی دیوانِ رنگین ہے مگر
حسنِ مطلع ہیں مسیں، مطلع ہے صاف ابروے دوست
ہجر کی شب ہو چکی روزِ قیامت سے دراز
دوش سے نیچے نہیں آترے ابھی گیسوے دوست
دور کر دل کی کدورت محو ہو دیدار کا
آئنے کو سینہ صافی نے دکھایا، روے دوست
واہ ری شانے کی قسمت، کس کو یہ معلوم تھا
پنجۂ شل سے کھلیں گے عقدہ ہاے موے دوست
داغ دل پر خیر گزری تو غنیمت جانیے
دشمنِ جاں ہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں سوے دوست
دو مریں گے زخمِ کاری سے تو، حسرت سے ہزار
چار تلواروں میں شل ہو جائے گا بازوے دوست
فرشِ گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب
خشت زیر سر نہیں یا تکیہ تھا زانوے دوست
یاد کرکے اپنی بربادی کو رو دیتے ہیں ہم
جب آڑاتی ہے ہواے تند خاکِ کوے دوست
آس بلاے جاں سے آتشؔ دیکھیے کیوں کر بنے
دلِ سوا شیشے سے نازک، دل سے نازک خوے دوست

۱- کلیات طبع علی بخش ص ۲۷۱، ۲۷۲۔ نول کشور قدیم ص ۶۶، جدید ص ۳۰۱۔

۴

[1]نظر آتا ہے مجھے اپنا سفر آج کی رات
نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آج کی رات

جلوہ گر ماہ ہے خورشید لقا دل بر ہے
جمع ہیں گھر میں مرے شمس و قمر آج کی رات

بھولتا ہے کوئی بےتابیِ دل کا عالم
یاد آوے گی کل اے دردِ جگر آج کی رات

شام سے دل کو خیال رخِ نورانی ہے
خواب میں مجھ کو دکھاوے گی سحر آج کی رات

دو گھڑی بیٹھیے تکلیف جو کی ہے صاحب
بعد مدّت کے تم آئے ہو ادھر آج کی رات

روشنائی میں میں پاتا ہوں عدم کی ظلمت
اے قلم چھوٹے نہ مضمونِ کمر آج کی رات

صبح ہوتی نظر آتی نہیں ہرگز آتش
بڑھ گئی روز قیامت سے مگر آج کی رات

۵

[2]رخِ رنگیں کا تصوّر ہے تماشائے بہشت
بند کر کھول کے آنکھوں کو نہ درہائے بہشت

گل ترے چھلّے کے اے حور ہیں گلہائے بہشت
دیکھنے آتے ہیں مشتاقِ تماشائے بہشت

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۷۲ ، نول کشور قدیم ص ٦٦ ، جدید ص ۱۰۴ -
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۷۲ ، نول کشور قدیم ص ٦٦ ، جدید ص ۱۰۴ -

کوچۂ حور لقا یار چھٹا ہے جب سے
ہائے جنّت کبھی کہتا ہوں کبھی وائے بہشت

رند ہوں مجھ کو خراباتِ مغاں جنّت ہے
سرِ زاہد کو مبارک رہے سودائے بہشت

نہیں ملتا لبِ شیریں کا جو بوسہ ، نہ ملے
حور کے ہاتھ سے کھاؤں گا میں خرمائے بہشت

وصلتِ حور کی ہر صبح دعا ہے مجھ کو
روز اللہ سے کرتا ہوں تقاضائے بہشت

عشق میں تیرے رہیں اشکوں سے آنکھیں لبریز
یہی دو چشمے ہیں دنیا میں دو دریائے بہشت

سائلِ کوئے حسیناں ہوں خدا سے اپنے
کافرِ عشق ہوں ، مجھ کو نہیں پروائے بہشت

گلِ جنّت سے ہے خوش رنگ وہ روئے رنگیں
پست بالا کی بلندی سے ہے طوبائے بہشت

حکم سے اپنے جہنّم میں جسے تو بھیجے
پھر وہ کافر ہے جو اس کو رہے پروائے بہشت

داورِ حشر سے محشر میں کہوں گا میں بھی
یہ گنہگار بھی رکھتا ہے تمنّائے بہشت

محفلِ حور وشاں کو ہے یہی میری دعا
تجھ کو آباد رکھے انجمن آرائے بہشت

تیرے کوچے کی ہوا اس میں نہ چلتی ہوگی
مر کے بھی دیکھ لیں مشتاق تماشائے بہشت

حور کی آنکھوں سے شرمائی ہوئی ہیں آنکھیں
صورتِ یار کے دیوانے ہیں شیدائے بہشت

'دیکھے رضواں جو تری چشمِ سیہ کو تو کہے
اُس کی ہم چشم نہیں نرگسِ شہلائے بہشت
عاشقِ ساقیِ کوثر ہوں میں رند اے آتش
مئے کوثر کے لیے ہے مجھے سودائے بہشت

٦

آئے بہار ، جائے خزاں ، ہو چمن درست
بیمار سال بھر کے نظر آئیں تندرست
تیشے سے جب کرے گی تجھے پیر زن درست
صورت دکھائی دے گی نہ اے کوہکن درست
منصور بھی جو ہوں تو انا الحق کہیں نہ ہم
اپنے طریق میں نہیں یہ ما و من درست
سجدہ کریں تجھے بت و زنّار توڑ کر
چاہیں حقیقت اپنی اگر برہمن درست
رنگیں خیال میری طرح ہو جو باغباں
ہر ایک فصل میں رہے رنگِ چمن درست
حال شکستہ کا جو کبھی کچھ بیاں کیا
نکلا نہ ایک اپنی زباں سے سخن درست
رکھتے ہیں آپ پاؤں کہیں پڑتے ہیں کہیں
رفتار کا تمھاری نہیں ہے چلن درست
جو پہنے اُس کو جامۂ عریانی ٹھیک ہو
اندام پر ہر اک کے ہے یہ پیرہن درست

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۷ - ۳۷ ۔ نول کشور قدیم ص ٦۷ ، جدید ص ۱۰۵ ۔

عشّاق و بوالہوس کو وہ پہچان جائیں گے
چھپتی نہیں ہے صورتِ بیمار و تن‌درست
صورت کا تیری دل نہ ہو کیونکر فریفتہ
نقشہ درست ، بینی و گوش و دہن درست
آرائشِ جہاں کو مشاطّہ چاہیے
بے باغباں کے رہ نہیں سکتا چمن درست
جامے پہ اس کے قطع ہوئی ہے قبائے ناز
ٹھیک اس کو جانے سمجھے اسے وہ بدن درست
آئینے سے بنے گا رخِ یار کا بناؤ
شانے سے ہوگی زلفِ شکن در شکن درست
کم شاعری بھی نسخۂ اکسیر سے نہیں
مستغنی ہو گیا جسے آیا یہ فن درست
آئینہ رکھ کے سجدے میں اپنے جھکائے سر
بت کی طرح ترش کے جو ہو برہمن درست
بھاری نہ ہوویں گی مجھے مجنوں کی بیڑیاں
ہر اسام ، اسام کا ہے پیرہن درست
پرچھاواں ان کا عاشق و معشوق پر پڑے
برسوں رہا معاملۂ روح و تن درست
غربت زدوں کے حال کا افسانہ چھیڑتے
ہوتی اگر طبیعتِ اہلِ وطن درست
طنز و کنایہ کی نہ رہے ہم سے گفتگو
اپنے شکستہ حال سے ، کیجے سخن درست
مستوں کے حلقے سے کوئی حلقہ نہ خوب تھا
اپنا مزاج رکھتی جو یہ انجمن درست

مشقِ سخن نے بندشِ الفاظ چست کی
سچ ہے یہ بات ، کرتی ہے ورزش بدن درست
دنیا سی خانگی کوئی ہوگی نہ بیسوا
شوہر سے اپنے رہتی نہ دیکھی یہ زن درست
قاتل کے اشتیاق میں خود کاٹتے گلا
آراستہ ہے گور ہماری ، کفن درست
وہ رشکِ باغ سیر کو آتا ہے باغ میں
کہہ دو کہ ہوں تیں گل و سرو و سمن درست
پانی نہ نکلے جس میں سے ناقص ہے وہ کنواں
نزدیک اپنے تو نہیں چاہ ذقن درست
آتش وہی بہار کا عالم ہے باغ میں
تا حال ہے دماغ ہوائے چمن درست

۷

[1]کون سی جا ہے جہاں تیرے نہیں اے یار! مست
دیکھیے جس کوچے میں ، بڑ مارتے ہیں چار مست
کہہ کے یہ ساقی سے رکھتے ہیں گرو دستار مست
سر برہنہ ہے جو مستوں میں وہ ہے سردار مست
حسن کے نظارے سے ہوتی ہے کیفیت حصول
عشق رکھتا ہے ہمیں بے بادۂ گلنار مست
فصلِ گل ہے ساقی یوسف لقا ہیں ساتھ ساتھ
لالہ گوں مے پیتے پھرتے ہیں سرِ بازار مست

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۳۔۷۴ ، نول کشور قدیم ص ٦٨ ، جدید ص ۱۰٦ ۔

کون پوجے بت کو ، کس سے ہو سکے یادِ خدا
اپنے اپنے حال میں ہیں کافر و دیں دار مست

حسن کی نیرنگ سازی سے عجب اس کا نہیں
مست ہو ہشیار تجھ کو دیکھ کر ، ہشیار ، مست

مے کدے میں نشّے کی عینک دکھاتی ہے مجھے
آسماں مست و زمیں مست و در و دیوار مست

زاہدوں کی پنج گانہ سے فضیلت ہے اسے
نشّے کے عالم میں کرتے ہیں جو استغفار مست

ساقی و پیر ں سے مُلتجی ہوتے نہیں
دیکھ لیتے ہیں ی صورت ترے دیدار مست

دخترِ ر کے لیے ہونا ہے اک دن کشت و خون
محتسب پر کھینچتے ہیں آج کل تلوار مست

منکشف ہے مجھ کو احوالِ خراباتِ مُغاں
میرے آگے کہتے ہیں مے خانے کے اخبار مست

عام ہے سودا تمھارے گیسوے پُرپیچ کا
روز زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں دو چار مست

زاہدان خشک کو کیفّیتِ دنیا نہیں
ساغرِ گل سے ہوئے کس دن چمن میں خار مست

آگے آگے ہو کے یاد ان کو دلا دیتا ہوں میں
بھول جاتے ہیں جو راہِ خانۂ خمّار مست

خار خار دل کہے کس سے سنے بلبل کی کون
باغباں مست و صبا مست و گلِ گلزار مست

روشنیِ دل سمجھتے ہیں زلالِ بادہ کو
دردِ مے کو جانتے ہیں غازۂ رخسار مست

ترک عادت ہے عداوت آدمی کے واسطے
مے نہ دی تو نے تو اے ساقی ہوئے بیار، مست
واہ آتش کیا زباں رکھتا ہے کیفیّت کے ساتھ
سامعیں ہوتے ہیں سن سن کے ترے اشعار مست

۸

[1]آئینے کی طرف نہیں آتا خیالِ دوست
قربان شانِ حسنِ عدیم المثالِ دوست
پُتلی ہؤا ہے آنکھ کی اپنے خیالِ دوست
یاں تو یہ حال ہے، نہیں معلوم حالِ دوست
الطاف نامہ یار کا لے کر کرم کرے
صورت دکھائے ہُدہُدِ فرخندہ فالِ دوست
حسنِ شباب تک نہیں طفلی گئی ہنوز
ظاہر نہیں ہوا ابھی ہم کو کمالِ دوست
سن کر فسانہ یوسف[4] و یعقوب[4] نے کہا
کرتا ہے چشمِ یار کو روشن جمالِ دوست
اُن ابروؤں کے حسن کی تعریف کیا کروں
ماہِ چہاردہ سے ہیں بہتر ہلالِ دوست
یاد آئی دن کو رات ملاقاتِ یار کی
شب کو رہا تصوّرِ روزِ وصالِ دوست
معشوق آنکھ پھیرے نہ عاشق سے اے کریم
وحشی سے اپنے ہو نہ گریزاں غزالِ دوست

۱۔ کلیات طبع دلی بخش ص ۴۷، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۶۸، جدید ص ۱۰۷۔

دل پر یقین ہوتا ہے مجھ کو امین[1] کا
جانِ عزیز کو میں سمجھتا ہوں مالِ دوست

وہ قد ہے مثلِ سرو ہمیشہ بہار پر
اندیشۂ خزاں نہیں رکھتا نہالِ دوست

رخسار سے صباحتِ کافور ہے عیاں
بوے لطیف مشک سے رکھتے ہیں خالِ دوست

چینِ جبینِ یار سے بنتی ہے جان پر
ہوتا ہے ناگوارِ طبیعت ملالِ دوست

مریخ کی طرح سے ہے خوں ریزِ عاشقاں
پہنے لباس سرخ تو ہے حسبِ حالِ دوست

گڑگڑ گئے ہیں سروِ چمن قد کو دیکھ کر
گردن کشوں کے سر ہوئے ہیں پائمالِ دوست

انداز جو ہے یار کا ہے مصلحت وہی
اک ایک سے ہے خوب جمال و جلالِ دوست

رہتی ہیں آنکھیں بند تصوّر میں یار کے
تارِ نگہ سے اپنے بندھا ہے خیالِ دوست

دل کو خیالِ یار کا ہر آن چاہیے
آئینہ چاہیے ، نہ رہے بے مثالِ دوست

مانگیں جو بوسہ ہم تو نہ انکار کیجیے
اے یار ! دوست رد نہیں کرتے سوالِ دوست

رخسارِ یار پر ہے کسے آرزوے خط
ہو رُو سیاہ اس کا جو چاہے زوالِ دوست

خواہانِ جاں ہوا جو وہ دلدار کی طرح
دشمن پر اپنے مجھ کو ہوا احتمالِ دوست

۱ - نول کشور ”مجھ کو یقین کا“ غلط چھپا ہے -

آتش یہ وہ زمین ہے کہ صائب نے ہے کہا
''خوشتر ز گوشوارہ بود گو شمالِ دوست''[1]

۹

[2]قامت سے دکھا یار تماشاے قیامت
ہو آج ہی ہونا ہے جو فرداے قیامت
واعظ سے تری جلوہ نمائی جو سنی ہے
دیدار کے بھوکوں کو ہے سوداے قیامت
دونوں سے علاقہ نہ رہا چاہ کے تم کو
جنّت کے ، نہ دوزخ کے ہوئے ، واے قیامت
اس مرحلے میں خونِ جگر کھانا پڑے گا
بے دانہ و بے آب ہے صحراے قیامت
شاعر ہوں ، یہی عرصۂ محشر میں کہوں گا
کیا مصرع برجستہ ہے بالاے قیامت
رحمت سے تری ڈر نہیں ، ہرچند کہ ہووے
فرداے قیامت پسِ فرداے قیامت
کشتے تری خلخال کی آواز کے ہیں ہم
ہم سے نہ سنا جائے گا غوغاے قیامت
دوگام جو محشر میں چلے تم روشِ ناز
پامال ہوئے فتنۂ صحراے قیامت

---

۱ - دیوان اول ردیف 'ت' کی آخری غزل ۔
۲ - کلیات دیوان دوم طبع علی‌بخش ص ۲۵۰، نول کشور قدیم ص ۲۲۸، جدید ص ۲۷۰، چمن بےنظیر ص ۶۳ صرف گیارہ شعر ۔ دیوان دوم میں ردیف 'ت' کی تین غزلیں ہیں ۔

اس قدِ کشیدہ کا نہ مشتاق ہو اے دل
اللہ نہ دکھلائے تماشائے قیامت

فریاد بُتوں کی نہیں اللہ سے کرتے
ہو یا نہ ہو، ہم کو نہیں پروائے قیامت

ہمراہ مرے یہ بھی جہنّم میں پڑیں گے
اعضا جو کریں گے مجھے رسوائے قیامت

اے داغِ جنوں حشر کا خورشید ہے تو بھی
گرمی سے تری ہوتی ہے ایذائے قیامت

کشتے ہیں محبّت کے ترے زندۂ جاوید
مُردوں کو مبارک ہو تمنّائے قیامت

آتش نہیں بچ رہنے کے، تم کو بھی کرے گا
صحبت کا شریک انجمن آرائے قیامت

۱۰

[1]عجب تیری ہے اے محبوب صورت
نظر سے گر گئے سب خوب صورت

صفائے قلب سے ہوتا ہے روشن
اس آئینے کو ہے مطلوب صورت

نقاب اُلٹو رخِ زیبا سے للہ
نہیں بھاتی ہمیں محجوب صورت

جبیں پر سے کرو چین و شکن صاف
حسینوں کو ہے یہ معیوب صورت

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۱ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۸ ، جدید ص ۳۶۰ ۔

پری و حور بھی رکھتے نہ ہوں گے
تمھاری شکل سی محبوب صورت
وہ عاشق ہوں مرے آگے ہے آتا
بنا کر حسن خوش اسلوب صورت
مبدّل صبر بے تابی سے ہو جائے
اگر دیکھیں تری ایّوب[۴] صورت
اُڑے گا شوق سے ، پیدا کرے گا
کبوتر کی مرا مکتوب ، صورت
سرِ بازار تم سے جب کہ چاہے
ملا لے یوسفِ[۴] یعقوب[۴] صورت
ہلا دیں دل نہ کیونکر شعرِ آتش
صفا بندش ہے ، معنی خوب صورت

۱۱۱

لبِ شیریں تک ان کے آئی بات
بن گئی قند کی مٹھائی بات
دہنِ یار میں نہ آئی بات
شاعروں نے بہت بنائی بات
دامن اس گل کا کیا چھوئے گی صبا
یہ کسی نے ہے جھوٹ اُڑائی بات
قصّہ کوتہ دہانِ یار کا تھا
حجتّوں نے مری بڑھائی بات

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۱ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۹ ، جدید ص ۳۶۱ ۔

کھیل زلفوں کا ہے الجھ پڑنا
ان کی آنکھوں کو ہے لڑائی بات

نہ کسی کو کڑی کہی ہم نے
نہ کسی کی کڑی اٹھائی بات

دہنِ تنگ یار میں کیا کیا
تنگ ہو ہو کے ہے سمائی بات

دردِ دل کہنے میں ہے کیا پس و پیش
کہی جاتی ہے منہ تک آئی بات

تازگی فکر کی کبھی نہ گئی
جب سنائی نئی سنائی بات

دم ہے چینِ جبینِ یار سے بند
کرنے دیتی نہیں رکھائی بات

چشم پوشی ہے قہر ان آنکھوں کو
سرمے نے بھی نہ یہ سجھائی بات

کہہ گئے تم کنایے میں کیا کیا
نہ کسی نے تمھاری پائی بات

تم جو گویا ہوئے تو پھول جھڑے
غنچے سے منہ میں رنگ لائی بات

یہ صدا آتی ہے خموشی سے
منہ سے نکلی، ہوئی پرائی بات

تیرے شیریں کلام کو سن کر
پھر نہ آتش کسی کی بھائی بات

۱۲

مہندی سے لال لال ہوئے دست و پاے دوست[1]
خونِ شہیدِ ناز ہوا ہے حناے دوست

حصّے میں دوستوں کے ہے جور و جفاے دوست
دشمن خدا نخواستہ ہوں خاک پاے دوست

دل کو ہوئے ہیں معنیِ توحید منکشف
آنکھوں کو کچھ نظر نہیں آتا سواے دوست

لاتیں چلیں گی سینے پر اپنے شبِ وصال
کیا کیا نہ غل مچائے گی خلخالِ پاے دوست

کیا مال ہے، ہزار کوئی مال‌دار ہو
ہم بھی ہیں سائلِ درِ دولت سراے دوست

زندہ سنے تو مردہ ہو، ہو جائے دم فنا
مردے کو زندہ کرتی ہے آوازِ پاے دوست

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۲، نول کشور قدیم ص ۲۲۹،
جدید ص ۳۶۲، چمن بے نظیر ص ۶۴ -

ردیف تاے ہندی

۱

اکل کو قبا پہن کے تو اے کج کلاہ کاٹ
مارِ سیاہ زلف سے سنبل کی راہ کاٹ

شوخیِ حسن کا ہے اشارہ یہی آسے
صورت دکھا کے رنگ رخِ مہر و ماہ کاٹ

مختار کر دیا تجھے اے مارِ زلفِ یار
سوتے میں سونگھ، جاگتے میں مجھ کو خواہ کاٹ

عاشق ہوں بوسہ آج کا کل پر نہ ٹال یار
روزینۂ فقیر نہ اے بادشاہ ! کاٹ

اس ترک سا ہے کون سا خون ریز دوسرا
کس کی کمر کی تیغ کا ہے بے پناہ کاٹ

کہتا ہے ہجر میں یہی اس شمع رُو کا دھیان
تو روشنی کے شغل میں روزِ سیاہ کاٹ

اے تُرک تیرے قبضے میں ابرو سی تیغ ہے
چن چن کے شوق سے تو سرِ بے گناہ کاٹ

موے مژہ ہر ایک چھری ہے بنکیت کی
بد بیں ملائیں آنکھ تو تیرِ نگاہ کاٹ

۱۔ کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۷۵، نول کشور قدیم ص ۶۹،
جدید ص ۱۰۸۔

بے وجہ عاشقوں سے نہ منہ اے صنم ! چھپا
بے جرم و بے قصور نہ حقِ سپاہ کاٹ
قاضی کو عاشقوں کی عدالت میں حکم ہو
سچ سچ گواہی دے تو زبانِ گواہ کاٹ
آتش خموش ! دل نہ پسیجے گا یار کا
بے معنی ہے یہ مصرعِ موزونِ آہ ، کاٹ

۲

[۱]دو ٹکڑے کر چکے کہیں تیغِ دو سر کی چوٹ
سر کو جھکا ، کہ چل چکی قاتل کمر کی چوٹ
آزاد عشق سے یہ ہوا ہوں میں ناتواں
پتّھر کی چوٹ ہے مجھے گل برگِ تر کی چوٹ
ٹکرایا کرتے ہیں شب و روز اس سے متّصل
سر ہے ہمارا اور ترے سنگِ در کی چوٹ
درد اس کو ہوگا سن کے مری آہِ دردناک
جس دل نے کھائی ہووے گی ترچھی نظر کی چوٹ
مشتاقِ دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے
کھاؤں کدھر کی چوٹ ، بچاؤں کدھر کی چوٹ
اے آسماں ! دکھائیں گے آیا جو بام پر
پیدا کیا ہے ہم نے بھی شمس و قمر کی چوٹ
بدبیں کو اپنی بزم میں اے بت ! جگہ نہ دے
پتّھر کو کاٹتی ہے یہ کافر نظر کی چوٹ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۷۵ ، ۷۶ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۶۹ ، جدید ص ۱۰۹ -

ہوتا ہے آہِ سرد سے یوں اپنے دل میں درد
پُروا ہوا میں دکھتی ہے جیسے بشر کی چوٹ

دل کو لگی ہے چشمِ سیہ کی تری نظر
رکتی نہیں کسی سے قضا و قدر کی چوٹ

مفلس کا کام یاں نہیں دولت کا کھیل ہے
دنیا قمارخانہ ہے چلتی ہے زر کی چوٹ

بدتر نہیں ہے غم غمِ فرزند سے کوئی
دل کو نصیب ہو نہ الٰہی جگر کی چوٹ

صدمہ فراق کا ہو نہ مشتاقِ وصل کو
اس کے عوض لگے اسے تیغ و تبر کی چوٹ

سودائے عشق ہو نہ تمہارے دماغ میں
آتش بٹھا ہی دیتی ہے انساں کو سر کی چوٹ

۳

[۱]دولتِ حسن کی بھی ہے کیا لُوٹ
آنکھوں کو پڑ گئی ہے لُوٹا لُوٹ

چل رہی ہے دلا ہوائے بہار
لالہ پُھولا ہے، داغِ سودا لوٹ

سامنے تیرے جو پڑے اے تُرک!
اس میں کعبہ ہو یا کلیسا، لوٹ

چار دن ہے بہار اے بلبل!
زرِ گل کا ہزار توڑا لوٹ

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۲۹ ، جدید ص ۳۶۲ ، چمن بے نظیر ص ۲۹ گیارہ شعر - دیوان اول میں ۲ اور دیوان دوم میں ۲ مجموعی غزلیں چار ہیں -

صفِ مژگاں سے کہہ رہی ہے وہ چشم
دل ملیں جتنے ، بے تحاشا لوٹ
صرفِ للہ مالِ دنیا کر
مرد ہے کچھ تو بہرِ عقبیٰ لوٹ
صاف دل ہو تو جلوہ‌گر ہو یار
آئنہ ہو تو ہو تماشا لوٹ
نعمتِ خوانِ حسن جو مل جائے
یہ سمجھ لے ہے مَنّ و سَلوا ، لوٹ
گوہر آبلہ ہوئے تو چلیے
لیں گے دیوالو خارِ صحرا لوٹ
کیا عجب جو وہ گیسوے سرہنگ
لیں متاعِ دلِ احبّا لوٹ
جانتے ہیں کہ فوجِ جنگی سے
نہیں سردار پھیر لیتا لوٹ
کام مردوں کا ہے یہ اے آتش
رکھتی ہے جان کا بھی کھٹکا لوٹ

۴

[1]وصل کی شب نہیں عاشق سے سزاوار لپیٹ
نیند کا حیلہ نہ کر ، منہ کو نہ اے یار لپیٹ
مثلِ گل تو نے جو پہنی ہے قبا اے محبوب !
لالے کی طرح سے بھی لٹپٹی دستار لپیٹ

---

۱ - کلیات طبع علی‌بخش ص ۲۵۲ ، کلیات طبع نول‌کشور قدیم ص ۲۳۰ ،
چمن بے نظیر ص ٦٧ -

جان پر بنتی ہے ، ہو جاتا ہے اک سودا سا
دل کو لیتے ہیں ترے گیسوے خم دار لپیٹ

قتل پر میرے اُٹھایا ہے[1] جو بیڑا
خوب کس کر کمر اے ترک جفاکار لپیٹ

داغِ عشق آپ ہی کھا ، اس کو نہ کھلوا للہ
ساتھ اپنے نہ جگر کو بھی دلِ زار لپیٹ

چاند سے منہ کو دکھا ابرِ سیہ سی زلفیں
کبک و طاؤس کو بھی اپنی طرف یار لپیٹ

بھیڑ سی بھیڑ رہا کرتی ہے دروازے پر
رکھتے کس کس کو ترے قصر کی دیوار لپیٹ

خطِ مشکیں سے رخِ یار کے اوپر یہ کھلا
روزِ روشن کو بھی لیتی ہے شبِ تار لپیٹ

شانِ مریخ بھی دکھلا چکے قاتل مجھ کو
اس خوش اندام کو اے جامۂ گلنار لپیٹ

آمد آمد کی اطبّا کی جو سنتے ہیں خبر
منہ کو لیتے ہیں کفن سے ترے بیمار لپیٹ

کاف ابرو کا اشارہ ہے مجھے اے قاتل!
خونِ ناحق میں مرے اپنی نہ تلوار لپیٹ

یہی بازارِ جہاں میں ہے تمنّا آتش
جنسِ دل لے کوئی خوش رو سا خریدار لپیٹ

---

۱ - چمن بے نظیر ''بیڑا تم نے''۔

ردیف ثائے مثلثہ

۱

[1]دل میں گھر کرکے منہ آنکھوں سے چھپاتے ہو عبث
ناز و انداز سے باہر ہوئے جاتے ہو عبث
چوٹی ، ایڑی سے مری جان بڑھاتے ہو عبث
بُوٹے سے قد کو یہ شاخ اور لگاتے ہو عبث
اے بتو! تم کو بھی دعوائے الوہیّت ہے
توڑ کر دل کو مرے کعبے کو ڈھاتے ہو عبث
عاشقوں سے نہیں کیا سجدہ ادا ہو سکتا
داغ پیشانیِ زاہد کو لگاتے ہو عبث
غافلو ! منزلِ دنیا ہے سرائے فانی
اس خطرگاہ میں تم چھاؤنی چھاتے ہو عبث
مرد تلوار کے آگے سے کوئی ہٹتے ہیں
ہم کو ابرو کے اشارے سے ڈراتے ہو عبث
صاحبِ سیبِ زنخداں و بہی[2] غبغب ہو
کس زباں سے میں کہوں تم مجھے بھاتے ہو عبث

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی‌بخش ص ۷۶ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۶۹ ، جدید ص ۱۱۰ -

۲ - کلیات طبع علی‌بخش و طبع جدید نول کشور "بہ غبغب" - صحیح "بہی غبغب" ہے جیسا کہ متن میں ہے - ردیف 'ث' میں صرف ایک ہی غزل ہے -

جانبِ شیشہ جو دیکھوں تو مُغاں کہتے ہیں
آنکھوں میں دخترِ رز کو پیے جاتے ہو عبث

بوسے لیتا ہوں تو کہتا ہے وہ رشکِ یوسف[۴]
گرگ کی طرح سے پھاڑے مجھے کھاتے ہو عبث

شاعرو! ذکرِ دہان و کمرِ یار نہ ہو
سرِّ مخفی ہیں، زباں پر انھیں لاتے ہو عبث

سایہ ساں لگ چلو آتش نہ بہت یار سے تم
دشمن و دوست کی آنکھوں میں سماتے ہو عبث

ردیف جیم تازی

۱

[1]نازک حباب سے ہے مرا دل[2]، مرا مزاج
بہہ جائے پانی ہو کے جو بدلے ہوا مزاج
اک دم رہے نہ باغِ جہاں مین شگفتہ
پژمردہ غنچہ تھا کوئی اپنا رکا مزا۔
دشمن بھی ہو تو دوستی سے پیش آئیں ہم
بیگانگی سے اپنا نہیں آشنا مزاج
اک دن رکا تھا تنگ بغل میں لیا ہزار
اس گل بدن کا پا گئی ہے کیا قبا مزاج
پابوس سے ترے یہ ہوا ہے اسے شرف
کب ایسا شوخ رکھتا تھا رنگِ حنا مزاج
مشقِ ستم ہے اس لیے اس طفلِ شوخ کو
اصلاح پر نہ مجھ سے کبھی آئے تا مزاج

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۶۷ ، طبع نول کشور قدیم ص ۷۰ ، جدید ص ۱۱۰ -
۲ - طبع نول کشور ۱۸۷۲ع "نازک حباب سے مرا دل ، مرا سزاج" لیکن طبع علی بخش اور طبع جدید میں "دل میرزا مزاج" ہے -

صحت نہیں نوشتۂ بیمارِ عشق میں
چھٹ جاتی ہے غذا ، نہیں پاتی دوا مزاج
کچھ غم نہ تھا ہزار زمانہ خلاف تھا
افسوس یار کا نہ موافق ہوا مزاج
ہم کو تو دل کی چاہ نے مجبور کر دیا
پھیرے مگر بتوں کی طرف سے خدا مزاج
دیوانہ دیکھتا ہوں میں دنیا کا خلق کو
آتش پری کا رکھتی ہے یہ بیسوا مزاج

۲

افصلِ گل ہے ، لوٹیے کیفیتِ مےخانہ آج
دولتِ ساقی سے مالامال ہے پیمانہ آج
بادشاہِ وقت ہے اپنا دلِ دیوانہ آج
داغِ سودا ہم کو دیتا ہے جنوں نذرانہ آج
دولت دنیا سے مستغنی ہوں میں دیوانہ آج
گنج آکل دیتا ہے میرے واسطے ویرانہ آج
تیرے کوچے کا ہے اے خانہ خراب افسانہ آج
شیخ کعبہ چھوڑتا ہے برہمن بت خانہ آج
جلوۂ حسنِ پری دکھلا رہی ہے فصلِ گل
عقلِ کُل کہیے اسے جو کوئی ہے دیوانہ آج
خوب رو تجھ سا کوئی بازارِ عالم میں نہیں
قیمتِ یوسف[۴] نہ تھی جو ہے ترا بیعانہ آج

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۷٦ - ۷۷ ، طبع نول کشور قدیم ص ۷۰ ،
جدید ص ۱۱۰ -

وصل کی شب ہے، اندھیرے کا ہے وعدہ یار سے
شمع کا ہونا نہیں ممکن ، کہاں پروانہ آج
وہ پری پیکر کرے جو ناز ، زیبا ہے اسے
شہر آباد اس کے دیوانوں سے ہے ویرانہ آج
نزع کی حالت ہے کوئی آشنا اپنا نہیں
دیکھیے جس کو ، نظر آتا ہے وہ بیگانہ آج
آمد آمد اس سراپا نور کی ہے بزم میں
شمع اڑ جاوے جو ہاتھ آویں پرِ پروانہ آج
ہم نشیں کہتے ہیں ذکرِ عیش نصفِ عیش ہے
میں کہوں ، تو سن جمالِ یار کا افسانہ آج
امتیازِ خوب و زشت اپنے زمانے میں نہیں
ایک سا ہے آہوے مست و سگِ دیوانہ آج
جان سے بیزار ہوں اک شمع رو کے عشق میں
ساتھ لے کر مجھ کو کودے آگ میں پروانہ آج
تلوے سہلاتی ہیں پریاں خانۂ زنجیر میں
وقت کا اپنے سلیماں[۴] ہے ترا دیوانہ آج
مجھ سے دریا نوش کو ساقی پلاتا ہے شراب
دیکھتا ہوں میں بھی ظرفِ شیشہ و پیمانہ آج
نقش آسیب پری ہے صورتِ زیبا تری
ہوش میں آتا ہے تجھ کو دیکھ کر دیوانہ آج
زلف کو لٹکاتے ہیں رخسار پر سو سو طرح
آئنہ ان کا مصاحب ہے ، مقرّب شانہ آج
کل ہمارا اور اس کا امتحاں ہو جائے گا
آشنائی کا ترے دم تو بھرے بیگانہ آج

میرے مرے کی دعا مانگے وہ بت پڑھ کر نماز
کس طرف جا کر کروں میں سجدۂ شکرانہ آج

وصل کی شب ہے کہاں ساقی تکلّف برطرف
میں تمھیں پیمانہ دوں ، تم مجھ کو دو پیمانہ آج

دیکھوں تو کیونکر پری ہوتی نہیں شیشے میں بند
بعد مدّت ہوش میں آیا ہوں میں دیوانہ آج

مال ہے اپنا جو یوسف[۴] آ گیا بازار میں
ہے زرِ قیمت کمر میں ، ہاتھ میں بیعانہ آج

عرش پر ہے ان دنوں میں اہلِ دنیا کا دماغ
کون سا گھر ہے، نہیں جس میں ہے بالاخانہ آج

چشمِ وحدت بیں[۱] میں اپنی نیک و بد دونوں ہیں ایک
گرگ و یوسف[۴] سے برابر ہے ہمیں یارانہ آج

خالِ مشکیں کو ترے ارزاں سمجھ کر مول لوں
قیمتِ خرمن بھی کر دے گر ملے یہ دانہ آج

نزع کی مشکل بھی آساں ہوتی ہے آتش نہ ڈر
شاہِ مرداں سے طلب کر ہمّتِ مردانہ آج

۳

[۲]عاشقِ مہجور کے مانند ہے بے تاب موج
رکھتی ہے دریا میں حالِ ماہیِ بے آب موج

غرق ہونا پار اتر جانا ہے بحرِ عشق سے
لے چلے کشتی کو اپنی جانبِ گرداب موج

---

۱ - طبع علی بخش میں ”وحدت میں میں“ ہے .
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۷۷ ، نول کشور قدیم ص ۷۱ ، جدید ص ۱۱۱ -

ڈوبے ہیں دریا میں تیرے عاشقِ بے تاب بھی
مثلِ عنبر کیا عجب پیدا کرے سیماب موج
اپنا مہمانِ طفیلی جانتے ہیں ہم اسے
آئے گی گھر میں ہمارے ہمرہِ سیلاب موج
دم فنا ہووے تو ممکن ہے سخن گوئی[1] کا ترک
آبِ دریا خشک ہو جاوے تو ہو نایاب موج
کیا سمجھ کر بحرِ ہستی میں کروں راحت طلب
دیکھتا ہوں روز و شب دریا میں ہے بے خواب موج
چاندنی کی سیر کو آیا اگر وہ بحرِ حسن
قدرتِ اللہ دیکھے گی شبِ مہتاب موج
بحرِ اُلفت کی شناور ہو اگر میری طرح
خواب میں بھی پھر نہ دیکھے صورت نایاب موج
گنج بادآور بہا لاوے ، جو خسرو ہو کوئی
اب بھی ہے آتش میانِ عالمِ اسباب موج

۴

[2]بنیں گے کس کا زیور چاند سورج
گھڑا کرتے ہیں زرگر چاند سورج
چڑھیں کیا تیرے منہ پر چاند سورج
جواں ہے تو ، معمّر چاند سورج
قسم تیرے ہی سر کی اے رخِ یار !
نہیں تیرے برابر چاند سورج

---

۱ ۔ نول کشور قدیم "گوئی بھی ترک" ۔
۲ ۔ کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۰ ، جدید ص ۳۶۳ ، چمن بے نظیر ص ۱۷ بارہ شعر ۔

جبیں سا ہوتے ہیں جب دیکھتے ہیں
سرائے یار کا در ، چاند سورج

وہ رخسارے جو ہوتے ہیں مقابل
نکل جاتے ہیں دب[1] کر چاند سورج

ترے جویا ہیں اے محبوب ! یہ بھی
پھرا کرتے ہیں گھر گھر چاند سورج

چراغوں میں ہیں تیرے راستے کے
رہیں روشن نہ کیونکر چاند سورج

وہ رخ ہوتے تو پھر اندھیر کرتے
چھپاتے منہ مقرّر چاند سورج

تمھارے روبرو ہو کر ہوئے ہیں
سفید و زرد اکثر چاند سورج

وہ بُکّا نور کا ہے ُتو ، جو دیکھیں[2]
رہیں حیران و ششدر چاند سورج

صفا بتلا کے چار ابرو کو اپنے
ہوئے تیرے قلندر چاند سورج

چڑھے میری طرح سے جو تپِ عشق
ہلال آسا ہوں لاغر چاند سورج

---

۱ - چمن بے نظیر ''نکل جاتے ہیں بچ کر'' - نیز تمام شعروں میں ''چاند و سورج'' واو کے ساتھ ہے -

۲ - چمن بے نظیر ''تو جو دیکھے'' -

وہ بالوں میں اگر رکھیں نہ باندھیں[1]
اڑیں ، پیدا کریں پر چاند سورج

ہم اس مے خانے کے ہیں مست آتش
کہ جس کے ہیں دو ساغر چاند سورج[2]

---

۱ - چمن بے نظیر ''رکھے نہ باندھے'' طبع علی بخش ''رکھیں نہ باندھی'' -
۲ - ردیف 'ج' کی چوتھی غزل دیوان دوم سے لی گئی ہے۔

ردیف جیم فارسی

۱

[۱]اک روز اِس سرائے سے ہے لاکلام کوچ
سن تو سہی ، پکارتا ہے یہ مقام کوچ

حرص و ہوا الٰہی ! نہ دل میں مرے رہے
تیرے مقامِ خاص سے کر جائیں عام کوچ

اک عمر سے رواں ہوں رہِ کوے یار میں
دکھلا چکی وہ منزلِ عالی مقام کوچ

اب ضبطِ آہ و نالہ کی طاقت نہیں مجھے
صبر و قرار و ہوش کا ہے صبح و شام کوچ

بحرِ جہاں میں آبِ رواں سے کُھلا یہ حال
استادگی کی جا نہیں یاں ہے دوام کوچ

منزل میں گور کی میں مسافر پہنچ چکوں
آخر ہو توشہ راہ کا ، ہووے تمام کوچ

مرتا ہے ، جاں بلب ہے ، مگر تو ہے بےخبر
خدمت سے تیری کرتا ہے اب یہ غلام کوچ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۷۷ ، طبع نول کشور قدیم ص ۷۱ ، جدید ص ۱۱۲ - ردیف 'چ' کی دیوان اول میں ایک اور دیوان دوم میں دو غزلیں ہیں -

جب دیکھو رہروی میں ہوں ریگ رواں کی طرح
میرا مقام وہ ہے کہ جس کا ہے نام کوچ
دن رات روز و شب ہے وطن میں سفر جنھیں
وہ پختہ مغز سمجھے ہیں سودائے خام کوچ
آتش خدا نے چاہا تو کرتے ہیں آج کل
ہندوستاں سے جانبِ بیت الحرام کوچ

۲

[۱]بلا اُس زلفِ پیچاں کا ہے ہر پیچ
خم اندر خم ہے، ہر مُو پیچ دَر پیچ
تری دستار پر عاشق کشی کو
ستم ہے گوشوارہ، قہر سر پیچ
الٰہی! خیر کیجو، کھا رہی ہے
اُدھر وہ زلف، اِدھر نازک کمر پیچ
ہوئے ہیں زلفِ پیچاں سے بھی طُرّے
تری دستار کے بیداد گر پیچ
اُٹھائے عشقِ پیچاں کی طرح سے
گلستانِ جہاں میں پیچ پر پیچ
نہ ہو اُس زلفِ پیچاں کا جو سودا
سمجھ لے اپنی قسمت کا بشر پیچ
جوابِ خط خبرداری سے لانا
نہ پڑنے پائے کچھ اے نامہ بر! پیچ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۳، نول کشور قدیم ص ۲۳۰، جدید ص ۳۶۴، چمن بے نظیر ص ۴۷ -

تری زلفوں کا دھوکا ہم کو دے گا
سراسر خم ہے سنبل، سربسر پیچ
نہیں دم باز ہم، ہم کو نہ دم دے
کرے جو پیچ اے یار اُس سے کر پیچ
فراقِ یار سے کُشتی پڑی ہے
پچھاڑا، چل گیا آتش اگر پیچ

۳

رہِ الفت میں نقدِ عمر کر خرچ
کہیں ہرچند مُمسک تجھ کو در[۲] خرچ
کہاں اب طاقتِ صبر و تحمّل
یہ دولت ہو چکی ہے بیشتر خرچ
نہیں یہ یار گیسو سی لچکتی
نزاکت کرتی ہے ان کی کمر خرچ
خدا دے دولتِ قاروں تو کیجے
نہ حاتم نے کیا ہو، اس قدر خرچ
وہی دے گا لبِ شیریں کا بوسہ
منوں کرتا ہے جو رازق شکر خرچ
ہم اپنے نقدِ جاں پر کھیلتے ہیں
ترا ہوتا ہے کیا اے سیم بر! خرچ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۳۵، نول کشور قدیم ص ۲۱۳، جدید ص ۳۶۴ چمن بے نظیر ص ۷۵ -
۲ - کلیات طبع نول کشور ۱۹۲۹ع میں "زر خرچ" متن میں اور "در خرچ" حاشیہ پر ہے - لیکن علی بخش کے نسخے اور چمن بے نظیر میں مطابق متن -

جنونِ عشق ہے غارتگرِ ہوش
کرے کیا عقل مندی یاں بشر خرچ

رہا کرتی ہے فکرِ شعر گوئی
کیا کرتے ہیں ہم خونِ جگر خرچ

چلے دنیا سے داغِ عشق لے کر
یہ توشہ ہے، یہ ہے بہرِ سفر خرچ

ملا جو اس کو سمجھے منّ و سلویٰ
توکّل پر رہا شام و سحر خرچ

حسینوں نے بھی خوب آتش کو لوٹا
رہا فرمایشوں سے خرچ پر خرچ

ردیف حائے حطی

۱

اشفق صبح نہ دیکھی نہ سنی نوبتِ صبح
وقت کو ہاتھ سے کھوتی ہے مری غفلتِ صبح

شکوہ کس منہ سے زمانے کی دو رنگی کا کروں
رشکِ شبِ زلفِ سیہ، چاند سا منہ غیرتِ صبح

دیکھ کر آئنہ یار آنکھوں میں پھر جاتا ہے
یاد آتی ہے مجھے بھولی ہوئی صحبتِ صبح

مئے گل رنگ سے بھر جامِ صبوحی ساقی!
ظلمتِ گور میں یاد آئی یہ کیفیّتِ صبح

وصل میں ہجر کا دھڑکا جو لگا رہتا ہے
شام سے پھرتی ہے آنکھوں میں مری صورتِ صبح

کوچۂ یار کو کہتے ہیں بہشت اے قاصد!
یاد رکھیو یہ نشاں آٹھ پہر حالتِ صبح

عہدِ پیری میں تو کر یادِ الٰہی غافل
رات تو کٹ گئی غفلت میں نہ کھو فرصتِ صبح

نور کا نام سیہ خانۂ گردوں میں نہیں
گور میں ساتھ ہی لے جاؤں گا میں حسرتِ صبح

۱۔ کلیات طبع علی‌بخش ص ۷۷-۷۸، نول کشور قدیم ص ۷۱، ۷۲، جدید ص ۱۱۲ - ۱۱۳۔

آتش اک رات جو تنہا وہ دل آرام ملے
سجدۂ شکر کروں پڑھ کے میں دو رکعتِ صبح

۲

[1]بہار آئی ، چمن میں چلی ہوائے قدح
پڑھے وہ مست ، جسے یاد ہو دعائے قدح
دکھا رہی ہے عجب آئنہ صفائے قدح
سرور اسے ہے جو ہے صورت آشنائے قدح
نکالے دل سے کدورت اگر صفائے قدح
نثار شیشے کے ہو محتسب ، فدائے قدح
زمانے میں کوئی مجھ[2] سا نہیں ہے دریا نوش
حباب وار ہے سر میں بھری ہوائے قدح
شراب خوار کرے گی بہار صوفی کو
دکھائے گی لب بیگانہ آشنائے قدح
صراحی دار ہی گردن نہیں فقط ان کی
دو چشمِ مست کی گردش بھی ہے ادائے قدح
مزے کے ساتھ ہو غم ہو کہ اس میں شادی ہو
مثالِ گریہ ٔ مینا وہ خندہ ہائے قدح
شراب خانے میں کرتا ہوں سیر دریا کی
دکھایا کرتا ہے لہر آبِ با صفائے قدح

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۱
جدید ص ۲٦۵ ، چمن بے نظیر ص ٦۷ ، ندرہ شعر -
۲ - کلیات طبع نول کشور جدید میں ہے :
"زمانے میں نہیں مجھ سا کوئی ہے دریانوش"

بلند بعدِ فنا ہوگی قدر مستوں کی
بنے گی خشتِ سر خم کی خاک پائے قدح

سبو و شیشہ و خم کس کی کی نہ پابوسی
کسی نے منہ نہ لگایا مجھے سوائے قدح

عوض طبیب کے مے کش ہے ڈھونڈھتا ساقی !
ہوا ہے خونِ صراحی سے امتلائے قدح

جہاں کی سیر دکھاتا ہے نشۂ صہبا
دماغ رکھتے سے جمشید کا گدائے قدح

ان انکھڑیوں میں جو کندن سی سرخ ہوویں گی
کہوں گا نشے کے ڈوروں کو میں طلائے قدح

حجاب دور کیا کیفِ مے نے اس بت کا
جزائے خیر دے ساقی ! تجھے خدائے قدح

دو چشمِ مست کا ساقی کے وصف ہے مقصود
کنایہ ہے جو یہ کرتے ہیں ہم ثنائے قدح

شراب عشق کی پیتے ہی ہوش اڑے ایسے
کہ ابتدا میں ہوا حالِ انتہائے قدح

فراقِ یار میں دورانِ سر ہے دورِ شراب
لڑا کے شیشے سے توڑوں یہ ہے سزائے قدح

یہ جلوۂ مہ و خورشید سے کھلا آتش
ہنوز باقی ہے دورِ فلک میں جائے قدح

ردیف خائے معجمہ

۱

ہوتی جو اے صنم ترے سیبِ ذقن کی شاخ
پھر چل نہ سکتی ایک نہالِ چمن کی شاخ
مارا پڑا ہوں دیکھ کے اک سیوتی سا رنگ
لازم جریدتین کو ہے نسترن کی شاخ
جو خالِ عنبریں ہے وہ اک مشک نافہ ہے
آنکھیں تری ہرن ہیں، بھویں ہیں ہرن کی شاخ
دیکھا جو سخت روئیِ ابنائے دہر کو
سمجھا میں نرم موم سے بھی کرگدن کی شاخ
بوٹے سے قد کا تیرے نظارہ لگائے گا
کس کس نہ ہوشیار کو دیوانہ پن کی شاخ
باغِ جہاں میں کیا کہوں کیا حال ہے مرا
سوکھی ہوئی ہو جیسی درختِ کہن کی شاخ
روئے صبیحِ یار کی اُلفت کے روگ سے
گُھل کر ہوا ہے اپنا بدن یاسمن کی شاخ

۱۔ کلیات طبع علی‌بخش ص ۸۷، نول کشور قدیم ۷۲، جدید ۱۱۳، بہارستان سخن ص ۹۶۔ ناسخ کا خوبصورت مطلع ملاحظہ ہو:
ہے نازکی سے قامتِ جاناں سمن کی شاخ
میں سوز عشق سے ہوں چنار کہن کی شاخ

تشبیہ دیتے ساعدِ زیبائے یار سے
ہوتی جو خاردار نہ نازک بدن کی شاخ
صحرا و کوہ دیکھے ، گلستاں کی سیر کی
ہاتھ آئی آتش اپنے نہ سیبِ ذقن کی شاخ

۲

ا؎ نے کیے عذارِ بتِ شوخ و شنگ سرخ
کندن کا اور آگ میں ہوتا ہے رنگ سرخ
نسبت یہ گل سے ہے ترے جسمِ لطیف کو
ہم پلّہ برگِ گل سے ہو جیسے کہ سنگ سرخ
روئے نگار ہے جو ہے نقشِ قدم مرا
کانٹوں نے کر دیا ہے یہ تلووں کا رنگ سرخ
جوشِ جنوں نے گو کہ مجھے زرد کر دیا
چہرے کو میرے رکھتے ہیں لڑکوں کے سنگ سرخ
گو صیدِ ناتواں ہوں ، پر اتنا ہے گرم خوں
ہو جائے چھالے پڑ کے زبانِ خدنگ سرخ
تحریرِ وصفِ لعلِ نگاربنِ یار میں
شنجرف سے ہوا ہے سیاہی کا رنگ سرخ
کیفیّتِ شراب ہے جوہر شجاع کا
ہوتا ہے چہرہ غازیوں کا وقتِ جنگ سرخ
لکھّا جو ہے جوابِ خطِ شوق یار نے
قاصد کا مثلِ رقعہٗ شادی ہے رنگ سرخ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۷ ، نول کشور قدیم ص ۸۷ ، جدید ص ۱۱۳ -

کہتے ہیں اشک خونِ شبِ ہجرِ یار میں
کشتے کی چارپائی ہے اپنا پلنگ سرخ
عاشق نشانہ رہتے ہیں اس ترک شوخ کے
جب تک کہ گرم ہو کے نہ ہولے تفنگ سرخ
ساقی بہارِ گل کی رعایت ضرور ہے
لالے کے پھول سے ہو شرابِ فرنگ سرخ
اس طفل نے بڑھا کے شفق سے ملا دیا
جس دن قریبِ شام اڑایا پتنگ سرخ
ہوگی تری طرح سے نہ اے تُرک خوش نما
پہنے پھرے لباس سپاہِ فرنگ سرخ
قاتل کو اپنی تیغ زنی کا جو شوق ہو
روے زمیں ہو صورتِ میدانِ جنگ سرخ
پھوٹا لحد میں دل کا پھپھولا تو دیکھنا
ہو جائے گا مزار کا آتش کے رنگ سرخ

۳

[۱]قدرتِ حق ہے صباحت سے تماشا ہے وہ رخ
خالِ مشکیں دلِ فرعون، یدِ بیضا ہے وہ رخ
نور جو اس میں ہے خورشید میں وہ نور کہاں
یہ اگر حسن کا چشمہ ہے تو دریا ہے وہ رخ
پھوٹے وہ آنکھ جو دیکھے نگہ بد سے اسے
آئنے سے دلِ عارف کے مصفّا ہے وہ رخ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ۷۸ - ۷۹، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۷۲، جدید ۱۱۴ - سراپا سخن ص ۱۵۵ میں گیارہ شعر ہیں -

بزمِ عالم ہے توجّہ سے اُسی کی آباد
شہر ویراں ہے اگر جانبِ صحرا ہے وہ رخ
سامری چشمِ فسوں گر کی فسوں سازی سے
لبِ جاں بخش کے ہونے سے مسیحا ہے وہ رخ
دمِ نظّارہ لڑے مرتے ہیں عاشق اُس پر
دولتِ حسن کے پیش آنے سے دنیا ہے وہ رخ
سایہ کرتے ہیں ہُما اُڑ کے پروں سے اپنے
تیرے رخسار سے دل چسپ ہو عنقا ہے وہ رخ
گل غلط ، لالہ غلط ، مہر غلط ، ماہ غلط
کوئی ثانی نہیں ، لاثانی ہے ، یکتا ہے وہ رخ
کون سا اس میں تکلّف نہیں پاتے ہرچند
نہ مرصّع ، نہ مذہبّ ، نہ مطلّا ہے وہ رخ
خال ہندو ہیں ، پرستش کے لیے آئے ہیں
پُتلیاں آنکھوں کی دو بت ہیں ، کلیسا ہے وہ رخ
کون سا دل ہے جو دیوانہ نہیں ہے اس کا
خطِ شب رنگ سے سرمایۂ سودا ہے وہ رخ
اس کے دیدار کی کیونکر نہ ہوں آنکھیں مشتاق
دل ربا شے ہے، عجب صورت زیبا ہے وہ رخ
تا کجا شرح کروں حسن کی اس کے آتش
مہر ہے ، ماہ ہے ، جو کچھ ہے ، تماشا ہے وہ رخ

۴

[1]لگا دے پھر وہی اے گنجِ زر شاخ
ہوا ہے دستِ خالی بے ثمر شاخ
چمن کی سیر کو ہے پی کے چلیے
بہار آئی ، لدی پھولوں سے ہر شاخ
یہ خوش چشموں کے سودے میں ہوں سوکھا
ہرن کی بھی نہ سوکھے اِس قدر شاخ
قدم سے تیرے اے ابرِ کرامت !
پھلے پُھولے برابر خشک و تر شاخ
قریبوں کی جدائی کے الم سے
ہوا ہوں سوکھ کر بے برگ و بر شاخ
کھڑے سایے تلے جس کے ہوئے تم
نکالی اس شجر نے شاخ در شاخ
تماشا نخل ہے نخلِ توکّل
ہر اک میوہ ہے رکھتی اس کی ہر شاخ
جوانی کو غنیمت جان غافل !
ہری ہوتی نہیں پھر سوکھ کر شاخ
نہالِ حسن جو ہم نے کہا ہے
لگائی جاتی ہے واں شاخ پر شاخ
سرائے یار کی منقل میں جلتی
درختِ عود کی ہوتی اگر شاخ

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۵۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۲ ، جدید ص ۳۶۶ -

وہ نخلِ خشک ہوں ہر ایک جس کی
ہرے پن سے ہے مشتاق تبر شاخ
مقدّر میں اگر ہے میوہ چکھنا
ملے گی جھک کے **آتش** بار ور شاخ

۵

[1]ہوا نہ حسن سے خالِ سیاہِ جاناں سرخ
نہ کر سکا رخِ کافر کو نورِ ایماں سرخ
حلال ہونے کو سب سے ہیں پہلے ہم موجود
وہ پان کھا کے کریں تو لب اور دنداں سرخ
یہ اشتیاقِ شہادت میں خون روتا ہوں
بریدہ حلق سے ہے حلقۂ گریباں سرخ
ہوئی ہیں غصے سے کیا لال لال وہ آنکھیں
نظر پڑا ہے کبھی جو لباسِ ترکاں سرخ
عجب عداوتِ اخوانِ دہر سے یہ نہیں
کرے جو خون سے یوسف[۴] کے گرگ دنداں سرخ
ترا وصال ہے اے سیم بر! عجب دولت
خوشی سے ہوتا ہے کندن سے رنگ انساں سرخ
ہمیشہ کرتی ہے اس بحرِ حسن سے پنجہ
حنا کا رنگ ہو کیونکر نہ مثلِ مرجاں سرخ
ترے شہیدوں کے آگے نہ رنگ پکڑے گا
ہزار رنگ سے ہو لالۂ گلستاں سرخ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۵، نول کشور قدیم ص ۲۳۲، جدید ص ۳٦٦، چمن بے نظیر ص ۷۹ -

سفید کپڑے پہنتا نہیں وہ خسروِ حسن
سنی ہے جب سے کہ تاجِ قبائے سلطاں سرخ
چمن میں لالہ و گل رہتے ہیں گریباں چاک
دکھا دیا کسی رنگیں ادا نے داماں سرخ
شراب دینے میں وقفہ نہ کیجیو ساقی !
ہوا نہیں ابھی رخسارِ یار چنداں سرخ
اثر پذیر طبیعت بھی شرط ہے آتش
نہ کیفِ مے سے ہوں آنکھوں کی طرح مژگاں سرخ

٦

[1]کرتا ہے زندگی کو تمھارا حجاب تلخ
اٹھو، نہیں تو ہم سے سنے گا نقاب تلخ
آغاز شرِ عشق کا انجام ہے بخیر
کیفیّتِ شراب ہے شیریں، شراب تلخ
شربت کے گھونٹ کا مزہ لے لے کے پیجیے
ہرچند تیغ کا ہو تمھارے لعاب تلخ
سائل ہوں بوسۂ لبِ شیریں کا یار سے
شانِ کریم ہے نہ اگر دے جواب تلخ
عاشق ہی ہیں جو سنتے ہیں اے نونہالِ حسن !
حنظل سے ہیں ترے سخنِ ناصواب تلخ
بیمار کا مذاق ہوں میں، ہجرِ یار میں
سم ہے طعام میرے لیے اور آب تلخ

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۵ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۲ ، جدید ص ۳۶۷ ، چمن بے نظیر ص ۸۰ ۔

سودائے زلفِ یار سے نیند اُڑ گئی مری
اس دردِ سر نے کر دیا آنکھوں کو خواب تلخ

شیریں لبوں کی کیوں نہ گوارا ہوں گالیاں
ملنے سے قند کے نہیں رہتا گلاب تلخ

بُھنتا ہے جب کہ عشق کی آتش سے دل مرا
ٹپکے ہیں اشک صورتِ اشکِ کباب تلخ

شیریں ادائیوں سے جو محفوظ تو کرے
شکر کو مور شہد کو سمجھے ذباب تلخ

وصلت کی شب میں ہوتا ہے ہر بات پر ترش
عیش و نشاط کرتا ہے ان کا عتاب تلخ

غافل نہ ہو مزے سے محبّت کے آشنا
یہ چاشنی ہے آتشِ خانہ خراب تلخ

ردیف دال

۱

'قاتل اپنا جو کرے گنجِ شہیداں آباد
دہنِ زخم کہیں خانۂ احساں آباد

کون ہے جو تری دوری میں نہیں مرتا ہے
ایک گھر رہنے نہ دے گی شبِ ہجراں آباد

بعد فرہاد کے پھر کوہ‌کنی میں نے کی
بعد مجنوں کے کیا میں نے بیاباں آباد

مدتیں دل کے خرابے کو ہوئی ہیں ، دیکھیں
پھر بھی ہوتا ہے کبھی یہ دہِ ویراں آباد ؟

سرو اکڑتے ہیں تو غنچے ہیں شگفتہ ہوتے
یوں ہی رہ جائے الٰہی یہ گلستاں آباد

کوچۂ یار میں ہو روشنی اپنے دم کی
کعبہ و دیر کریں گبر و مسلماں آباد

کثرتِ داغِ محبت سے الٰہی بھر دے
منزلِ دل کو کریں آ کے یہ مہماں آباد

---

۱ . کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۷۹ ، نول کشور قدیم ص ۳۷،
جدید ص ۱۱۵ ۔

وہ شہ حسن پریشاں ہمیں کیوں رکھتا ہے
چاہتا اپنی رعیّت کو ہے سلطاں آباد

کوئی پریوں کا اکھاڑہ جو نظر آتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ ہے ملکِ سلیماں[۴] آباد

خوب رویوں کا ہے آنکھوں میں تصوّر رہتا
خانۂ چشم کو کرتے ہیں یہ انساں آباد

جس طرف دیکھیے ، آتا ہے نظر وہ محبوب
جلوۂ یار سے ہے عالمِ امکاں آباد

ساری رونق ہے یہ دیوانوں کے دم کی آتش
طوق و زنجیر سے ہوتا نہیں زنداں آباد

۲

[۱]مئے گل رنگ سے لبریز رہیں جام سفید
چشمِ بدبیں کو کرے گردشِ ایام سفید

بسکہ اس بت کی طبیعت ہے زمانے سے خلاف
صبح پوشاک سیہ ہے تو سرِ شام سفید

کون سی شام نہیں صبح ہوئی اے مغرور !
ایک دن ہوتی ہے یہ زلفِ سیہ فام سفید

قطرۂ اشک میں سرخی کا کہیں نام نہیں
لہو تیرا بھی ہوا اے دلِ ناکام سفید

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۷۹ ، نول کشور قدیم ص ۷۳ ، جدید ص ۱۱۵ ، بہارستان سخن ص ۹۷ - ناسخ کی غزل ہے :
یار آیا تو ہوے دیدۂ ناکام سفید

دل کی تسکیں کو میں پیغام صفا کا سمجھوں
پرزہ کاغذ کا جو بھیجے وہ گل اندام سفید
چاندنی رات میں وہ ماہ جو یاد آتا ہے
کاٹنے دوڑتے ہیں مجھ کو در و بام سفید
وصل کی شب جو ہوئی صبح یکایک تو ہوا
میں ادھر زرد ، ادھر روے دل آرام سفید
نسبت اس فتنۂ دوراں سے کوئی اندھا دے
یار کی آنکھ سیہ ، دیدۂ بادام سفید
کسی حالت میں نہیں فکر سے دشمن غافل
آفتِ مرغ ہے ، رنگین ہو یا دام سفید
بس ہے اتنی ہی زمانے کی دو رنگی آتش
مئے گل رنگ سے لبریز رہیں جام سفید

۳

[1]قبر پر یار نے قرآن پڑھا میرے بعد
شرطِ الفت کی ملی مجھ کو جزا میرے بعد

---

۱ - کلیات علی بخش ص ۸۰ ، نول کشور قدیم ص ۳۷ ، جدید ص ۱۱۶ - اس زمین میں معاصر شعراء نے بھی طبع آزمائیاں کی ہیں ، خصوصاً مرزا غالب کی بڑی شگفتہ اور پیاری غزل ہے - دو تین شعروں میں آتش کا جواب بھی لکھا ہے - دیکھیے :

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد
خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر ، یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد
غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

ہو گیا سلسلۂ مہر و محبّت برہم
نازنیں بھول گئے ناز و ادا میرے بعد
یاس و حرمان و غم و درد یہ بڑھ جائیں گے
بے کسی کا نہیں لگنے کا پتا میرے بعد
رنگِ رخسارِ گل و لالہ دگرگوں ہوگا
نہ رہے گی یہ گلستاں کی ہوا میرے بعد
زندگی تک ہیں قیامت کے یہ دھڑکے سارے[1]
مجھ کو کیا غم ہے اگر حشر ہوا میرے بعد
دوست داری کا گنہگار ہوں ، وہ دشمنِ جاں
مغفرت کی مرے مانگے گا دعا میرے بعد
میں جو نوشہ تو وہ بن جائے گی آغوشِ عروس
گور سے آئے گی شہنا کی صدا میرے بعد
خونِ ناحق کا مرے کھینچیے گا خمیازہ
ہاتھ ملیے گا بہت مل کے حنا میرے بعد
قفسِ تن سے چھٹا میں تو چمن سے لا کر
بوئے گل کس کو سنگھاوے گی صبا میرے بعد
کُلہِ کج نہیں رہنے کی تمھارے سر پر
تنگ و چست ایسی نہ ہووے گی قبا میرے بعد
ہڈیاں کھا کے جو مجھ کشتے کی لذّت پائی
صدقے ہوگا مرے قاتل کے ہُما میرے بعد
میں نہ ہوں گا تو نہ ہوگا یہ قمارِ الفت
کوئی بدنے کا نہیں شرطِ وفا میرے بعد

۱- نول کشور جدید : ''یہ سارے دھڑکے۔'' قدیم : ''یہ دھڑکے سارے۔''

گور تک ساتھ رہے پڑھ کے جنازے کی نماز
فرض جو تھا سو کیا تم نے ادا میرے بعد
آئنہ رکھ کے بنانے کے نہیں شانے سے
مختصر ہووے گی یہ زلفِ رسا میرے بعد
قبر پر فاتحہ کو آئے وہ شوخ اے آتش
نیک توفیق دے اُس بت کو خدا میرے بعد

۴

[1]چاندنی رات میں کھولوں جو ترے خواب میں بند
عمر بھر آنکھ نہ ہو پھر شبِ مہتاب میں بند
شمع ساں سوزشِ دل ہم نے کسی سے نہ کہی
رہ گئی اپنی زباں محفلِ احباب میں بند
یار کے واسطے لکھوں جو خطِ شوقیّہ
یک قلم ہوویں سیہ سینکڑوں القاب میں بند
اپنے ہم جنس سے شاید کہ یہ بہلے کوئی دم
دلِ بے تاب کو کیجے چہِ سیماب میں بند
ناز کرتا ہے وہ بت اپنے ہوا خواہوں سے
برہمن ہوتے ہیں واں خانۂ قصّاب میں بند
شیشہ خالی ہوا ساقی کہ مرا دم نکلا
روحِ مستانہ ہے مینائے مئے ناب میں بند
آستیں جوش میں کیا آنسوؤں کو روکے گی
ٹھہر سکتا ہے کہاں آمدِ سیلاب میں بند
روزِ وصل آئے گا، آخر شبِ ہجراں ہوگی
کام رہنے کا نہیں عالمِ اسباب میں بند

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۸۰، نول کشور قدیم ص ۴۷، جدید ص ۱۱۶۔

زمزمے کرتا ہے شاید کہ لگے ہیں آتش
رگِ گل سے قفسِ بلبلِ بےتاب میں بند

۵

[1]تا چند کروں سینے میں میں آہ و فغاں بند
کب تک رہے اس گھر میں الٰہی یہ دھواں بند

اس قلزمِ ہستی میں ہیں وہ گوشہ نشیں ہم
دن رات رہا مثلِ حباب اپنا مکاں بند

ہم الفتِ دیں ہے آسے ہم لذتِ دنیا
وہ گنج ہے دل جس میں ہے نقدِ دوجہاں بند

منہ دیکھتا ہوں یار کا ، کچھ کہہ نہیں سکتا
آنکھیں تو کھلی ہیں مری لیکن ہے زباں بند

گردش ہے جو قسمت کی وہ موجود ہے واں بھی
گو شیشۂ ساعت میں رہے ریگِ رواں بند

پھرتا ہے یہ کوئی تو ترے کوچے میں شب کو
تا صبح نہیں ہوتی ہے آوازِ سگاں بند

تنگ آ کے شبِ وصل میں ہو جائے برہنہ
اندام کو اس گل کی قبا کے ہوں گراں بند

سرسبز گلستاں ہوں چلے بادِ بہاری
کھولے اسے ساقی جو ہے مُدّت سے دکاں بند

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۰ - ۸۱ ، کلیات نول کشور قدیم ص ۷۴ ، جدید ص ۱۱۷ ۔

آواز یہی کوچہ٭ قاتل سے ہے آتی
ہوتا ہے جدا بند سے انساں کا یہاں بند

سودے نے تری زلفِ مسلسل کے کیے ہیں
زندانِ محبّت میں ہزاروں ہی جواں بند

دکھلائے گا اللہ مجھے یار کا کوچہ
مومن ہوں ، رہے گا نہ درِ باغِ جناں بند

قسمت مجھے کیوں گنبدِ افلاک میں لائی
آتش خفقانی کو قیامت ہے مکاں بند

۶

[1]منہ لپیٹوں میں تو دم کردے خیالِ یار بند
خوابِ بد دیکھوں جو ہوویں دیدۂ بیدار بند

جنبشِ ابرو سے آئنہ نہ ٹکڑے ہو نہ ہو
بیشتر کرتے ہیں ساحر سحر سے تلوار بند

کیا کہوں وعدہ خلافی سے تری احوالِ شب
کھول کر دروازے کو کرتا ہوں سو سو بار بند

دل میں آتا ہے کہ اک دن رو کے دھو ڈالوں انھیں
روز لکھتے ہیں کراماً کاتبیں دو چار بند

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۸۱ ، نول کشور قدیم ص ۴۷ - ۷۵ ، ''منہ کو پیٹوں میں'' طبع جدید ص ۱۱۷ ، بہارستان سخن ص ۱۰۰ ۔ ناسخ کی غزل ہے :

زیست بھر ہوگی نہ یاں چشم خیال اے یاربند

حسن جنسِ بے بہا ، اہلِ زمانہ تنگ چشم
آج کل کرتا ہے قحطِ مشتری بازار بند
تو نے اک پیچا سجا ہے ہاتھ سے اپنے جو یار!
کرتے ہیں قالب تہی سن کر اسے دستار بند
پوچھتا ہے طنز سے کیا باندھی ہے کس پر کمر ؟
باندھی ہے اس پر کمر کھولوں ترا شلوار بند
دیر میں جاوے الٹ کر گر تو چہرے سے نقاب
مصحفِ رخ[1] پر تصدّق بت کریں زنار بند
گوش زد ہووے اگر تقریر تیرے مست کی
زاہدانِ خشک ہوں مثلِ زبانِ خار بند
موسمِ گل کی ہوا چلتی ہے ساقی جام بھر
شیشے میں تا چند رکھے گا مئے گلنار بند
روح جب قالب میں آئی مجھ کو آتش کھل گیا
ہو چکا کنجِ قفس میں بلبلِ گلزار بند

۷

[2]خوب رُو ہوتے ہیں سن کر تری تقریر سفید
اور خاموشی سے ہم عاشقِ دل گیر سفید
وہ سیہ کار ہوں ظلمت کدۂ دہر میں مَیں
چاہیے دے نہ کفن بھی مجھے تقدیر سفید

---

۱ - طبع نول کشور جدید ص ۱۱۷ : "مصحف رخ" - نسخہ کے حوالے سے "مصحف رو" حاشیہ پر لکھا ہے -
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۱ - ۸۲ ، طبع نول کشور قدیم ص۵۷ ، جدید ص ۱۱۸ ، بہارستان سخن ص ۹۸ - ناسخ کی غزل ہے :
منہ مرا غم سے یہ ہے اے بت بے پیر سفید

لبِ جاناں کی کبودی جو انھیں دکھلاؤں
زرد ہووے گلِ سوسن تو طباشیر سفید
خاکساری سے ہوا آئنۂ دل روشن
کیا مسِ قلب کو کرتی ہے یہ اکسیر سفید
سردمہریِ بتاں کی جو حکایت لکھوں
شمعِ کافوری سے ہو خامۂ تحریر سفید
عید کا دن ہے ، بغل گیر وہ دلبر ہوگا
پہنے پوشاک ہر اک عاشقِ دل‌گیر سفید
دل منوّر ہے خیالِ رخِ نورانی سے
پرتوِ ماہ سے رہتی ہے یہ تعمیر سفید
کیا جواں مردوں کو اُجلا یہ دنی رکھے گا
اوڑھ لے آپ تو چادر فلکِ پیر سفید
سخت جانی مجھے قاتل سے نہ شرمندہ کرے
نہ چُھری[1] اور نہ منہ پر سے ہو شمشیر سفید
وہ شکر لب رہے آسیبِ نظر سے محفوظ
چشمِ بدخواہ ہو مثلِ قدحِ شیر سفید
کام فرمائیں تکلّف کو جو دیوانے تو ہو
قصرِ منعم کی طرح خانۂ زنجیر سفید
شادی و غم سے ہے عالم کا مرقّع توام
سرخ تصویر ہے کوئی ، کوئی تصویر سفید
عقل نے اصلِ حقیقت سے کیا ہے آگاہ
خوں سمجھتا ہوں میں ہرچند کہ ہو شیر سفید

---

۱ ''نہ چھڑے'' نول کشوری نسخے میں ہے ۔ بہارستان سخن اور علی بخش کے نسخے میں ''چھری'' لکھا ہے ۔

ہر زمیں پر ہے نئی آب و ہوا کی تاثیر
مردمِ زنگ سیہ ، مردمِ کشمیر سفید

غمِ ہجراں پیے لیتا ہے لہو جونک کی طرح
کیوں نہ ہو رنگِ رخِ آتشِ دل گیر سفید

۸

[1]فروغ مہر کا پیدا کرے ہمارا چاند
ہلال سامنے سے اس کے ہووے سارا چاند

تمام رات ہوئی کر گیا کنارہ چاند
اترے بام سے ، تم جیتے اور ہارا چاند

نقاب اُلٹ کے رخِ رشکِ ماہ دکھلا دو
اندھیری رات میں ہے ایک ایک تارا چاند

وہ ماہ آج جو آیا تو کل کیا غـرّہ
نشاط و عیش میں گزرا کبھی نہ سارا چاند

وہی ہے خوب جسے جو پسندِ خاطر ہے
نگاہِ کبک میں سورج سے ہے پیارا چاند

ہلالِ بدر سے ہر چاند میں ہوا ہرچند
نہ کر سکا ترے ابرو کا یار اشارا چاند

شراب پی کے کرو گے رخِ صبیح کو سرخ
حرارہ لائے گا خورشید کا تمھارا چاند

فراقِ یار میں کوئی حسیں نہیں بھاتا
گراں ہے مہرِ جہاں تاب و ناگوارا چاند

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۵۵ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۳ ، جدید ص ۳٦۷ ، چمنِ بے نظیر ص ۸٦ -

مقابلہ جو رخ آتشین یار سے ہو
یہ بے قرار ہو ، اُڑ جائے بن کے پارا چاند
تری غلامی کا دعویٰ ہے یار اس کو بھی
جبین کے داغ کو رکھتا ہے آشکارا چاند
زمانہ یار کا آیا گزر گیا یوسف[۴]
طلوعِ نیّرِ اعظم ہوا سدھارا چاند
ہمارے دل میں نہیں نقشِ روے روشنِ یار
پری کے بدلے ہے اس شیشے میں آتارا چاند
ملاؤں[۱] گا تری پاپوش کے ستاروں سے
کبھی ادھر سے کرے گا نہ کیا گزارا چاند
رخِ حبیب سے ممکن نہیں فروغ **آتش**
اگر وہ حسن سے شعلہ ہے تو شرارا چاند

۹

[۲]وہ آستاں ہے ترا اے فلک جناب بلند
کہ جس کے ذرے ہیں مانندِ آفتاب بلند
اسیرِ زلف دلِ داغ دار ہے اپنا
ہوا ہے اُڑ کے یہ طاؤس تا سحاب بلند
خیال نے قدِ بالا کے جب رلایا ہے
کیا ہے سر سے مرے ایک نیزہ آب بلند
نگہ نہ پہنچی اُٹھا کر جو آنکھ کو دیکھا
ہماری آنکھوں سے اُڑ کر ہوا یہ خواب بلند

---

۱ ۔ کلیات علی بخش میں ''ملاؤں گا'' اور نسخہ نول کشور 'ملاوے گا''
۲ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۵ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۳ ، جدید ص ۳۶۹ ۔

یہ تیرے عشق سے جوش و خروشِ دریا ہے
تری ہوا نے کیے ہیں سرِ حباب بلند

شبِ فراق میں گھبرا کے کھو نہ جان اے دل
قریبِ صبح ہی ہوتا ہے آفتاب بلند

یہ اپنے خط کے کبوتر کو ہے دعا اپنی
نہ اڑ کے ہو سکے تیرے لیے عقاب بلند

کیا ہے جس نے کمر میں ترے سوال اے دوست
ہوا ہے غیب سے آوازۂ جواب بلند

خدا کے آگے ہے سرکش سے خاکسار عزیز
ابولہب سے ہے قدرِ ابوتراب بلند

کھنچی ہے دور یہ تشبیہِ قدِّ بالا سے
ہوئے ہیں تاڑ سے بھی سرو بے حساب بلند

شرف ہے زین کو تیری نشست سے اے تُرک
ترے قدم نے کیا پایۂ رکاب بلند

قدِ کشیدہ کا مضموں ہر ایک شعر میں ہے
مطالب اپنے ہے رکھتی مری کتاب بلند

رہیں حجاب و حیا کی یہ پست فطرتیاں
نگاہِ یار کرے نشّۂ شراب بلند

مری طرف سے یہ اے خواجہ کہہ دو آتش سے
جنابِ عشق ہے، اے خانماں خراب بلند

۱۰

[1]پری پسند طبیعت نہ ہے، نہ حور پسند
تمھارے بندے ہیں ہم، ہم کو ہیں حضور پسند

ہر ایک شہر خریدار ہے دل و جاں سے
وہ جنس حسن ہے تو جو ہے دور دور پسند

آتارے پرزے اُڑا کر بہار میں اب کی
برہنگی کی قبا ہے جنونِ غور پسند

نگاہ اپنی ہے دل بستگی کے سودے میں
مبصّروں کی کچھ اس میں نہیں ضرور پسند

نگہ میں اپنے سماتا نہیں ہر ایک حسیں
پری سے چہرے کے اوپر ہے چشمِ حور[2] پسند

ہوا ہے جب سے کہ ساقینِ یار کا سودا
زیادہ تر مجھے ہیرے سے ہے بلور پسند

ہوئی ہے خانۂ دل میں جو روشنی منظور
کیا ہے آنکھوں نے اپنی چراغِ طور پسند

گناہِ عشق کا جب سے کہ مرتکبِ دل ہے
زبان کو ہے مری ذکرِ یا غفور پسند

نہ دور کھنچ کے ملا ہم کو خاک میں اے بت
سنا نہیں ہے خدا کو نہیں غرور پسند

خیال یار کا رہنے لگا ہے اس میں بھی
ہوا ہے دل کو بھی آنکھوں کی طرح نور پسند

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵٦، نول کشور قدیم ص ۲۳۳، جدید ص ۳٦۹، چمن بے نظیر ص ۸۱ -
۲ - چمن بے نظیر - "چشم دور" -

نہ طفل بن، نہ دلا محوِ حسنِ صورت ہو
کھلونے مٹی کے کرتے ہیں بے شعور پسند
دل اک نگاہ کے اوپر ہے بیچتا **آتش**
کریں جو آپ اسے بے صرف و بے قصور پسند

۱۱

[1]رتبہ رکھتے ہیں ترے ابروے خم دار بلند
طاقِ کعبہ سے ہیں یہ طاقِ خوش آثار بلند
کیا کہوں کہتے ہیں مضمونِ قدِ یار بلند
سرو و شمشاد سے ہیں مصرعِ اشعار بلند
دیکھیے کس کو شرف ہو تری پابوسی کا
رکھتے ہیں دستِ دعا کافر و دیں دار بلند
گوشِ گل تک ہو قفس میں سے رسائی ایسی
تری آواز ہو اے مرغِ گرفتار بلند
ایک سرچنگ میں میں رند اسے ڈھا دوں گا
محتسب لاکھ کرے گنبدِ دستار بلند
تری درگاہ کی اللہ رے رفعت اے دوست!
آستاں سے کسی گھر کی نہیں دیوار بلند
گوشِ عارف سے سنے تو تو ہر اک قبر سے ہے
نعرۂ فاعتبروا یا اولی الابصار بلند
سیکڑوں مصر محبّت میں مہِ کنعاں سے
چاہیے اخترِ اقبال خریدار بلند

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۳۵۷، نول کشور قدیم ص ۲۳۴، جدید ص ۳۶۹ - چمن بے نظیر ص ۸۵ -

تخت پر بیٹھ کے کر سیرِ چمن اے محبوب!
پایہ رکھتا ہے ترے حسن کا گلزار بلند
شمع رو یار شبِ ہجر میں جو یاد آیا
شعلے کی طرح ہوئی آہِ شرر بار بلند
تشنۂ زخم ہے دل، دیکھیے کب کرتی ہے
پانی اپنا مرے سر سے تری تلوار بلند

۱۲

رو کے آبِ اشک سے کر نامۂ عصیاں سفید
روسیاہی کو جو کرتا ہے تو یہ باراں سفید
اُن لب و دنداں کی کچھ تعریف ہو سکتی، نہیں
لعل سے لب سرخ تر، الماس سے دنداں سفید
خوش سیہ خانے ہی میں اپنے ترے دیوانے ہیں
ہوں مبارک بادشاہوں کے لیے ایواں سفید
حسنِ روے یار کی ممکن نہیں ہے دل کشی
سرخ ہو مہرِ درخشاں یا مہِ تاباں سفید
دستِ نازک میں ترے دیکھے جو شوخیِ حنا
رنگ اُڑے ایسا کہ موتی سے بھی ہو مرجاں سفید
پان مستی کا جو لب پر اپنے تو دکھلائے رنگ
یاسمیں سے لالہ ہو، شبّو سے نافرماں سفید
دل صفا ہو پہلے، پیچھے جلوہ گاہِ یار ہو
فرش یوسف[۴] کے لیے پیدا کرے زنداں سفید

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۷، نول کشور قدیم ص ۲۲۴،
جدید ص ۲۷۰۔

عہدِ پیری تک جوانی سے رہا عشقِ جمال
کی ہیں آنکھوں نے ترے نظّارے میں مژگاں سفید

جام بلّوری ، صراحی نقرئی ، پیری میں ہو
چاندنی میں چاہیے سب عیش کا ساماں سفید

خانۂ شادی کا شک ہوتا ہے مجھ کو گور پر
جاتے ہیں اس گھر میں کپڑے پہن کر مہماں سفید

تازہ رکھیے سونگھ کر سیبِ ذقن اپنا دماغ
خوابِ غفلت میں نہ موے سر کرے انساں سفید

قتل آرائش کرے کیوں کر نہ آتش یار کی
سرخ رنگ، رُو غضب، اس پر ہے قہر افشاں سفید

۱۳

امول اک نگاہ ہے جو ہو دل یار کی پسند
بڑھ کر جو لے تو آگے خریدار کی پسند

اے قصرِ یار خوب ہے پشتے کے واسطے
مٹّی مری جو ہو تری دیوار کی پسند

عالم فریب حسنِ دلآویزِ یار ہے
سکّہ کھرا ہے کیوں نہ ہو بازار کی پسند

ہوتا ہے صبر فرقتِ جاناں میں ناگوار
کڑوی دوا نہیں دلِ بیمار کی پسند

حسن و جمال کو بھی طمع سیم و زر کی ہے
افشاں ہوا ہے یار کے رخسار کی پسند

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۷ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۵ ، جدید ص ۳۷۰ - دیوان دوم میں چھ غزلیں ہیں -

قاضی نے حکمِ قتل دیا تو کہوں گا میں
جلّاد خوب رو ہے گنہ گار کی پسند

سودے میں اس کے شیخ و برہمن ہیں ایک سے
وہ دل ربا ہے کافر و دیں دار کی پسند

مردودِ نیک و بد چمنِ دہر میں رہے
مقبولِ گل ہوئے نہ تو ہم خار کی پسند

چن چن کے عاشقوں کو ملاتی ہے خاک میں
چل یار دیکھ لی تری رفتار کی پسند

دل خانۂ خدا جو سنا تو یقین ہوا
وہ گھر بنا کہ ہو گیا معمار کی پسند

محوِ تصوّرِ رخِ رنگینِ یار ہیں
آنکھوں کو اپنی سیر ہے گلزار کی پسند

اے جامہ زیب سیرِ چمن کو گیا جو تو
گل نے قبا، تو لالہ نے دستار کی پسند

کس کو یہ عشق حسنِ خداداد سے ہوا
یوسفؑ ہوا ہر ایک خریدار کی پسند

ذرّے ہماری خاک کے برباد تو رہیں
ہوں گے کسی تو روزنِ دیوار کی پسند

یوسفؑ کا مول دے کے ابھی لے جو ہاتھ آئے
بنت العنب ہے آتشِ مے خوار کی پسند

ردیف دال ہندی

۱

[1]رکھتا ہے یار ابروے خم دار پر گھمنڈ
اس ترکِ تیغ زن کو ہے تلوار پر گھمنڈ

ہوگا خزاں میں رنگ دگرگوں بہار کا
گلچیں کا یہ دو ہفتہ ہے گلزار پر گھمنڈ

عاشق ہیں گرد رہتے ستاروں کی طرح سے
زیبا ہے تم کو چاند سے رخسار پر گھمنڈ

کبر و غرور کی ہے سزاوار اس کی شان
حسن و جمال ختم کریں یار پر گھمنڈ

تقریر اپنی اور روش یار کی ہے خوب
گفتار پر ہمیں ، اسے رفتار پر گھمنڈ

دو چار روز لالہ و گل کی بہار ہے
کیجے قبا پہ اور نہ دستار پر گھمنڈ

یوسف[4] لقا سے میرے زیادہ نہ ہووے گا
یوسف[4] کو اپنی گرمیِ بازار پر گھمنڈ

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۸۲ ، طبع نول کشور قدیم ص ۷۵ ، جدید ص ۱۱۹ - دیوان اول میں ایک غزل ، دیوان دوم میں بھی ایک غزل ہے -

عیسیٰ[۴] مریضِ عشق سے اپنے نہ پھیر منہ
لازم نہیں ہے شربتِ دیدار پر گھمنڈ
آتش سخن شناس سے قدرِ سخن سمجھ
سارا ہے اس گھر کا خریدار پر گھمنڈ

۲

[۱] نہ دے سکے گی زمستاں میں مجھ کو ایذا ٹھنڈ
لپٹ کے سوئے گا وہ گل، رہے گی تنہا[۲] ٹھنڈ
پڑا ہے جب سے دمِ سرد سے مجھے پالا
بدن کو دیتی ہے لرزے کی تپ کی ایذا ٹھنڈ
برہنہ پھرتے ہیں جاڑے میں تیرے دیوانے
پھٹکنے دیتی نہیں گرد داغ سودا ٹھنڈ
دکھاتی ہے مئے گلرنگ سبزۂ مینا
شراب خوار کو ہے باعثِ تماشا ٹھنڈ
فراقِ یار میں لی ہے جو میں نے ٹھنڈی سانس
ہوئی ہے گرمی میں جاڑے کی طرح پیدا ٹھنڈ
غضب خدا کا صنم تیری سرد مہری سے
نہ کر سکے گا گزند ایسی گر کے پالا ٹھنڈ
کروں گا سوزِ دروں سے جو آف میں پیری میں
پھرے گی ڈھونڈھتی آتش کنارِ دریا ٹھنڈ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۸، نول کشور قدیم ص ۲۳۵، جدید ص ۳۷۱ - چمن بے نظیر ص ۸۸ -
۲ - علی بخش و نول کشور کے نسخے میں "رہے گی تنہا ٹھنڈ" چمن بے نظیر میں قافیہ کاتب سے رہ گیا ہے

ردیف ذال معجمہ

۱

[1]زورِ بازو ہی کو بازو کا میں سمجھا تعویذ
بس ہے انسان کو تقدیر کا لکھّا تعویذ

دشمن و دوست پس از مرگ ملیں گے آنکھیں
نقشِ حب کا ہے مرے سنگِ لحد کا تعویذ

دل سے دشمن سے رہی جنگ ہمیشہ درپیش
نہ زرہ پہنی کبھی میں نے، نہ باندھا تعویذ

جذبۂ دل سے پری رویوں کو تسخیر کیا
نہ تو گاڑا، نہ جلایا، نہ بہایا تعویذ

ذقنِ یار کے بوسے کی تمنّا ہی رہی
لکھ کے کس روز کنویں میں نہیں ڈالا تعویذ

مے کی تکلیف نہ کیونکر کریں ان آنکھوں کے جام
موے سر ابرِ سیہ، برق سنہرا تعویذ

نہیں ٹلتی کسی صورت سے بلاے مبرم
ڈھونڈھے کس واسطے آتش کوئی گنڈا تعویذ

۱- کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۸۲، نول کشور قدیم ص ۷٦،
جدید ص ۱۱۹-

۲

مرغوبِ طبع کیوں نہ ہو ایسی چشک لذیذ[1]
چکّھا تو حسن کا ہے تمھارے نمک لذیذ

اے حور! اپنے سیبِ ذقن کا مزہ نہ پوچھ
جنّت کا میوہ مغز سے ہے پوست تک لذیذ

مستی میں بوسے اس لبِ لعلیں کے لیجیے
کیفیتِ شراب میں ہے یہ گزک لذیذ

کس کس طرح کے ذائقۂ دل پذیر ہیں
کیا کیا طعام رکھتا ہے خوانِ فلک لذیذ

شیریں کلام کا بھی مزا بھولتا نہیں
شیر و شکر سے ہے یہ بلاشبہ و شک لذیذ

شیریں وہ لب ہو یا[2] نمکیں، جو ہو خوب ہے
شکر نمک سے ہے، تو شکر سے نمک لذیذ

بریاں ہو سوزِ غم سے محبّت کے ساتھ دل
آتش کباب کرتا ہے دخلِ نمک لذیذ

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۵۸، نول کشور قدیم ص ۲۳۵، جدید ص ۳۷۱، چمن بے نظیر ص ۸۹ -
۲ - چمن بے نظیر میں "لب ہے" -

ردیف رائے مہملہ

۱

[1]شانہ ٹوٹا تارِ گیسوے معنبر توڑ کر
پھل نہیں پاتا کوئی شاخِ صنوبر توڑ کر

اُس نگہ سے سینے میں ممکن[2] نہیں دل کو پناہ
قلعے میں تیرِ قضا لگتا ہے بکتر توڑ کر

شاخِ گل پر سے کیا تھا بسکہ بلبل کو اسیر
ہاتھ پر صیّاد نے بٹھلا لیا پر توڑ کر

پھوڑنا تیشے سے اپنا سر نہ تھا اے کوہ کن !
چھیننا شیریں کو تھا پرویز کا سر توڑ کر

باز آیا فعل سے اپنے نہ بدمستی میں بھی
شیشے کو منہ سے لگایا میں نے ساغر توڑ کر

اے دلِ صد چاک اُلجھ کر زندگی بھی[3] ہو نہ تنگ
پیچ کا اُن گیسوؤں کے شانہ بن کر ، توڑ کر

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۸۲ ، نول کشور قدیم ص ۷۶، جدید ص ۱۲۰ -

۲ - نول کشور طبع ۱۹۲۹ء (جدید) میں یہ مصرع غلط چھپا ہے :
"اس نگہ سے دل کو سینے میں نہیں دل کو پناہ"
اسی طرح بعض حضرات نے نقل کر لیا ہے -

۳ - نول کشور طبع ۱۹۲۹ع میں عام نسخوں کے بر خلاف "زندگی سے" درج ہے -

درد بازو میں رہے گا سخت جانی سے مری
خونِ عاشق کی قسم کھاؤ گے خنجر توڑ کر

شیشے کو توڑا اگر تو نے لڑا[1] کر جام سے
محتسب رکھ دی تری گردن برابر توڑ کر

آئنہ لیتا تو ہے وہ لا ابالی دیکھنا
پھیر دے گا چار دن میں اے سکندر توڑ کر

قیدِ ہستی سے جو تنگ آتا ہوں تو کہتا ہے دل
توڑیے دیوار کو زنداں کے لنگر توڑ کر

یاد آتے ہیں ستم اس سنگ دل محبوب کے
توڑتا ہے دل مرا شیشے کو پتھر توڑ کر

دیکھنے والا جو آرائش کا مجھ سا اٹھ گیا
پھینک دو گے اے حسینو ! تم یہ زیور توڑ کر

دم فنا کرتا ہے آتش جنبشِ مژگاں کا شوق
چھیدتے ہیں دل رگِ سودا یہ نشتر توڑ کر

۲

[2]جلد ہو بہرِ سفر اے مہِ کنعاں تیار
ہو چکا تیرے لیے مصر میں زنداں تیار

باغِ عالم میں ہوں میں وہ شجر سوختہ بخت
میری شاخوں سے ہوئے سروِ چراغاں تیار

---

۱ نول کشور طبع ۱۹۲۹ء میں ''تو نے لگا کر جام سے'' درج ہے -
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۳ ، نول کشور قدیم ص ۷۶ ، جدید ص ۱۲۰ -

آبلہ پائی نے صحرا میں رلایا جو مجھے
ابرِ مژگاں نے کیے نخلِ مغیلاں تیّار

چل دلا وقت ہے سینے کے سپر کرنے کا
برچھیاں تانے ہوئے ہیں صفِ مژگاں تیّار

پشتِ پا کیوں نہ یہ کونین کے اوپر مارے
دستِ قدرت سے ہوا پیکرِ انساں تیّار

سربلندی بھی ہے سرگشتگیِ بخت کے ساتھ
خاک اڑے اپنی تو ہو گنبدِ گرداں تیّار

رنج اٹھانے میں زبس میں نے مزا پایا ہے
زخم کے واسطے رکھتا ہوں نمک داں تیّار

تو بھی اے گریہ دکھا چہرۂ رنگینِ حبیب
بارشِ ابر سے ہوتا ہے گلستاں تیّار

زور بھی خاک کے پتلے کو نہیں پچتا ہے
کشتی لڑنے کو ہوئے گبر و مسلماں تیّار

غمِ عالم ہے شکارِ دلِ شوریدہ مزاج
میں نے پہلو میں کیا شیرِ نیستاں تیّار

کون سے روز نہ دامن نے مجھے الجھایا
کب گلا گھونٹنے کو تھا نہ گریباں تیّار

بعدِ مجنوں جو گیا میں مرے سر پر **آتش**
سایہ کرنے کو ہوئے بیدِ بیاباں تیّار

۳

بھاگو نہ مجھ کو دیکھ کے بے اختیار دور[1]
اے کودکاں ! ابھی تو ہے فصلِ بہار دور
مانندِ مرغِ قبلہ نما پیشِ چشم ہے
وہ کعبۂ مراد ہو ہم سے ہزار دور
عیسیٰ[2] نے نسخے میں ترے بیمار کے لکھا
دردِ فراق کو کرے پروردگار دور
اے خضرِ راہِ منزلِ مقصود ، الغیاث !
چھوٹا ہے مجھ غریب کا مجھ سے دیار دور
گردن نہ خم ہو شمع صفت ، گو جہانیاں
تن پر سے میرے سر کو کریں لاکھ بار دور
مضمون باندھ لاتی ہے فکر اپنی عرش سے
ڈھونڈھا ہے جب تو ہم کو ملا ہے شکار دور
روپوش ہے جو ناز سے اس کا گلہ نہیں
نزدیک دل سے ہے ، رہے آنکھوں سے یار دور
کیفِ شراب میں ہے مزا فکرِ شعر کا
رکھتا پیادے سے ہے ارادہ سوار دور
بنتی ہے جان پر جو حرارت سے عشق کی
کرتا ہوں آہ کھینچ کے دل کا بخار دور
تسکین کے لیے گئے منزل میں گور کی
پہنچے تڑپ تڑپ کے ترے بے قرار دور

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۳ ، نول کشور قدیم ص ۷۶ ، جدید ص ۱۲۱ -

وصلِ حبیب حاصلِ عمرِ عزیز ہے
وہ گل ملے تو ہجر کا ہو خار خار دور

فرقت میں یار کی یہ سخن تکیہ ہے مرا
مخدوم سے نہ اپنے ہو خدمت گزار دور

پیری میں ترکِ مے کا ارادہ نہ کیجیو
آتش صبوحی کرتی ہے شب کا خمار دور

۴

'قصۂ' سلسلۂ' زلف نہ کہنا بہتر
پیچ در پیچ ہے ، خاموش ہی رہنا بہتر

ضبطِ گریہ سے جلا کرتی ہیں آنکھیں سچ ہے
بند ہونے سے ہے ناسور کا بہنا بہتر

دونوں ہاتھوں کی ترے یار کروں کیا تعریف
بایاں دہنے سے تو پھر بائیں سے دہنا بہتر

یار کو دیکھیں گے پہنا کے شبِ مہ میں ، اسے
مل گیا کوئی اگر پھولوں کا گہنا بہتر

نفس امّارہ سا رکھتا ہے یہ سرکش دشمن
آدمی کے لیے غافل نہیں رہنا بہتر

ٹیڑھی سیدھی سے غرض رکھتے نہیں اے آتش
جو کہے یار ہمیں سن کے یہ کہنا ، بہتر !

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۳ ، نول کشور قدیم ص ۷۷ ، جدید ص ۱۲۱ -

۵

۱خط سے کب جاتے ہیں عاشق کوے جاناں چھوڑ کر
کشت پختہ کو کبھی بھاگے نہ دہقاں چھوڑ کر

کعبہ ساں جائے ادب ہے چار دیوار لحد
یاں قدم رکھتا ہے تخت اپنا سلیماں۲ چھوڑ کر

کھا لیا داغ فراق یار نے آخر مجھے
ہو نہ غافل ملک پر عامل کو سلطاں چھوڑ کر

مصحف روے صنم سے منحرف زاہد نہ ہو
منہ دکھاوے گا خدا کو کیا تو ایماں چھوڑ کر

سٹ نہ بعد مرگ بھی اے داغ الفت ہے بعید
صاحب خانہ کو سوتا جائے مہماں چھوڑ کر

نیک بختوں کو نہ دے رنج انقلاب روزگار
واصل خورشید ہو شبنم گلستاں چھوڑ کر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۴ ، نول کشور قدیم ص ۷۷ ، جدید ص ۱۲۲ ، بہارستان سخن ص ۱۰۲ ، بحر رمل مثمن محذوف - مقابلے کی غزل میں ناسخ کی غزل کے تین شعر دیکھنے کے قابل ہیں :

ہو وطن میں خاک میرے گوہر مضموں کی قدر
لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر

ہوتی ہے غربت میں ثروت ، پر بڑی ایذا کے بعد
رنج اٹھائے کس قدر یوسف۲ نے کنعاں چھوڑ کر

مر گیا کیا ناسخ میکش جو سارے مے فروش
مسجدوں میں بیٹھے اپنی اپنی دکاں چھوڑ کر

فرقتِ تن سے ہے شاداں روح اپنی جس قدر
خوش نہ ہوگا اس قدر دیوانہ زنداں چھوڑ کر

چاند سے رخسار پر لہرا کے آنے دیجیے
کیجیے اندھیر زلفوں کو پریشاں چھوڑ کر

کارِ مردانہ کیا چاہے تو اے دستِ جنوں!
کھینچ دامانِ پری، میرا گریباں چھوڑ کر

شہدِ لب کا تیرے سن پایا تھا افسانہ کہیں
زہر کھایا مورچوں نے شکرستاں چھوڑ کر

باغ میں آ کر کہاں جاتا ہے اے رشکِ بہار!
گل کو خنداں چھوڑ کر، بلبل کو نالاں چھوڑ کر

اے کماں کش! ہے کشش سے دل کی امّید قوی
تیر پہلو سے مرے نکلے تو پیکاں چھوڑ کر

کاٹ کر کوچے قدم رکھ سرزمینِ عشق پر
کھیت ہاتھ اس کے ہے بھاگا جو نہ میداں چھوڑ کر

اُن لبوں سے گیسوے مشکیں کا قصد اے دل نہ کر
تنگ ہوگا اس ختن میں، یہ بدخشاں چھوڑ کر

باغِ عالم میں وہ ایسا کون سا محبوب ہے
خاک اُڑاتی ہے صبا کس گل کا داماں چھوڑ کر

ہستیِ فانی ہے آتش چار دن میں نیستی
فکر عقبیٰ کا کرے دنیا کو انساں چھوڑ کر

۶

[1] اے جنوں رکھیو بیاباں کو سواری تیّار
آج کل چلنے کو ہے بادِ بہاری تیّار

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۴، نول کشور قدیم ص ۷۷، جدید ص ۱۲۲ -

دل تو کہتا تھا نکل چلنے کو پر چلتے وقت
پیشتر دل سے ہوئی جان ہماری تیّار
مجھ کو مجنوں سے بھی جس وقت کہ لاغر پایا
کشتی لڑنے کو ہوئی بادِ بہاری تیّار
اس قدر تنگ گریباں نہیں زیبا پیارے !
پھانسی دیجے اسے گردن ہے ہماری تیّار
سرمہ اندھیر ، حنا قہر ، قیامت مسّی
فتنہ انگیزی کی ترکیبیں ہیں ساری تیّار
ہار پھولوں کے پہنتے ہو تو میری خاطر
بدھی زخموں کی کرے تیغ تمہاری تیّار
رزق ہر صبح پہنچتا ہے مجھے بے منّت
خونِ دل ، لختِ جگر کی ہے نہاری تیّار
زندگی میں جو فراغت نہ ہوئی تو نہ ہوئی
اے فلک ! تنگ نہ ہو گور ہماری تیّار
اس زمانے میں سپاہی نہیں بیگاری ہیں
نہ تو تلوار سجی ہے ، نہ کٹاری تیّار
ضد سے دھیان اس کو تکلّف کا نہ آیا ہرگز
رہی لگ چلنے کو دامن سے کناری تیّار
تیرے دیوانے کی وحشت ہے زیادہ ہر سال
بیڑیاں ہوتی ہیں ہر مرتبہ بھاری تیّار
کمرِ یار کا شک آن کی کمر پر جو پڑا
پھاڑ کھانے کو ہوئے یوز شکاری تیّار
تختِ تابوت کہاں بن کے غبار اُڑ جاؤ
باؤ کے گھوڑے کی آتش ہے سواری تیّار

۷

[1]دیکھی جو صبح زلفِ سیہ فام دوش پر
نظّارہ کرتے کرتے ہوئی شام دوش پر

طفلی سے ہوں دوچار نشیب و فرازِ دہر
راحت نہ گور میں تھی ، نہ آرام دوش پر

مجھ سخت جاں کا سایہ جو سیلاب پر پڑے
لادے پھرے حباب در و بام دوش پر

نادانی کا سبب ہے جو ہے طفل کو قرار
رہنے نہ دے گی گردش ایام دوش پر

زلفِ سیاہِ یار کمر تک نہیں گئی
صیّاد کا مرے ہے ابھی دام دوش پر

بالائے بام ہو جو مسیحا نفس مرا
مردہ نہ ٹھہرے زیرِ لبِ بام دوش پر

چلتے ہیں کیا یہ مار کے مغرور ٹھوکریں
سر پر ہر اک قدم ہے ، ہر اک گام دوش پر

طفلی میں بھی مرا یہی عالی دماغ تھا
جاتا تھا روز تا بہ لبِ بام دوش پر

پیوندِ خاک ہونے کا اللہ رے اشتیاق
آیا نہ گور تک مجھے آرام دوش پر

کاندھا مرے جنازے کو کیا دے وہ نازنیں
بھاری ہے جس کو زلفِ سیہ فام دوش پر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۴ - ۸۵ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۷۸ ، جدید ص ۱۲۳ ، سراپا سخن ص ۱۶۸ میں آٹھ شعر انتخاب ہوئے ہیں -

عاشق نشانہ تیر کا ہوتے تری طرح
رکھتا اگر کمان کو بہرام دوش پر
پھرتے ہیں اس بہار میں مستوں کے ساتھ ساتھ
ساقی سبو کی طرح لیے جام دوش پر
اے موت! آ کہیں، رہوں تاچند منتظر
لادے ہوئے سفر کا سرانجام دوش پر
رہتے ہیں میرے کاتبِ اعمال رنج میں
آتش اُٹھاؤں گا میں درّ و بام دوش پر

۸

[1]جھڑتے ہیں پھول منہ سے اس تنگیِ دہن پر
غنچہ نثار تیری رنگینیِ سخن پر
بعدِ فنا کنویں کے پانی سے غسل دینا
کھوئی ہے میں نے جانِ شیریں چہِ ذقن پر
دونوں کلائیاں دو پھولوں کی ڈالیاں ہیں
گل کھائے ہیں یہ میں نے خوبانِ گلبدن پر
کیونکر تری قبا سے تشبیہ دوں میں اس کو
دو بُوٹے بھی نہیں ہیں اک گل کے پیرہن پر
ہم سے خلاف ناحق صیاد و باغباں ہے
نالوں سے اپنے کس دن بجلی گری چمن پر
گھبراتی ہے یہ اس میں وہ اس سے رک رہا تھا
جادو کیا ہے غم نے کچھ میرے روح و تن پر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۵۸ ، کلیات طبع نول کشور قدیم ص ۷۸ ، جدید ص ۱۲۴ -

دیکھے جو تل کسی کے نازک کلائیوں کے
بھونروں کو میں نے سمجھا شاخِ گلِ سمن پر
بھوکوں کو سیب و بہ میں راہِ خدا کھلاؤں
بوسے کو لب جو پہنچیں اس غبغب و ذقن پر
اس ترک سے جو کی ہیں صحرا میں چار آنکھیں
جھنجھلا کے کیا ہی کتّے چھڑوائے ہیں ہرن پر
کشتوں کو تیری قبریں دیکھیں جو دیکھ لینا
زندوں کو ہوگی حسرت مُردوں کی انجمن پر
دو پھل ہوئے ہیں پیدا اک نخلِ حسن میں سے
بادام و پستہ صدقے اس چشم ، اس دہن پر
ملتا ہے کیا جو آتش مرتے ہیں اہلِ دنیا
اک دو وجب[1] زمیں پر اس یک دو گز کفن پر

۹

[2]دم نکلتا ہے نگاہِ چشمِ مستِ یار پر
نشّے کا ڈورا بلائے جاں ہے اس تلوار پر
شرم سے وہ شرمگیں آنکھیں جھکی جاتی نہیں
رات بھاری ہو گئی ہے مردمِ بیمار پر
خوش نما ہے چہرۂ محبوب پر زلفِ سیاہ
عالم اک دکھلاتی ہے کالی گھٹا گلزار پر
چھیڑ سکتا ہے کوئی ابرو کو شانہ مثلِ زلف
ہاتھ پھر سکتا ہے تیغِ تیز کی کب دھار پر

---

۱ - وجب : بالشت -
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۵ ، نول کشور قدیم ص ۷۸ ، جدید ص ۱۲۴ ، بہارستان سخن ص ۱۱۰ -

کھینچتا ہے آپ کو دور اس قدر کیوں آفتاب
سایہ کیا سورج مکھی کا ہے کسی رخسار پر
کیا کروں پست و بلند راہ الفت کا بیاں
چاہ میں اک پاؤں ہے ، اک پاؤں ہے دیوار پر
سرسری سمجھو نہ میری آہ کو اے سرکشو !
پھونک ہی دے گی گرے گی جب کہ بجلی خار پر
حسن کے منہ کی نقاب الٹیں گے بیماران عشق
مُہر توڑیں گے جو کی ہے شربت دیدار پر
کیوں نہ پھانسے عاشقوں کے دل وہ طفل برہمن
طُرّہ ہے گردن کا ڈورا ، دوش کے زنّار پر
رو دیا ہے عاشقوں نے ابر باراں کی طرح
تم نے مارا ہے قدم جو برق کی رفتار پر
رنگ شب اُڑتا ہے گیسوے سیہ کو دیکھ کر
داغ ہے ماہ دو ہفتہ کو ترے رخسار پر
لٹپٹی پگڑی سے قاتل کی میں کیا تشبیہ دوں
داغ کا دھبّا لگا ہے لالہ کی دستار پر
تو جو اے عیسیٰ نفس ! آیا عیادت کے لیے
تندرستوں کو ہوئی حسرت ترے بیمار پر
تیرے دانتوں سا کوئی موتی سمندر میں نہیں
لعل لب سا اک بدخشاں کے نہیں کہسار پر
دوست کو لے کر بغل میں رات بھر سوتا ہوں میں
رشک ہے دشمن کو میرے طالع بیدار پر
یار کی فرقت میں رو کر قصر تن کو ڈھاؤں گا
پانی پھر جاوے گا اس گھر کے در و دیوار پر

دام میں لا کر کرے صیّاد بے پروا حلال
بلبلِ بے تاب صدقے ہو چکی گلزار پر
خود غلط ناحق نہ ہوں تقلید آتش سے ہلاک
چور کب منصور بن سکتا ہے کھنچ کر دار پر

۱۰

[1]دکھائی حسن نے قدرت خدا کی آ کے جوبن پر
چراغِ طور کا عالم ہے تیرے روے روشن پر
کریں گے اس سے صید اک دن ہمارے تیغِ قاتل کو
رگوں کا جال یاں پھیلا ہوا ہے اپنی گردن پر
دکھائی دخترِ رز نے یہ مےخانہ میں نیرنگی
دمِ طاؤس کا عالم ہوا مینا کی گردن پر
نمازی نے شراب اس کو پلائی جا کے مسجد میں
کلیسا میں گیا تو بت کو دے پٹکا برہمن پر
کوئی پھینکے، فلک اپنی طرف منہ اس کا کرتا ہے
ہمارا نام کندہ ہے مگر سنگِ فلاخن پر
بھلا دیکھیں تو گو بازی میں سبقت کون کرتا ہے
ادھر ہم بھی ہیں توسن پر اُدھر تم بھی ہو توسن پر
مری آوازِ پا سن کر فنا ہو جان موذی کی
وہ رہرو ہوں کمر باندھی ہے جس نے خونِ رہزن پر
وہ بدگوئی مری کرتا ہے میں نیک اس کو کہتا ہوں
فرشتے میرے، لعنت کرتے ہوں گے میرے دشمن پر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۶ ، نول کشور قدیم ص ۹۷ ، جدید ص ۱۲۵ - نول کشور قدیم میں ''دکھلائی حسن'' غلط چھپا ہے -

نمودِ غیر ہے مقصودِ دل آتش مزاجوں کو
یہ ساری گرمیِ حمام ہے موقوف گلخن پر
تماشا دیکھ گورستاں میں نیرنگِ زمانہ کا
جو گل ہیں خندہ زن تو رو رہی ہے شمع مدفن پر
زمیں پکڑی تو پھر چھوڑی نہ ہرگز بید مجنوں نے
نشانِ داغِ مجنوں رہ گیا صحرا کے دامن پر
عروجِ حسنِ بازاری پسندِ دل نہیں ہوتا
مجرّد ہوں مگر رغبت نہیں قحبہ کے جوبن پر
جنوں لے چل بیاباں کو، میں باز آیا گلستاں سے
خوش آتی ہے کسے چشمک زنی نرگس کی سوسن پر
یہ صرفِ سینہ کوبی ہے، وہ صرفِ نعلِ ماتم ہے
مرے ماتم سے آفت رہتی ہے اک سنگ و آہن پر
ہر اک مصرع میں یاں مضموں ہے آتش دوست داری کا
ہمارے شعر کا انصاف ہے، انصاف دشمن پر

۱۱

'بہار آئی ہے، عالم ہے گل و نسرین و سوسن پر
جوانانِ چمن نازاں ہیں اپنے اپنے جوبن پر
نقاب الٹے جو تو رخسارِ آتش رنگ سے اپنے
پرِ پروانہ سے آرے چلیں شمعوں کی گردن پر
دلِ نازک کو اپنے جنبشِ مژگاں سے کیا ڈر ہے
چھری چلتے کبھی دیکھی نہیں شیشے کی گردن پر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۶، نول کشور قدیم ص ۸۰، جدید ص ۱۲۶ -

حذر عالی مقاموں کو ہے لازم خاکساروں سے
پیادے غالب آئے ہیں سوارِ پشتِ توسن پر
ادب آموز ہے ہر ایک ذرہ اپنی وادی کا
نہیں ممکن کہ گرد آڑ کر پڑے رہرو کے دامن پر
سیہ چشم اکثر آتے ہیں تماشا دیکھنے اس کا
کمندِ آہوے شہری ہے سبزہ اپنے مدفن پر
نہایت بلبلِ شیدا کا اس نے دل جلایا ہے
جوبس ہووے تور کھ‌ّوں آگ میں گلچیں کے دامن پر
نہ دیکھا سخت طینت کو کبھی سرسبز دنیا میں
شگوفہ پھولنا ممکن نہیں دیوارِ آہن پر
زرہ جس دن سے اے قاتل گلے میں تو نے ڈالی ہے
طلا و نقرہ کو اک رشک ہے اقبالِ آہن پر
نہانے کو نہ جا حمام میں ہمرہ رقیبوں کے
لٹا دے گا ہمیں رشک آتشِ سوزانِ گلخن پر
نہ سمجھا پر نہ سمجھا میرے خطِ شوق کا مطلب
مقدّر نے مجھے عاشق کیا کس طفلِ کودن پر
تری زلفِ سیہ اک دن سفید اے یار ہووے گی
یہ وہ شب ہے چلے گی جو طریقِ روزِ روشن پر
حرارت طور کے شعلے کی ہر اک دانہ رکھتا ہے
یقیں ہے خاک ہو، بجلی گرے گر اپنے خرمن پر
فنا ہو کر بھی چھوڑے گی نہ خو نظارہ بازی کی
ہماری خاک کے ذرے کریں گے قبضہ روزن پر
جو کامل ہیں نہیں اندیشہ آتش ان کو بدبیں کا
دہانِ زخمِ کاری خندہ زن ہیں چشمِ سوزن پر

۱۲

[1]اول سے حسن ، عشق[2] کو لایا ہے راہ پر
عاشق چکور روزِ ازل سے ہے ماہ پر
منکر ہیں ذاتِ صانعِ عالم کے دہریے
نافہموں کا عمل ہے فقط لا الٰہ پر
دکھلائی برق نے جو ترے دانتوں کی چمک
مستی کا شک ہوا مجھے ابرِ سیاہ پر
مدفوں ہیں اس زمیں میں ہزاروں ہی تاج دار
بچھتا ہے تختِ شاہ ، سرِ بادشاہ پر
کوچے سے یار کے نہ صبا دور پھینک اسے
مدت کے بعد آئی ہے خاک اپنی راہ پر
اعضا گواہی دینے کو حاضر ہیں روزِ حشر
مرتا ہے کیا سمجھ کے یہ انسان گناہ پر
قسمت کی خوبی دیکھیو اس شاہِ حسن کی
دھوکا ہوا فقیر کا مجھ دادخواہ پر
میں کشتیِ شکستہ دریائے عشق ہوں
ہنستا ہے ناخدا مرے حالِ تباہ پر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۷ ، نول کشور قدیم ص ۸۰ ، جدید ص ۱۲۶ -

۲ - کلیات طبع علی بخش میں ہے :

"دل ہی حسن و عشق کو لایا ہے راہ پر"

اگر "دل ہی تو" پڑھا جائے تو مصرع موزوں اور با معنی ہوتا ہے ، لیکن دوسرے نسخوں میں ہے : "اول سے حسن و عشق" . میں نے حسن کے بعد (واو) کو حذف کر دیا ہے -

ہم سے خلاف ہے فلکِ تیرہ روزگار
جن تو چڑھا نہیں سرِ دیوِ سیاہ پر
یاد آ گیا ہے سبزہ جو مژگانِ یار کا
بوسے دیے ہیں دیدۂ مردم گیاہ پر
اے طفلِ تُرک اِدھر بھی گذر گاہ گاہ ہو
تکیہ ترے فقیر کا ہے شاہراہ پر
آزار سہل بھی نہیں موذی کے واسطے
دیکھا نہ گنج کو سرِ مارِ سیاہ پر
دیتے ہیں خالی وار کو دشمن کی تیغ کے
تکیہ نہیں ہے ہم کو سپر کی پناہ پر
صاحب کمال صوفیِ عالی مقام ہے
رقص اس کا کیسا لاتا ہے مطرب کو راہ پر
ہالے میں عاشقوں کو ہوا ماہ کا یقیں
باندھا جو شملہ یار نے زریں کلاہ پر
گوشِ بتاں کے پردے پھٹے اس کے شور سے
رحمت خدا کی، اپنی اثر دار آہ پر
کس گل کے خطِ سبز کے کشتہ ہیں اہلِ شرع
جائز رکھا ہے سجدہ اُنھوں نے گیاہ پر
دندانِ یار جب سے سمائے ہیں آنکھ میں
لیتے ہیں موتی جوہری اپنی نگاہ پر
شہرِ بتاں میں حوصلہ فریاد کا نہ کر
یاں رسم دُرے پڑنے کی ہے دادخواہ پر
مشتاق اہلِ مے کدہ ہیں یاں کرم کرے
ابرِ سیہ کا لطف نہیں خانقاہ پر

آتش زمین کو بھی سمجھتا ہوں آسماں
ہوتا ہے برجِ دلو کا شک مجھ کو چاہ پر

۱۳

[1]حکم رانی پر ہؤا میل[2] سلیمانِ بہار
عشق پیچاں بن گیا طغرائے فرمانِ بہار
زخمِ خنداں یار بن ہے روے خندانِ بہار
تیرِ بارانِ بلا ہے مجھ کو بارانِ بہار
بے بقا ہے ہستیِ شبنم سے بارانِ بہار
برق کی چشمک سے کم وقفہ ہے دورانِ بہار
زلف سنبل کو سمجھیے، گوش گل کو جانیے
نرگسِ شہلا کو کہیے چشمِ فتّانِ بہار
شاخِ گلبن پر یہ طفلِ غنچہ سے ظاہر ہوا
نے سوارانِ چمن ہیں مردِ میدانِ بہار
کیا سمجھ کر روندتے ہیں مجھ کو سیّارِ چمن
سبزۂ بیگانہ ہوں، لیکن ہوں مہمانِ بہار
زلف کا ہونا قریبِ چہرۂ رنگیں ہے شرط
باغ بے سنبل ہے بے شیرازہ دیوانِ بہار
چاک پیراہن ہر اک گل کا بعینہ زخم ہے
کھیت ہے تلوار کا یا رب کہ میدانِ بہار

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۷ - ۸۸ ، نول کشور قدیم ص ۸۱ ، جدید ص ۱۲۷ ، بہارستان سخن ص ۱۰۲ -
۲ - بہارستانِ سخن : ''مثل سلیماں -''

روشنی ہووے جو آنکھوں میں تو سیر باغ کر
لالۂ آتش زباں ہے شمع ایوان بہار
آپ جوئیں ہیں صفا سے سینۂ اشراقیاں
ہر گل خوشبو ہے افلاطون یونان بہار
پیش آتے ہیں بدوں سے بھی کرم کے ساتھ نیک
رزق زنبور عسل ہے ریزۂ خوان بہار
رنگ میرا اور تیرا دیکھ کے حیراں ہوئے
نقش بندان خزاں و نقش بندان بہار
جان تازہ آتی ہے آتے ہی تیرے باغ میں
جاتے ہی تیرے نکل سی جاتی ہے جان بہار
لالہ و گل سے ہنوز آباد ہے بزم چمن
سرو شمع سبز ہے، سنبل شبستان بہار
بہر سیر باغ جاتا ہے جو تو اے شمع رو!
صدقے ہوتے ہیں پتنگے بن کے مرغان بہار
نخل ماتم کی طرح ہوں بوستان دہر میں
نے سزاوار خزاں آتش نہ شایان بہار

۱۴

[1]گرد کلفت جم رہی ہے ہر زماں بالائے سر
کیا زمین پیدا کرے گا آسماں بالائے سر
کیا عجب ہے داغ سودا کا مکاں بالائے سر
میزباں رکھتا ہے پائے میہماں بالائے سر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۸ ، نول کشور قدیم ص ۸۱ ، جدید ص ۱۲۸ ، سراپا سخن ص ۸ -

برگِ گل رکھوں اگر میں ناتواں بالائے سر
دم چڑھے ہو صدمۂ سنگِ گراں بالائے سر

برق سی چمکی تری تیغ اے جواں بالائے سر
اس ہُما کا سایہ ہووے مہرباں بالائے سر

کھینچتا ہے تیغ جب وہ دلستاں بالائے سر
سارے تن سے کھنچ کے آرہتی ہے جاں بالائے سر

پار اُتر جاؤں کرم سے تیرے اے بادِ مراد!
زیرِ پا کب سے ہے کشتی ، بادباں بالائے سر

پھر بہار اے بے نیاز آوے پھریں پھر کو بہ کو
ٹوکرے پھولوں کے رکھ کر باغباں بالائے سر

رکھتے ہیں اے بت ترے سر پر بٹھانے کے لیے
گنبدِ دستار سے زاہد مکاں بالائے سر

خونِ ناحق کوچے میں اس ترک کے ہوتے رہیں
لاشہ[1] تڑپے لاشے پر ، سر ہو طپاں بالائے سر

کون تجھ سا پادشاہِ حسن ہے اے مہروش!
تاجِ زریں مہ ہے ، کلغی[2] کہکشاں بالائے سر

کیا سمجھ کر شمع سے میں یار کو تشبیہ دوں
یاں دہن میں ہے زباں واں ہے زباں بالائے سر

بلبل و قمری برابر دونوں ہوتے ہیں حلال
گل کو رکھتا ہے جو وہ سروِ رواں بالائے سر

---

۱ ۔ سراپا سخن : "لاشے تڑپیں لاشے پر" ۔
۲ ۔ دیوان طبع جدید : "کلگی" ۔

عالمِ بالا کی نعمت کا اگر بھوکا ہوں میں
آسماں پر سے فرشتے آتریں خواں بالائے سر

اس قدر تو سعی کرتا ہوں میں راہِ عشق میں
پاؤں کا میرے پسینا ہے رواں بالائے سر

فکر کی گرمی سے جلتا ہے زبس میرا دماغ
جائے مُو دکھلائی دیتا ہے دھواں بالائے سر

لکھ کے خط حسرت میں قاصد کی ہون میں مجنوں ہوا
چاہیے ہُدہُد بناوے آشیاں بالائے سر

ایک دن تو بام پر سے روئے نورانی دکھا
پڑ رہی ہے کیسی خاکِ آستاں بالائے سر

صورتِ یوسف[۴] ہے وہ طفلِ حسیں ہر دل عزیز
آنکھوں پر رکھتے ہیں پیر اس کو جواں بالائے سر

کون سا گلرو ملے گا مہندی اپنے پاؤں میں
بوتے ہیں نخلِ حنا کو باغباں بالائے سر

حسرتِ شاہی ترے در کے فقیروں کو نہیں
تخت ہے ہم کو زمیں ، چتر آسماں بالائے سر

کس جگہ زیرِ زمیں قبریں نہیں ، آہستہ چل
پاؤں پڑتے ہیں ترے اے جانِ جاں بالائے سر

میل آرائش چراغِ حسن کو دے گا فروغ
سرخ بتّی باندھے گا وہ دلستاں بالائے سر

یہ بھی دیوانہ کسی گل رو کا ہووے اے کریم
آشیاں بلبل کا رکھے باغباں بالائے سر

تا بکے سر میں نہاں رکھوں میں سودا زلف کا
موئے سر کے بدلے سنبل ہو عیاں بالائے سر

آرزو ہے پاؤں پر اس کے ہمارا سر ہو ، اور
دستِ شفقت پھیرے وہ شوکت نشاں بالائے سر
[1]کون سا حلقہ ہے جس میں اک دل عاشق نہیں
طرّۂ گیسو ہے اس گل کو گراں بالائے سر
نالے کرتا ہوں تو کہتے ہیں مجھے اہلِ زمیں
کیوں اُٹھایا چاہتا ہے آسماں بالائے سر
اپنے عریانوں کا پردہ رکھے گا وہ عیب پوش
روزِ محشر ہوگی چشمِ مردماں بالائے سر
قتل جب چاہے کرے آتش وہ تُرکِ جنگ‌جو[2]
نے گلے میں ہے زرہ نے ، خود یاں بالائے سر

۱۵

[3]خونِ دل کے ساتھ ہے لختِ جگر کا انتظار
موے مژگاں کو ہے شاخ آسا ثمر کا انتظار
سروِ قدّ یار کے مضموں کا رہتا ہے خیال
خشک کرتا ہے لہو مصراعِ تر کا انتظار
تارے گنتے گنتے شب کو صبح کر دیتا ہوں میں
نیند اُڑا دیتا ہے اک رشکِ قمر کا انتظار
شب جو تم نے صبح وعدہ باغ چلنے کا کیا
ہر گھڑی دل کو زیادہ تھا گجر کا انتظار

---

۱ - سراپا سخن : ”کون حلقہ ہے کہ جس میں اک دل عاشق نہیں“ -
۲ - سراپا سخن : ”طفل جنگ جو“ -
۳ - کلیات طبع علی بخش ص ۸۹ ، نول کشور قدیم ص ۸۲ ، جدید ص ۱۲۹ -

راہ سے آنکھوں کے نکلے جانِ مضطر چاہیے
شام سے فرقت کی شب میں ہے سحر کا انتظار
ٹکٹکی بندھوائے رکھتا ہے ہمیشہ سوے در
مردمِ دیدہ کو اس نورِ نظر کا انتظار
قطع کر رکھیو کفن اپنے لیے اے آسماں !
ہو نہ ہنگامِ سفر رختِ سفر کا انتظار
کود پڑنے کا زبس ہے یار کے گھر میں خیال
ہے اندھیری رات میں پچھلی پہر کا انتظار
عشق پیدا کر کمی کچھ حسن و خوبی کی نہیں
سودۂ صندل ہے تیرے درد سر کا انتظار
خود چلوں گا یار سے لینے جوابِ خطِ شوق
اور میں کرتا ہوں دو دن نامہ بر کا انتظار
ناتواں ہو جاتا ہے فکرِ سخن سے آدمی
رشتہ کر دیتا ہے آتش اس گہر کا انتظار

۱۶

[1]بیت ہیں دو ابروے زیباے یار
مصرعۂ برجستہ ہے بالاے یار
محو کر دیتا ہے سر تا پاے یار
کیا مناسب تن کے ہیں اعضاے یار
دونوں ہیں اپنے لیے ایذا دہند
عشقِ بے خود ، حسنِ بے پرواے یار

---

۱ ۔کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۸ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۵ ، جدید ص ۳۷۲ ۔

آج کل سے کچھ میں دیوانہ نہیں
سر نہ تھا جب سے کہ ہے سودائے یار

مصلحت ہے واسطے اپنے وہی
جو رضائے یار ہے، جو رائے یار

شہرِ خوباں میں ہیں دو میرے خطاب
عاشقِ دل دادہ و شیدائے یار

عشق شور انگیز پیدا کیجیے
جلوہ گر ہے حسنِ شوق افزائے یار

ساقی و مے، شیشہ و ساغر ہیں سب
خالی ہے، یادش بخیر، اک جائے یار

میرے گھر میں جو قدم رنجہ کرے
اپنی آنکھوں سے لگاؤں پائے یار

آئنے سے یہ ہمیں روشن ہوا
محوِ حیرت رہتے ہیں بینائے یار

وصفِ چشمِ سُرمگیں کیا کیجے
دیکھتی ہے نرگسِ شہلائے یار

حسن میں کچھ ماہ کو نسبت نہیں
بے کلف، بے داغ ہے سیمائے یار

باندھیے مضموں تو مضمونِ دہن
کیجیے پیدا تو ناپیدائے یار

خود گمی بے وجہ آتش کی نہیں
یہ بھی ہے میری طرح جویائے یار

۱۷

[1]دکھائے حسن کی اپنے جسے کہ یار بہار
یہ عشق ہو کہ پکارا کرے بہار بہار

ظہور داغِ محبّت ہے یوں مرے دل سے
چمن کی جیسے ہو پروردۂ کنار بہار

فراقِ یار مبدّل وصال سے ہووے
نکالے دل سے خزاں کا یہ خار خار بہار

چمن کی سیر میں مجھ مست کو دلاتی ہے یاد
دکھا کے آتشِ گل آبِ خوش گوار بہار

شباب کا ترے اے یار رنگ لا کے ہوئی
بلائے عالم و آشوبِ روزگار بہار

شگفت[2] غنچہ سے اس گل کو آتی ہے یہ صدا
ترے فدا، ترے صدقے، ترے نثار بہار

پیادہ پا ہوں پری کی تلاش میں پھرتا
جنوں کو رکھتی ہے سرپر مرے سوار بہار

نمود کی خطِ مشکیں نے لالہ و رخ پر
یہ داغ چھوڑ چلی اپنا یادگار بہار

کنارِ جوئے چمن جھومتے ہیں مست ترے
بطِ شراب کا کھلواتی ہے شکار بہار

وہ رنگ و بو بدنِ یار میں جو ہے سو کہاں
شگوفے ایسے کھلایا کرے ہزار بہار

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۹، طبع نول کشور قدیم ص ۲۳۶،
جدید ص ۳۷۳، چمن بے نظیر ص ۹۱ -

۲ - چمن بے نظیر: ''شگفتہ غنچہ -''

کرم سے ابرِ کرم کے ترے یہ فیض ہے عام
ترا دیا ہوا رکھتی ہے اعتبار بہار

تصوّرِ رخِ رنگیں میں بند رکھتا ہوں
چہار فصل میں آنکھوں سے ہے دوچار بہار

شگفتہ ہو کے نسیمِ سحر سے غنچے ہوں گل
اٹھائے پردۂ روئے لقاب دار بہار

نظارہ دیدۂ بلبل سے کیجیے اب کی
خدا جو چاہے تو آتش ہو سازوار بہار

۱۸

[1]پڑ گئی آنکھ جو اُن چاند سے رخساروں پر
لوٹتے کبک نظر آ گئے انگاروں پر

ابروے یار کا سر میں ہے جنھوں کے سودا
رقص وہ لوگ کیا کرتے ہیں تلواروں پر

روز و شب رہتے ہیں بلبل کی طرح سے نالاں
ٹوٹی پھولوں کی چھڑی ہم سے گنہ‌گاروں پر

باؤ کے جھونکے کے لگنے سے ہیں میلے ہوتے
نازکی ختم ہے ان پھول سے رخساروں پر

موسمِ گل میں جو ہوتا ہے زیادہ سودا
دوڑتے پھرتے ہیں ہم باغ کی دیواروں پر

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۵۹ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۶ ، جدید ص ۳۷۳ - اِس غزل پر ردیف 'ر' ختم ہے ، چمن بےنظیر ص ۹۶-

[1]جگر و دل ہیں کبابوں کی طرح سے بھنتے
کثرتِ داغِ جنوں رکھتے ہیں انگاروں پر

عشق بازوں کو دکھاؤ رخِ رنگیں تم بھی
مست بلبل، ہوئے ہیں رنگ ہے رخساروں پر

سن جو پائی ہیں تری ابرِ سیہ سی زلفیں
رقص طاؤس کیا کرتے ہیں کہساروں پر

کر رہی ہے شبِ ہجراں کی سیاہی اندھیر
چاند پر ہے نہ وہ رونق ، نہ چمک تاروں پر

بزمِ خوباں میں تکلّف نہیں کس کو ہے پسند
طرّے ہی طرّے نظر آتے ہیں دستاروں پر

مردنی چھائی ہوئی دیکھیں گے منہ پر جو طبیب
خشمگیں ہوں گے تری چشم کے بیماروں پر

جا نکلتا ہے جو بازار میں وہ شوخ مزاج
پھبتیاں ہوتی ہیں یوسف[۴] کے خریداروں پر

خاک چھنوائی ہے سودائے گلستاں نے بہت
ایڑیاں برسوں ہی رگڑا کیے ہیں خاروں پر

دلِ احباب کا دم بند ہے ان زلفوں میں
کیا تعدّی ہے شکنجے کے گرفتاروں پر

شور نالے کا مرے جب سے سنا ہے آتش
قفل مرغانِ چمن رکھتے ہیں منقاروں پر

---

۱ - چمن بے نظیر میں ہے :
جگر میں ناوک مژگاں سے ہے خلل آتش
فوق پر فوق ہے ہر آن ستمگاروں پر

۱۹

اوہ گل جو آئے تو کیا لالہ زار میں ہو بہار
دو چند لطفِ چمن ہو بہار میں ہو بہار

شہید ہو کے چل اس گلستانِ دنیا سے
جو خانہ باغ کی چاہے مزار میں ہو بہار

وہ رشکِ حور الٰہی ہو اپنے پہلو میں
بہشت کی چمنِ روزگار میں ہو بہار

چمن میں دیکھ کے نرگس کو دل دھڑکتا ہے
خزاں کی تو نہ کہیں انتظار میں ہو بہار

گلے کو کاٹ کے رہرو ہمیشہ مرتے ہیں
چمن میں ہو کہ نہ ہو، کوے یار میں ہو بہار

لباسِ سرخ پہن کر ہو یار ہم آغوش
چمن کی طرح مرے بھی کنار میں ہو بہار

خیالِ گل میں دم اپنا فنا کرے بلبل
نہ دیکھی ہو جو ترے احتضار میں ہو بہار

دکھاتی ہے مجھے حسنِ شبابِ یار کا رنگ
نہ جانے دوں جو مرے اختیار میں ہو بہار

شریک حال جو مٹی ترے شہید کی ہو
چمن تو کیا ہے، چمن کے غبار میں ہو بہار

فراقِ یار میں بدتر خزاں سے ہے **آتش**
ہزار عالمِ نقش و نگار میں ہو بہار

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۰ کے علاوہ دوسرے مطبوعہ نسخوں میں یہ غزل موجود نہیں -

ردیف رائے ہندی

۱

احیرت ہے ہو نہ زلف و رخ و یار سے بگاڑ
رہتا ہے ورنہ کافر و دیں دار سے بگاڑ

مثلِ نسیم ہوں چمنِ روزگار میں
گل سے بناؤ ہے نہ مجھے خار سے بگاڑ

رنجیدہ جب سے ہم سے وہ خانہ خراب ہے
گھر سے بگاڑ ہے در و دیوار سے بگاڑ

پاتا ہوں میں مزاجِ عناصر میں اختلاف
آپس میں ہوگا ایک دن ان چار سے بگاڑ

بوسہ طلب کروں تو مجھے گالیاں ملیں
بے وجہ ہو نہ عاشقِ رخسار سے بگاڑ

اس مہ کی مہربانی تک اپنی تھی زندگی
غیرت سے مر گئے جو ہوا یار سے بگاڑ

آزردہ ہیں وہ بوسۂ لب کے سوال پر
شیرینی کے لیے ہے نمک خوار سے بگاڑ

تیرے سوا کسی سے علاقہ نہیں مجھے
لازم نہیں ہے خادمِ سرکار سے بگاڑ

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۸۹ ، نول کشور قدیم ص ۸۲ ، جدید ص ۱۳۰ ، اس ردیف میں صرف ایک ہی غزل ملی ۔

اے بحرِ حسن لہر یہ کیا آئی ہے تجھے
رکھتا ہے اپنے تشنۂ دیدار سے بگاڑ

دیوانے آج کل کے کچھ آتش نہیں ہیں ہم
مدّت ہوئی کہ ہے سر و دستار سے بگاڑ

ردیف زائے معجمہ

۱

^۱^ساتھ ہے بعدِ فنا حسرتِ فتراک ہنوز
دامنِ زیں سے لپٹتی ہے مری خاک ہنوز
کپڑے پھٹتے ہیں مرے خانۂ زنجیر میں بھی
پاؤں تو سست ہوئے ، ہاتھ ہیں چالاک ہنوز
کون کہتا ہے بسر ہو گئے ایّامِ جنوں
اک گریباں نظر آتا نہیں بے چاک ہنوز
آنکھ بھر کر نہ کبھی چاند سی صورت دیکھی
نہیں آلودہ ہماری نگہِ پاک ہنوز
عشق نے نقش بٹھایا جو نگینِ دل پر
میں نے جانا کہ زمانے میں ہیں حکّاک ہنوز
باغباں کیسی بہار آئی ہے ، کیا عالم ہے
نظر آتے ہیں چمن میں خس و خاشاک ہنوز
کیا کروں اس کو جو نکلے نہ بخار اک دل کا
دو سمندر ہیں مرے دیدۂ نم ناک ہنوز
اس قدر قحط ہے کس واسطے مے کا ساقی
زیرِ دیوارِ چمن اینڈتے ہیں تاک ہنوز

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۰ ، نول کشور قدیم ص ۸۳ ، جدید ص ۱۳۱ -

استخواں خاک ہوئے ، خاک بھی برباد ہوئی
صاف ہوتا نہیں اس پر بھی وہ سفّاک ہنوز
وہی پستی و بلندی ہے زمیں کی آتش
وہی گردش میں شب و روز ہیں افلاک ہنوز

۲

[1]جوش و خروش پر ہے بہارِ چمن ہنوز
پیتے ہیں نوجوان شرابِ کہن ہنوز
پاتا نہیں میں یار کو میلِ سخن ہنوز
معدوم ہے کمر کی طرح سے دہن ہنوز
برسوں سے رو رہا ہوں شب و روز متّصل
ہنستے ہیں مدّتوں سے مرے زخمِ تن ہنوز
رخسارِ یار پر نہیں آغازِ خط ابھی
دیکھا نہیں ان آنکھوں نے سورج گہن ہنوز
انجامِ کار کا نہیں آتا خیال کچھ
غربت میں بھولے بیٹھے ہیں یادِ وطن ہنوز
عالم ان ابروؤں کی کجی کا جو ہے سو ہے
بل کھا رہی ہے زلفِ شکن در شکن ہنوز
خلعت کی کیا امید رکھیں آسماں سے ہم
اس نے تو داب رکھا ہے اپنا کفن ہنوز
عالم حجابِ یار کا تا حال ہے وہی
خلوت نشیں ہے روشنیِ انجمن ہنوز

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۰ ، نول کشور قدیم ص ۸۳ ، جدید ص ۱۳۱ ۔

اپنے صفاے سینہ کا حیران کار ہے
دیکھا نہیں ہے آئنے نے وہ بدن ہنوز
ہر چند باغِ دہر میں مدّت سے ہوں مقیم
آتش نظر پڑا نہ وہ سیبِ ذقن ہنوز

۳

^۱^فیض سے ابرِ بہاری کے ہوئے گلزار سبز
ساقیِ مے خانہ کو بندھوا دیے دستار سبز
شدّتِ دردِ جدائی سے دگرگوں حال ہے
زرد ہو جاتا ہوں سو سو بار، سو سو بار سبز
آپ سا دیکھا نہیں جاتا غرورِ حسن سے
آئنے کے آگے ہو جاتا ہے روے یار سبز
فیض نیکوں سے نہ ہوا ان کو وہ جو ہیں بدسرشت
کیا کرے بارانِ زمینِ شور میں اشجار سبز
ہوں میں وہ بلبل جواہر خانہ جس کا باغ ہے
سرخ مثلِ لعلِ گل، شکلِ زمرد خار سبز
زخم پہلو میں نے دکھلایا تھا اک دن کھول کر
ہو گیا ہیبت سے رنگِ مرہم زنگار سبز
سوزشِ دل میں اثر ہے تابشِ خورشید کا
تاک کو کرتی ہے اپنی آہِ آتش بار سبز
انقلابِ دہر سے ایمن نہیں ہے حسن بھی
سبزۂ خط سے ہوئے ہیں لالہ گوں رخسار سبز

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۰، نول کشور قدیم ص ۸۳، جدید ص ۱۳۲ -

چار دن جوشِ جوانی کے غنیمت جانیے
خشک ہو کر نخل پھر ہوتا نہیں زنہار سبز

مے کدے میں سیرِ نیرنگ جہاں دیکھیں گے ہم
جام ہوں تیار بھر بادۂ گلنار سبز

بسکہ اشکوں سے نمی ہے میرے گھر میں روز و شب
مہندی کی ٹٹّی سے رہتی ہے ہر اک دیوار سبز

دیکھیے کس کس کو وہ زریں قبا کرتا ہے قتل
سرخ اک پیچا غضب ہے ، قہر ہے شلوار سبز

کون کہتا ہے نہیں عنّاب لب سے اس کو عشق
چہرۂ آتش ہے مثلِ چہرۂ بیمار سبز

۴

دکھلائیں گے کیا یار کا شمس و قمر انداز
ایجاد نئے ہوتے ہیں شام و سحر انداز

موسیٰ[۴] کو غش آ جائے گا جلوے سے تمھارے
دم دو گے مسیحا کو یہی ہے اگر انداز

دیوانہ ہوا جس نے رخِ یار کو دیکھا
رکھتا ہے پری کا بھی جمالِ بشر انداز

دل صید گہِ عشق میں کب سے ہے نشانہ
للہ آڑا دے اسے کوئی قدر انداز

پابوس کو ہر روز گیا یار کے گھر میں
پٹکا کیے سر کو پسِ دیوار در انداز

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۶۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۷ ، جدید ص ۳۷۴

منہ پھیر نہ بوسے کے طلب گار سے ظالم !
دل توڑ کے کعبے کو نہ ڈھا خانہ برانداز !

دکھلائی ہے دانتوں کی صفا یار نے جب سے
موتی مری آنکھوں کے کیے ہیں نظر انداز

جاں بر کوئی ہووے گا نہ دل تم سے لگا کر
جو ناز ہے آفت ہے ، قیامت ہے ہر انداز

واپس دلِ احباب کو لے لے کے ہو کرتے
یہ غمزہ نیا ہے ، یہ نہ تھا پیشتر انداز

گل سننے کو نالے ہمہ تنِ گوش ہیں **آتش**
بلبل نے اڑایا ہے تمہارا مگر انداز

ردیف سین مہملہ

۱

[۱] کرتے ہیں عبث یار سراغِ پرِ طاؤس
زخمی کو نہیں اس کے دماغِ پرِ طاؤس

صیّاد بھی، زخمی بھی، اُسے باندھیں گے دونوں
جو دم ہے غنیمت ہے، فراغِ پرِ طاؤس

محتاج نہیں روشنیِ عاریتی کا
داغ اپنا ہی ہے شمع و چراغِ پرِ طاؤس

اے ابر! ترے عشق میں یہ رنگ دکھایا
ہر داغ ہے اک لالۂ باغِ پرِ طاؤس

دُھویا کرے بارانِ بہاری اُسے آتش
چھٹنے کے پروں سے نہیں داغِ پرِ طاؤس

۲

[۲] ذرّہ خورشید ہو، پہنچے جو درِ یار کے پاس
سایہ بن جائے ہُما، لوٹ کے دیوار کے پاس

طرّۂ زلف ہے زیبا نہیں رخسار کے پاس
خوش نما کتنے ہیں کسُولے کمرِ یار کے پاس

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۱، نول کشور قدیم ص ۸۴، جدید ص ۱۳۲ -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۱ ، نول کشور قدیم ص ۸۴ ، جدید ص ۱۳۲ - دیوان دوم میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا -

کوچۂ یار میں سائے کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں، کبھی دیوار کے پاس

سینکڑوں تشنۂ دیدار ہیں معلوم نہیں
کس کی قسمت کا ہے پانی تری تلوار کے پاس

مجھ کو دربانی کی خدمت ہو تو اے خانۂ یار!
سائے کو آنے نہ دوں میں تری دیوار کے پاس

فکر مرغانِ چمن کی ہے، بہار آئی ہے
جھونپڑا ڈالا ہے صیّاد نے گلزار کے پاس

کب جواب آئے خطِ شوق کا واں سے دیکھوں
روز ہو آتا ہوں ہرکارۂ اخبار کے پاس

کارِ زنجیر جو ان گیسوے پیچاں سے ہوا
روئیں گے بیٹھ کے آزاد گرفتار کے پاس

پھر گیا منہ تری ابرو کی طرف سے ان کا
سینے کو کھول کے جاتے تھے جو تلوار کے پاس

ایڑیاں شوقِ شہادت میں کہاں تک رگڑوں
اب تو جلّاد کو بھجواؤ گنہگار کے پاس

حالتِ نزع ہے صورت کوئی بچنے کی نہیں
اٹھ گیا رو کے جو آیا ترے بیمار کے پاس

باغِ عالم میں جو رکھتا ہے قدم اے آتش!
خندہ زن گل کی طرح بیٹھ کے ہو خار کے پاس

ردیف شین معجمہ

۱

اجلا میں شمع کے مانند عمر بھر خاموش
تمام عمر کٹی قصّہ مختصر خاموش

جبیں کے نور سے اسلام یاں ہویدا ہے
رہیں گے مجھ کو نکیرین دیکھ کر خاموش

نہیں قرار زمانے کو ایک حالت پر
جو دو پہر ہوں میں نالاں ، تو دو پہر خاموش

جنوں میں بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی
رہا میں عالمِ وحشت میں بیشتر خاموش

نہ کعبے میں نظر آیا ، نہ بت کدے میں تو
اٹھامیں بیٹھ کے اک دم ادھر اُدھر خاموش

چمن میں کون سا غنچہ نہیں شگفتہ ہوا
ہمارا غنچہ دہن کیوں ہے اس قدر خاموش

بتوں کے دل کو دکھاؤں میں اپنے دل کی طرح
خدا کے قہر کا رکھتا ہے مجھ کو ڈر خاموش

ہوئی ہے قاتلِ عالم صباحتِ رخِ یار
چراغِ زیست کو بھی کرتی ہے سحر خاموش

---

۱ ۔ کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۱ ، نول کشور قدیم ص ۸۴ ،
جدید ص ۱۳۳ ۔

زبان کیلنے کا نقش منہ بھرائی ہے
دہانِ غنچہ کو رکھتا ہے مشتِ زر خاموش

نہ راہ ہی مجھے سوجھی ، نہ پھاندنے کی گھات
پھرا کیا پسِ دیوار و پیشِ در خاموش

روانہ ہوتا ہے پہلو سے پچھلے پہرے یار
چراغ صبح سے کرتا ہوں پیشتر خاموش

کمندِ زلف کا ٹوٹے نہ تار اے شانے!
رہا بہت میں گلا گھونٹ گھونٹ کر خاموش

نہ چھیڑ قصّۂ موے میانِ یار آتش
کسی نے دیکھی ہے معشوق کی کمر ؟ خاموش!

ردیف صاد مہملہ

۱

[1]آفتِ جاں ہے ترا اے سروِ گل اندام رقص
ساتھ ہر ٹھوکر کے کرتا ہے ہمارا کام رقص

طبعِ عالی باز رکھتی ہے تماشے سے مجھے
بام پر گویا کہ میں ہوں اور زیر بام رقص

کس طرح کرتا ہے یہ ذلّت گوارا آدمی
فی الحقیقت کچھ نہیں غیر از خیالِ خام رقص

چہرۂ محبوب پر گیسو نہیں لہرا رہے
بت کے آگے کرتے ہیں کفّارِ نافرجام رقص

اے دلِ پُر داغ ! بے تابی سے کچھ حاصل نہیں
ہو سکا طاؤس سے کب قابلِ انعام رقص

دم فنا ہوتا ہے دامن کی ہر اک ٹھوکر کے ساتھ
خرمنِ امّید کو ہے برق کا پیغام رقص

حرصِ دنیا حسنِ غارت گر کو رکھتی ہے خراب
بہرِ زر کرتے ہیں محبوبانِ سیم اندام رقص

سینہ کوبی کی صدا ہے یہ کہ گھنگرو کی صدا
بے قراری ہے تری یا اے دلِ ناکام رقص

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۲ ، طبع نول کشور قدیم ص ۸۵ ، جدید ص ۱۳۴ ، بہارستان سخن ص ۱۱۲ -

ایک دن لایا تھا جامِ مے ترے ہونٹوں تلک
آج تک کرتا ہے یہ گردونِ مینا فام رقص

چشمِ راحت کارِ ذلّت میں ، خیالِ خام ہے
عمر بھر رقّاص کو رکھتا ہے بے آرام رقص

اپنی صورت سامنے اپنے ، تماشاگاہ ہے
کیا سمجھ کر یہ روا رکھتے ہیں خاص و عام رقص

مے کدے میں چل کے سیرِ عالمِ نیرنگ کر
قلقلِ مینا ہے نغمہ اور دورِ جام رقص

دل اسی پہلو میں آتش پیش ازیں بے تاب تھا
یہ وہی جا ہے جہاں ہوتا ہے صبح و شام رقص

ردیفِ ضاد معجمہ

۱

^۱^کام ہے شیشے سے ہم کو اور ساغر سے غرض
مست رہتے ہیں شرابِ روح پرور سے غرض
عشق صورت سے خیالِ آیا ہے معنی کی طرف
جب صدف سے مدّعا تھا اب ہے گوہر سے غرض
آشنا ہوتے ہیں مفلس کے کہاں یہ لالچی
زر کی خواہش ان حسینوں کو ہے زیور سے غرض
اپنے فعلوں سے تعجّب ہے نہ ہووے جو فساد
زن سے مطلب ہے، زمیں سے مدّعا ، زر سے غرض
بوسۂ لب مانگنے پر گالیاں دیتا ہے یار
زہر ملتا ہے اسے جس کو ہو شکّر سے غرض
آنکھ گل پر لالۂ رخسار کی پڑتی نہیں
عاشقِ قامت نہیں رکھتے صنوبر سے غرض
نازِ بے جا بھی نہ اے دل ! ناگوارِ طبع ہو
اب تو اٹکی ہے تری اس ماہ پیکر سے غرض
صاف ہو کر گلستانِ حسن کی لوٹی بہار
یہ مراد آئینے کی تھی ، یہ سکندر سے غرض

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۲ ، نول کشور قدیم ص ۸۵ ، جدید ص ۱۳۴ -

عاشقِ بے تاب کو بوسہ عنایت کیجیے
مردِ مفلس کی نکلتی ہے تونگر سے غرض

شکوہ اس کا بھی زباں زد ہو نہ اے دل چاہیے
گر آٹھا دی ہے جہانِ سفلہ پرور سے غرض

فرشِ قالین و نمد کا آشنا ہوتا نہیں
آتشِ درویش کو ہے اپنے بستر سے غرض

ردیف طا

۱

اسبزے سے خطِ یار کے ہوتا ہے غم غلط
کیوں کر کہیں نوشتہ[1] قسمت کو ہم غلط

ایسے فریب اس نے حریفوں کے کھائے ہیں
حق حق کہوں جو میں تو کہے وہ صنم[2] غلط

معشوق سے اُمید وفا ہے خیالِ خام
وعدہ دروغ یار کا، قول و قسم غلط

مایوس ہو نہ مرغِ دل اک دن شکار ہے
تیرِ نگہ نشانے کو کرتا ہے کم غلط

ہوتی ہے دھن میں نشے کے دونی ہوائے وصل
کیا ہجر میں شراب پیے سے ہو غم غلط

اے شوق! راہِ یار میں لے تو چلا ہے تُو
جادے سے پڑنے پائے نہ نقشِ قدم غلط

کعبہ سنا ہے نام جو کوچے کو یار کے
کرتے ہیں برہمن رہِ بیت الصنم غلط

شاعر نہیں ہے، ہیچمداں ہے، کہے جو ہیچ
ہستی کو اس کمر کی ہے کہنا عدم، غلط

---

۱ ۔کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۲، نول کشور قدیم ص ۸۵،
جدید ص ۱۳۵ ۔

۲ ۔ نول کشور قدیم ''حق حق کہوں میں تو بھی کہے وہ صنم غلط''

پھل پائے گا نہ عشق سے ابروے یار کے
اے دل ہے ابرِ تیغ سے چشمِ کرم غلط
تحریر یار کے لیے کرتا ہوں خطِ شوق
مطلب کو لکھنے پائے نہ آتش قلم غلط

۲

انشۂ عشق کا اثر ہے شرط
لبِ خشک اور چشمِ تر ہے شرط
بے خبر ایک دن سفر ہے شرط
کہے رکھتے ہیں ہم ، خبر ہے شرط
مست تیری مئے محبّت کا
دین و دنیا سے بے خبر ہے شرط
صندلی رنگ سیکڑوں معشوق
عشق بازی کا دردِ سر ہے شرط
قول پر قول ہم سے یار سے ہے
شرط پر شرط ، شرط پر ہے شرط
کہوں کیوں کر میانِ یار کو ہیچ
جسم کے واسطے کمر ہے شرط
زلفِ خوباں دراز لازم ہے
خالِ کوتاہ و مختصر ہے شرط
قابلِ گوش سیکڑوں گوہر
گوش بھی قابلِ گہر ہے شرط

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۲ ، نول کشور قدیم ص ۸۶ ، جدید ص ۱۳۵ -

بس تمنّا ہے بندگی تیری
اس قدر ہو کہ جس قدر ہے شرط

گلشنِ عیش کے نظارے کو
مثلِ غنچہ گرہ میں زر ہے شرط

توبۂ مے کے توڑنے کے لیے
ساقیِ غیرتِ قمر ہے شرط

لبِ شیریں سے میٹھی باتیں کر
زہر میں زہر کا اثر ہے شرط

جھوٹے سچوں کا دیتے ہیں دھوکا
جوہری کے لیے نظر ہے شرط

عشق میں صبر کارِ مشکل ہے
دل کے خوں کرنے کو جگر ہے شرط

طور سے کیا کیا تجلیٰ نے
حسنِ بے پردہ سے حذر ہے شرط

عہدِ پیری میں روے رنگیں دیکھ
سیرِ گلزار کو سحر ہے شرط

معرکہ عشق کا ہے یاں آتش
پاؤں پر تیغ زن کے سر ہے شرط

ردیف ظا معجمہ

۱

سخت گوئی سے تجھے چاہیے اے یار لحاظ[1]
بات بڑھ جاتی ہے کھو دیتی ہے تکرار لحاظ

جام توڑے سے نہ مانوں گا تجھے زور آور
توڑنا یار کا اے چرخِ ستم گار لحاظ

نہ تو ہندو ہی میں ٹھہرا، نہ مسلماں نکلا
مجھ سے رکھتے ہیں بجا کافر و دیں دار لحاظ

اٹھ گیا پردہ، چھٹی روح سے آلائشِ تن
نہ رہا میرے ترے عاقبتِ کار لحاظ

یار ہے، باغ ہے، سبزہ ہے، مئے گلگوں ہے
مجھ کو رہتا نظر آتا نہیں زنہار لحاظ

مثلِ عنقا ہے مجھے مردمِ دنیا سے گریز
صحبتِ بد سے ہے انساں کو سزاوار لحاظ

آبگینے سے ہے نازک دلِ بیمار **آتش**
بد مزاجی سے مری رکھتے ہیں غم خوار لحاظ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۳، نول کشور قدیم ص ۸۶، جدید ص ۱۲۶ -

ردیف عین مہملہ

۱

اقدر کیا رکھتی ہے پیشِ چہرۂ پُر نور شمع
نام کو چربی کا پُتلا گو ہوئی مشہور شمع
صاف آتا ہے نظر پوشاک سے نورِ بدن
پیرہن فانوس ہے جسمِ بتِ مغرور شمع
اُڑ گئے اغیار سنتے ہی مری آوازِ پا
رہ گئی مجلس میں عذرِ لنگ سے مجبور شمع
نیش زن کو اپنی دولت سے نہیں ممکن فروغ
کب ہوئی روشن میانِ خانۂ زنبور شمع
شب کی شب اس شعلہ رو سے گرم صحبت ہے تو کیا
صبح کو پیدا کرے گی سردیِ کافور شمع
اے فلک! اتنا تو محفل میں فروغ اپنا بھی ہو
یار کے نزدیک بیٹھیں ہم، کھڑی ہو دور شمع
بام پر تو نے جو بچھوایا پلنگ اے شعلہ رو!
رات بھر روشن رہی بالائے کوہِ طور شمع
یہ بھی عاشق ہے مگر رکھتی ہے جو میری طرح
اشکِ گرم و سینۂ سوزاں، تنِ محرور شمع

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۳، نول کشور قدیم ص ۸۶، جدید ص ۱۳۷ -

جستجوے یار میں نکلوں اندھیرے میں اگر
راہ دکھلاوے[1] پری مجھ کو، دکھاوے حور شمع
دیدۂ بینا دل روشن نظر آتا نہیں
اڑ گئی بزمِ جہاں سے صورتِ کافور شمع
صورتِ پروانہ جلتے ہیں رقیبِ رو سیاہ
سوزِ غم سے ہو گیا ہے آتشِ رنجور شمع

۲

[2]خاک ہو جاتی ہے جل کر ہمرہِ پروانہ شمع
ہے تو زن، رکھتی ہے، لیکن غیرتِ مردانہ شمع
شام کو آتی ہے، وقتِ صبح کر جاتی ہے کوچ
منزلِ ہستی کو سمجھے ہے مسافرخانہ شمع
تیری محفل میں اگر دیکھے مری گستاخیاں
شوخیِ پروانہ سمجھے بازیِ طفلانہ شمع
سوزشِ دل کا بیاں، کچھ کچھ کیا تھا رات کو
موم ہو کر بہہ گئی سن کر مرا افسانہ شمع
گریۂ مستانہ کرتے کرتے آخر ہو گئی
کر چکی معمور اپنی عمر کا پیمانہ شمع
اور کچھ مطلب نہیں پروانے کا سمجھے رہے
آشنا کو آشنا بیگانے کو بیگانہ شمع

---

۱ - کلیات طبع جدید نول کشور : "راہ بتلاوے"۔ کلیات طبع لاہور "راہ بتلادے"۔ متن مطابق علی بخش و کلیات طبع قدیم نول کشور۔
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۴، نول کشور قدیم ص ۱۱۴، جدید ص ۱۲۷، بہارستانِ سخن ص ۱۱۴ -

آشنائے حال بھی بیگانہ بعدِ مرگ ہے
گور پر دیوانے کے لاتا نہیں دیوانہ شمع
جنبشِ شعلہ نہ جان اس کو اشارے سے یہ یار!
کرتی ہے محفل میں تیری سجدۂ شکرانہ شمع
روئے روشن سا ترے رکھتی رخِ روشن اگر
جان قیمت مانگتی گاہک سے دل بیعانہ شمع
لائی ہے ایماں یہ کس کا مصحفِ رو دیکھ کر
رکھتی ہے اشکوں سے اپنے سبحۂ صد دانہ شمع
دل میں رہتا ہے خیالِ چہرۂ پر نورِ یار
پرتوِ مہتاب سے رکھتا ہے یہ کاشانہ شمع
چشمِ غول آنکھوں میں پھر جاتی ہے اس کے شعلے سے
یاد دلواتی ہے مجھ دیوانے کو پروانہ شمع
عکس روئے آتشیں سے تیرے اے گل پیرہن!
زلف شب گوں میں ہوا ہر ایک خارِ شانہ شمع
سر کو کٹواتی اگر مجھ سخت جاں کی طرح سے
ڈال دیتی آہنِ گل گیر میں دندانہ شمع
روشنی دیکھے گا یا رب! کون سا رشکِ پری
ڈھالتا ہے اپنی چربی سے ہر اک دیوانہ شمع
عزتِ مہماں ہے لازم، چاہیے پروانے کو
در تلک لینے کو آوے لے کے صاحب خانہ شمع
حسن ناقص ہے کوئی عاشق نہ ہو آتش اگر
ہے یقیں بے پر پری ہے، ہے جو بے پروانہ شمع

۳

[1]روشنیِ بزم ہے یاں چہرۂ گل رنگ و شمع
جمع ہیں پروانہ و مرغانِ خوش آہنگ و شمع

اُٹھتے ہی اس رونقِ محفل کے سب بیکار تھے
جام و مینا ، ساقی و مطرب ، رباب و چنگ وشمع

کنجِ مرقد میں یہ داغِ دل سے میرا حال ہے
گرمیوں کی رات میں جیسے مکانِ تنگ و شمع

آتشِ فرقت رہی بعدِ فنا بھی مشتعل
موم ہو کر بہہ گئے میری لحد پر سنگ و شمع

ساعدِ سیمیں سے نسبت دے کوئی ناقص اسے
اپنے آگے ایک سی ہے ساقِ پائے لنگ و شمع

فکرِ رنگیں کو جو ہو انگشت و فندق کا خیال
دست بستہ آئیں مضمونِ گلِ اورنگ و شمع

راہ بھولوں گر شبِ تاریک میں َمیں تیرہ روز
منزلِ ہستی سے عنقا ہو صدائے رنگ و شمع

بزمِ ماتم ہے ہر اک محفل فراقِ یار میں
رات بھر جلتے ہیں آتش عاشقِ بے ننگ و شمع

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۹۴ ؛ نول کشور قدیم ص ۸۷ ، جدید ص ۱۳۸ ، بہارستان سخن ص ۱۱۶ ۔

ردیف غین معجمہ

۱

بزم میں رنگیں خیالوں کے جو ہو روشن چراغ[1]
سنبلستاں ہو شبستاں ، لالۂ گلشن چراغ

چاند سے مکھڑے کو دیکھا آنکھیں روشن ہو گئیں
پرتوِ مہتاب سے بن جاتے ہیں روزن چراغ

روشنیِ طور ہو بار دگر ممکن نہیں
تیرے صدقے کا کہاں سے لائے گا روغن چراغ

دن کو بیداری میں رہتا ہے خیالِ روے یار
رات بھر میں دیکھتا ہوں خواب میں روشن چراغ

سیکڑوں پروانوں کو اس نے کیا خاکِ سیاہ
موم کر سکتا نہیں اپنا دلِ آہن چراغ

دل ہمارا مردہ ہے ، سینہ ہمارا گور ہے
داغ سینے کا ہے گویا گور پر روشن چراغ

یار کو بھڑکا کے مجھ سے کوئی پاتا ہے فروغ
آتش افروزی سے ہونے کا نہیں دشمن چراغ

صبح تک چلتی ہے آہوں سے ہمارے بادِ تند
شام سے فانوس رکھتی ہے تہِ دامن چراغ

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۵ ، نول کشور قدیم ص ۸۷ ، جدید ص ۱۳۸ ، بہارستان سخن ص ۱۱۷ -

دھیان آ جاوے جو مضمونِ چراغِ کشتہ کا
واسطے تشبیہ کے ہوویں گلِ سوسن چراغ
گنجِ زر رنگِ طلائی نے کیا منہ یار کا
لعلِ لب کو میں نے سمجھا ماں پر روشن چراغ
منزلِ ہستی میں دشمن کو بھی اپنا دوست کر
رات ہو جاوے تو دکھلا دے تجھے رہزن چراغ
داغِ دل کی روشنی کافی ہے آتش گور میں
غم نہیں اس کا ، نہ ہو اپنے سرِ مدفن چراغ

۲

ابتیاں اس کی بنا کر میں کروں روشن چراغ
باد سے اُڑ کر بجھادے گر مرا دامن چراغ
رات بھر جلتا ہے یہ ، آٹھوں پہر جلتا ہے وہ
دل کو دیکھے اور اپنا سینۂ آہن چراغ
قلب ماہیت گدازِ عشق سے ہووے اگر
موم ہو کر کیا عجب روشن کرے آہن چراغ
تازہ ہو جاتا ہے یادِ رفتگاں سے داغِ دل
کارواں کرتا ہے اس ویرانے میں روشن چراغ
بسکہ جلتے ہیں حسد سے دیکھ کر میرا فروغ
روز اُڑایا کرتے ہیں بندوق سے دشمن چراغ
امن میں رکھتی ہے شر سے فتنے کے روشن دلی
چور پھر جاتا ہے گھر میں دیکھ کر روشن چراغ

---

۱ - کلیات طبع دلی بخش ص ۹۵ ، نول کشور قدیم ص ۸۸ ، جدید ص ۱۳۹ ، بہارستان سخن ص ۱۱۸ -

تیل کا مقدور تو اس کو نہیں باقی رہا
گھر جلا کر اب مگر روشن کرے دشمن چراغ

روزِ فرقت کچھ شبِ دیجور سے بھی ہے سیاہ
دن کو ہووے گا ہمارے گھر میں اب روشن چراغ

کون کہتا ہے ستارے اپنی برقِ آہ سے
بن گیا ہے اس سیہ خانے کا ہر روزن چراغ

جا نہیں داغِ محبّت کی دلِ بے عشق میں
خانۂ خالی میں دیکھا ہے کہیں روشن چراغ

دوست داری کے مزے سے آشنا ہووے اگر
اپنی چربی سے جلا دے راہ میں دشمن چراغ

یک دلی سے دو سیہ رویوں کے ہو ہنگامہ گرم
آتش افروزی کریں باہم ہوں جب روغن چراغ

۳

'سامنا کرتا ہے کیا اُس کا شبستاں میں چراغ
مردِ میداں ہے تو نکلے دن کو میداں میں چراغ

جب نہ دیکھا شمع رویوں کے زنخداں میں چراغ
رکھ دیا ہم نے بجھا کر طاقِ نسیاں میں چراغ

شمعِ مینا سے ہو ساقی شہر میں بھی روشنی
لالے نے روشن کیا کوہ و بیاباں میں چراغ

روشنی کی اس کے حلقوں میں جو روے یار[2] نے
ہو گئے روشن شبِ زلفِ پریشاں میں چراغ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۵ ، نول کشور قدیم ص ۸۸ ، جدید ص ۱۳۰ -

۲ - کلیات طبع علی بخش ''روے یار میں -''

کون سا بلبل پھنسا ہے دام میں صیّاد کے
باغباں گھی کے جلاتا ہے گلستاں میں چراغ
کیا کہوں کتنے مرے تن پر ہیں داغِ آتشیں
اس قدر ہوں گے نہ اک سروِ چراغاں میں چراغ
روے روشن کا خیال آنکھوں کو رونے میں رہے
رات بھر رکھتے ہیں روشن فصلِ باراں میں چراغ
داغِ دل کی روشنی ہے بوریاے فقر پر
شیر کی چربی سے جلتا ہے نیستاں میں چراغ
نور شمعِ طور ہے سینے کے ہر اک داغ میں
دیکھ لے منہ ڈال کر میرے گریباں میں چراغ
ہو گیا اس پر زلیخا کو یقیں فانوس کا
حسنِ یوسف[۴] نے کیا روشن جو زنداں میں چراغ
چہرۂ روشن دکھاؤ تم جو شب کو بے نقاب
دیدۂ بے نور ہووے چشمِ انساں میں چراغ
عشق کی تاثیر سے بعدِ فنا ہوگا فروغ
میری مٹّی کے جلیں گے کوے جاناں میں چراغ
کون سا دل ہے، نہیں کشتہ جو حسنِ گرم کا
بزمِ عالم میں ہے تو، گنجِ شہیداں میں چراغ
خاک کا پیوند ہوں گا جب میں تیرہ روزگار
پھر نہ دیکھے گا کوئی گورِ غریباں میں چراغ
رتبۂ اعلیٰ و اسفل میں رہے فرق اے فلک!
شمع روشن بام پر ہووے تو ایواں میں چراغ
واسطے اپنے نہیں منظور مجھ کو روشنی
میں جلاتا ہوں تو آتش راہِ مہماں میں چراغ

۴

اُس رکھتے شام ہوتی ہے میرا سخن چراغ
اُس شمع رُو کے آگے نہ ہو خندہ زن چراغ
یاد آ گئی جو رات کو زلف رسائے یار
آنکھوں میں اپنے ہو گیا کالے کا من چراغ
چاہے جو روشنی ترے رخسار کی کہاں
پیدا تو کر لے پہلے یہ لب پہ دہن چراغ
دکھلایا چاہے داغِ جنوں کو جو روشنی
لے بتّیوں کو اپنا پھٹا پیرہن چراغ
ممکن خزاں نہ ہووے بہارِ شباب کو
گل ہو نہ تیرے حسن کا اے گل بدن چراغ
ہوگا نہ روشنی میں رخِ یار سے فروغ
رکھتا ہے ناحق آرزوے خار زن چراغ
عالم میں جلوہ گر ہے مرا یار اس طرح
ہوتا ہے جیسے روشنیِ انجمن چراغ
لے جائیں کوے یار میں مجھ کو جو پاے شوق
روشن کروں میں جا کے میانِ چمن چراغ
مجبور ہیں نہیں تو اندھیرے میں گور کے
مُردے جلائیں بیچ کے اپنا کفن چراغ
جلتا ہے خود بھی قبر میں روشن کیا کریں
غربت زدوں کے نام کے اہلِ وطن چراغ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۶ ، نول کشور قدیم ص ۸۸ ، جدید ص ۱۳۰ -

دیکھا جو بت کے حسنِ خداداد کی طرف
مسجد میں تو جلائے گا اے برہمن چراغ

ٹھڈی کے گرد یار کے خالِ سیہ نہیں
بجھ کر ہیں رہ گئے لبِ چاہِ ذقن چراغ

اے خاکِ آتش اپنا جو منظور ہو فروغ
چڑھ چاک پر کمھار کے تُو اور بن چراغ

ردیف فاء

۱

[1]اللہ ہووے بلبلِ ناشاد کی طرف
گلچیں جو بولتا ہے تو صیّاد کی طرف

برسوں سے قدِ یار کا مضموں نہیں بندھا
مدّت ہوئی گئے نہیں شمشاد کی طرف

مستی سے ان لبوں کی تعلّق جنھوں کو ہے
تھوکیں کبھی نہ سوسنِ آزاد کی طرف

چلنے میں کی جو شوقِ شہادت نے رہبری
گردن جھکائی کوچۂ جلّاد کی طرف

اے جذب دل بغل میں سمجھتا ہوں یار کو
جاتا ہے دھیان جب تری امداد کی طرف

آئینے کی طرف نہ خیال آیا آپ کا
دیکھا نہ تم نے جوہرِ فولاد کی طرف

لایا ہے عشق حسن کا تیرے کشاں کشاں
آتا تھا کون عالمِ ایجاد کی طرف

عاشق ہی داد خواہ نہیں ورنہ روز و شب
فریاد رس کے کان ہیں، فریاد کی طرف

---

۱ ۔کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۶ ، نول کشور قدیم ص ۸۹ ، جدید ص ۴۱ ۔

نکلا ہے تیری زلف کا جب سے کہ سلسلہ
آوازے ہیں اسیروں کے آزاد کی طرف

سمجھے نہ معصیت کوئی اپنا بتوں سے عشق
مدِ نظر ہے حسنِ خداداد کی طرف

گردوں سے چاہتے ہیں یہی ہم گناہگار
منہ سوے قبلہ، آنکھیں ہوں جلّاد کی طرف

طاقت ہے کس کی دیکھے جو رغبت کی آنکھ سے
اُس فتنہ و فساد کی بنیاد کی طرف

عاشق ہیں محوِ حسن، جو چاہو ستم کرو
کس کا خیال جاتا ہے بیداد کی طرف

بیت الحزن میں میرے وہ یوسف[۴] کرم کرے
شادی کا بھی گزر ہو غم آباد کی طرف

جوشِ جنوں ہے موسمِ گل کا ہے زور شور
سودائی کھنچے جاتے ہیں فصّاد کی طرف

دھوکا دیا ہے دام نے کس گل کی زلف کا
بلبل اشارے کرتے ہیں صیّاد کی طرف

شیریں بھی چاہتی جو اُسے پیر زن تو کیا
خسرو نہ دیکھ سکتا تھا فرہاد کی طرف

آتش یہ وہ زمیں ہے کہ جس میں شفیق من
سودا ہوا ہے میر سے اُستاد کی طرف

۲

[1]رجوع بندہ کی ہے اس طرح خدا کی طرف
پھرے ضمیر خبر جیسے مبتدا کی طرف

بعید کیا ہے مروت سے تیری اے شہ حسن!
نگاہ لطف سے دیکھے جو تو گدا کی طرف

کہاں وہ زلف، کہاں خون نافۂ آہو
جو مشک سمجھے ہیں وہ لوگ ہیں خطا کی طرف

اُلجھ کے شانے سے کھاتا ہے سیکڑوں جھٹکے
قصور ہے یہ ترے گیسوے رسا کی طرف

خدا نے دردِ محبّت عطا کیا ہے جسے
اُسے توجہ خاطر نہیں دوا کی طرف

مِلا جو تم نے لہو دست و پا میں عاشق کا
نہ ہوگا میل طبیعت کو پھر حنا کی طرف

کرے گا یار مری جنگِ غیر میں امداد
جو آشنا ہیں، وہ ہوتے ہیں آشنا کی طرف

فراقِ یار میں رہتا ہے یوں تصورِ گور
خیال جیسے مسافر کو ہے سرا کی طرف

نہ ہوگا ہم سفرِ روحِ پیکرِ خاکی
یہ سوے ارض رواں ہوگا، وہ سما کی طرف

بہت خراب رہا بت کدے میں اے **آتش**!
خدا پرست ہے، چل خانۂ خدا کی طرف

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۹۶، پر ہے "جیسے مسافر کا ہو"۔ نول کشور قدیم ص ۸۹، جدید ص ۱۴۲۔

۳

۱یہ دل ہے جیسے تمھارے خیال سے واقف
کہ چار خلط نہ تھے اعتدال سے واقف

کمال ہو جو ہو اپنے کمال سے واقف
کرے تو وجد جو ہو جائے حال سے واقف

خدا کرے نہ تمھیں میرے حال سے واقف
نہ ہو مزاجِ مبارک ملال سے واقف

نہیں جو روز و شب و ماہ و سال سے واقف
وہی ہے خوب زمانے کے حال سے واقف

نہ ہوں گی آنکھیں تمھارے جمال سے واقف
جلا کے طُور کرو گے جلال سے واقف

زباں سے کس کی مہِ چاردہ نہیں سنتے
زمانہ ہے ترے فضل و کمال سے واقف

خبر ہے کیا تجھے ان گیسوؤں کی مشّاطہ
ہنوز شانہ نہیں بالِ بال سے واقف

دعاے خیر یہی ہے مری حسینوں کو
نہ ہو کمال تمھارا زوال سے واقف

مراد پر نہیں آیا ہنوز حسنِ شباب
گل و ثمر نہیں اس نونہال سے واقف

فسانہ طورِ تجلی کا سن کے کان کھلے
نہ تھے کرشمۂ حسن و جمال سے واقف

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۷ ، نول کشور قدیم ص ۹۰ - جدید ص ۱۴۲ پر ہے : "طور کرے گی جلا" -

وہ کام کرتے ہیں جو دل اشارہ کرتا ہے
شگوں سے ہیں، نہ تو ہم گوش[1] فال سے واقف
کہا یہ اس نے نہ سودا کسی کو زلف کا ہو
ہوا جو مجھ سے پریشان حال سے واقف
فنا کے بعد کھلا دل کو عشق کا پردہ
تمام ہو کے ہوئے ہم کمال سے واقف
بہت سے لطف ترے چہرے میں ہیں ان میں سے
نگاہ اپنی بھی ہے خال خال سے واقف
شراب دے مجھے ساقی میں رند مشرب ہوں
فقیہ ہوں گے حرام و حلال سے واقف
کھلے گا ساقی و پیر مغاں کو حال اپنا
یہ مشت خاک بھی ہوگی کلال سے واقف
قلم نے چہرے[2] حسینوں کے لوح پر لکھ کر
کچہریوں کو کیا خط و خال سے واقف
پڑا ہے ابروے ساقی کا عکس ساغر میں
پڑھے وہ ہو جو دعاے ہلال سے واقف
چمن کی سیر کو وہ شوخ طبع آ نکلے
گلوں کے کان بھی ہوں گوشمال سے واقف
ہوا سے آئی ہے لہرا کے آنکھ پر وہ زلف
کمند مشکی ہوئی ہے غزال سے واقف

---

۱ - فال گوش : آدمیوں کی آوازوں سے فال لینا (بہار عجم)
۲ - چہرہ : سپاہی کا حلیہ ، یا کسی اور خاص ملازم یا مجرم کا حلیہ جس سے دفتر کو باخبر کیا جاتا ہے ۔

ازل سے محرمِ رازِ پری ہوں میں مجنوں
مرے فرشتے نہیں میرے حال سے واقف

بہار آئی ہے ، لطف و کرم نے ساقی کے
کیا ہے دُرد کشوں کو زلال سے واقف

نہ ہوتا تل ترے رخ پر، نہ اے صنم ہوتا
[1]ہلال کعبے سے ، کعبہ ہلال سے واقف

بہے بہے پھریں دریائے اشک میں افلاک
پُلوں کو کیجیے کشتی کی چال سے واقف

پری ہے ، حور ہے ، یا روح قصرِ جسم میں ہے
بشر ہوں ، میں نہیں پردے کے حال سے واقف

درِ کریم نہیں سیرگاہِ مغروران
نہ آئے یاں وہ نہ ہو جو سوال سے واقف

نہ چند روزِ جدائی بھی منقضی ہوں گے
کہاں فراق ، ہوئے جب وصال سے واقف

زہے وہ عہدِ جوانی ، زہے وہ دن کہ نہ تھے
یہ مُو خضاب سے ، دندان خلال سے واقف

رقیبِ مبتذل اس گل عذار کے ہوں گرد
یہ خار و خس نہیں آتش کے حال سے واقف

---

۱ - کلیات طبع علی بخش : "ہلال کعبے سے" - تصحیح از کلیات طبع نول کشور -

ردیف قاف

۱

[1]داغِ دل ، زخمِ جگر ہے ، نعمتِ الوانِ عشق
سیر اپنی جان سے ہو جاتے ہیں مہمانِ عشق

نعمتِ دنیا کو کر دیتا ہے تلخ اس کا مزا
شیرۂ جاں سے ہے شیریں حلوۂ دکانِ عشق

زلفِ لیلیٰ سے سوا ہر سطر سودا خیز ہے[2]
ہو گیا دیوانہ مجنوں پڑھتے ہی دیوانِ عشق

حق یہی مذہب ہے، باطل ہے جو ہے اس کے خلاف
مردِ مومن ہے وہی ، لایا ہے جو ایمانِ عشق

نام دو مشہور ہیں شہرِ حسیناں میں مرے
بندۂ احسانِ عشق و تابعِ فرمانِ عشق

ہو مبارک تم کو مصحف کی تلاوت زاہدو !
دو جہاں بھولے ہوئے ہیں حافظِ قرآنِ عشق

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۸، نول کشور قدیم ص ۹۰ ، جدید ص ۱۴۴ -

۲ - کلیات آتش طبع نول کشور : ''سودا خیز توہی'' - علی بخش کے نسخے میں ''سودا خیز ہے'' -

دل جگر داغوں سے ، دونوں ہیں دکاں صرّاف کی
کشورِ تن میں ہے جاری ، سکّہٗ سلطانِ عشق

تولتے ہیں موتیوں میں اشک حسنِ یار کو
دونوں آنکھیں اپنی ہیں دو پلّہٗ میزانِ عشق

سیر ہو جاتے ہیں ایسے ، بھوک پھر لگتی نہیں
زہر دیتا ہے نمک خواروں کو اپنے خوانِ عشق

ایک دن تیری کمر کا طوق ہوں گے ان کے ہاتھ
اے صنم ! تائیدِ غیبی رکھتے ہیں مردانِ عشق

ارغوانی اشک ہیں ، تو زعفرانی رنگ ہے
اپنے خاطر ہے مہیّا آج کل سامانِ عشق

قطع ہو جاتے ہیں دنیا کے تعلّق یک قلم
چھٹ گیا وہ ، ہو گیا جو قیدیِ زندانِ عشق

دو جہاں میں آتش اس سے کوئی شے بہتر نہیں
وصف جو کچھ کیجیے ، اعلیٰ ہے اس سے شانِ عشق

ردیف کاف تازی

۱

[1]کسی حسیں کی ہو کیا قدر یار کے نزدیک
وہ گل عذار ہے یکتا ہزار کے نزدیک

خدا نے کی ہے عطا، اس صنم کو دولتِ حسن
طلا و نقرہ ہیں کیا مال، یار کے نزدیک

قفس تک آئے جو لے کر چمن سے نکہتِ گل
یہ فاصلہ ہے نسیمِ بہار کے نزدیک

شراب پینے کی کرتی ہے فصلِ گل تکلیف
دن آتے ہیں بطِ مے کے شکار کے نزدیک

کرور کوس سے مے خانہ دور ہو ہرچند
کرم کرے تو ہے ابرِ بہار کے نزدیک

ہوا یہ دیدۂ بیدار سے مجھے روشن
ہمیشہ روز ہے، شب زندہ دار کے نزدیک

جو بس چلے تو کروں منفعل سرِ محفل
پری و حور کو بٹھلا کے یار کے نزدیک

بلا سے ایک اگر کشتہ ہو گیا مجھ سا
تری نمود تو قاتل ہے چار کے نزدیک

---

۱ -کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۹۸، نول کشور قدیم ص ۹۱،
جدید ص ۱۴۴ -

نہ ٹالیں آج کے وعدے کو کل کے اوپر آپ
یہ جبر ہے دلِ بے اختیار کے نزدیک

پس از فنا تری درگاہ کی جو مٹّی ہو
وہ خاکسار ہے ، مجھ خاکسار کے نزدیک

یہ عاشقی کی وہ منزل ہے ، راہ میں جس کی
پیادہ پائی ہے بہتر سوار کے نزدیک

طلسمِ تازہ دکھاتی ہے ہوشیاری بھی
جہانِ مردہ ہے شب زندہ دار کے نزدیک

وہ ردِ خلق ہوں ، غالب ہے بعدِ مردن بھی
بنے مزار نہ میرے مزار کے نزدیک

سمجھتے ہم کمرِ یار کو نہیں بے ہیچ
اگرچہ ہیچ ہو وہ روزگار کے نزدیک

وہ لوگ کرتے ہیں تعریفِ خلد منبر پر
گئے نہیں جو کبھی کوے یار کے نزدیک

سپر کی طرح چڑھے منہ وہ تیغ ابرو کے
سزا جو اپنی سمجھ لے کنار کے نزدیک

خلش کرے نہ مرے دل سے وہ مژہ کیونکر
شکستِ آبلہ ہے فتح خار کے نزدیک

عجیب شہرِ غم آباد ، عشق بھی ہے کوئی
خوشی پھٹکتی نہیں اس دیار کے نزدیک

ہزار پست کیا ہے فلک نے اے آتش
بلند قدر ہیں ہم ، اعتبار کے نزدیک

۲

۱ہر قبر پر اڑائے علی الاتصال خاک
سمجھے جو آدمی کہ ہے میرا مآل خاک

آنکھوں کا عاشقوں کی ، رہ یار میں ہے فرش
دامن پر اس کے اڑ کے پڑے کیا مجال خاک

چاہے فروغ آتش گل تو جو کچھ دنوں
اے عندلیب ! دیدۂ گلچیں میں ڈال خاک

تاحال وہ غبار دل یار ہے سو ہے
خاطر سے اپنی دور ہو گرد ملال خاک

روشن ہے جس سے منزل دل تُو وہ شمع ہے
دم سے ہے تیرے مظہر حسن و جمال خاک

نقش قدم کو تاج سر اس کا ہوں دیکھتا
افتادگی میں رکھتی ہے میرا سا حال خاک

سودا رہے گا سر کو بہت روے یار کا
مدت کے بعد ہوتے ہیں مٹی میں بال خاک

اس سیم بر کا جب سے زمیں پر پڑا ہے پاؤں
آنکھوں میں نیاریوں کے ہے اُس دن سے مال خاک

پیدا کرے گا خُم سے زیادہ پیالہ ظرف
مجھ مست کی ملے جو تجھے اے کلال خاک

اس روے آتشیں کی ہوا میں یہ رنگ ہے
گاہے عبیر بنتی ہے ، گاہے گلال خاک

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۹ ، نول کشور قدیم ص ۹۱ ، جدید ص ۱۴۵ -

غنچہ نہ ہو شگفتہ ، نہ چھڑکیں جو باغباں
تیرے قدم کے نیچے کی اے نونہال ! خاک
صورت بگڑتی بنتی ہے ، اے ماہ چاردہ !
بہروپیوں کا رکھتی ہے آتش کہاں خاک

۳

[1]بہار میں جو ہوا ہے مرا گریباں چاک
ہوئے ہیں لالہ و گل کی طرح سے خنداں چاک
صدا یہ غنچۂ دل کے ہے کھلنے سے آتی
کرے جو تنگ گریباں، ہے اس کے شایاں چاک
بنائے ساغرِ مے جو کمھار تیرے لیے
پیالے ہوں مہ و خورشید و چرخِ گرداں چاک
کھلے چمن میں جو گیندے کے پھول تو یہ کھلا
کیے بہار نے ظاہر ، خزاں کے پنہاں چاک
نکل کے تن سے دکھا دے گی اپنے جوہر روح
کھلے گا مطلبِ خط ، جب کہ ہوگا عنواں چاک
جنوں کا جوش اتارے گا پھاڑ کر کپڑے
بہار میں بدن اپنا کریں گے عریاں چاک
کروں گا زلف کے سودے میں تار تار ایسا
دکھائی دیں گے مری جیب کے پریشاں چاک
سلاؤں پیرہنِ گل سے کیا لباس اپنا
ہوا نہیں ابھی دستِ جنوں سے چنداں چاک

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۹۹ ، نول کشور قدیم ص ۹۲ ، جدید ص ۱۴۶ ۔

دکھائے عالمِ صبحِ بہار اگر دکھوائے
نقاب میں وہ رخِ غیرتِ گلستاں چاک

کیا ہے عشق نے اک مہروش کا دیوانہ
سحر کی طرح سے رہتا ہوں میں گریباں چاک

یقیں ہوا ہمیں سودا ہوا زلیخا کو
کیا جو کھینچ کے یوسف کا اس نے داماں چاک

اثر جنون کا رکھتی ہے دل کی بے تابی
قبائے صبر کو کرتا ہے آتش انساں چاک

ردیف کاف فارسی

۱

لاتی ہے ہر نگہ میں نیا چشم یار رنگ[1]
دکھلا رہی ہے گردش لیل و نہار رنگ

مستی عشق کیف مئے لالہ گوں نہیں
اس رنگ پر جما نہیں سکتا خمار رنگ

ہر ایک صفحہ ہے مرے ایوان کا اک چمن
مسطر وہ دام ہے کہ ہے جس کا شکار رنگ

گل ہائے باغ ہوتے ہیں تیرے حضور زرد
اڑتا ہے تجھ کو دیکھ کے بے اختیار رنگ

گلشن خراش[2] ناخن غم سے بنے گا رخ
اے دل! دکھائے گا یہ ترا خار خار رنگ

چہرہ مرا طلسم ہے حکمت سے عشق کی
اک حال پر کبھی نہیں پاتا قرار رنگ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۰، نول کشور قدیم ص ۹۲، جدید ص ۱۳۶، بہارستان سخن ص ۱۱۹ -
۲ - طبع نول کشور ۱۹۲۹ع "گلشن چراغ ناخن غم سے" لیکن طبع علی بخش میں "خراش" ہے اور یہی صحیح ہے -

بعد فنا سمائیں گے ہم چشمِ یار میں
پیداً کرے گا سُرمیٔ اپنا غبار رنگ

رخسارِ زرد پر مرے بہتے ہیں اشکِ خوں
یک جاً دکھا رہی ہے خزان و بہار رنگ

خوں میں نہا نہا کے شہیدوں کے لائے گا
نقرا ترا کمیت کا اے شہسوار رنگ

بھڑکا رہی ہے آتشِ فرقت ہوائے وصل
سیماب کی طرح سے ہے کرتا فرار رنگ

نیرنگیِ فنا ہے لگی اُس کی فکر میں
ہستیِ مستعار ہے بے اعتبار رنگ

مضموں بندھے ہیں بوقلموں روئے یار کے
رنگ‌ریز بن کے فکر رنگے گی ہزار رنگ

بلبل کی طرح ہم کو بھی ہوتا چمن سے عشق
آتش جو چار فصل میں ہوتے نہ چار رنگ

۲

نہ کر زیادہ بس اب اے فراقِ جاناں تنگ
گلے کو کاٹتا ہے اپنے ہو کے انساں تنگ

طلسمِ تازہ دکھاتا ہے دیدۂ دل کو
کشادہ چہرے کے اوپر دہانِ جاناں تنگ

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۰ ، نول کشور قدیم ص ۲؟ ، جدید ص ۱۴۷ -

رہے نہ لالہ و گل سے کوئی جگہ خالی
بہارِ باغ سے ہو عرصۂ گلستاں تنگ

پنہائی زخموں کی بندھی جو تیغ نے تیری
خوشی سے ہو گئے پیراہنِ شہیداں تنگ

نصیب شانے کے پیدا کرے دلِ صد چاک
بغل میں لیں اسے وہ گیسوے پریشاں تنگ

وہ دل ہے جس میں تصوّر ہو خوش جمالوں کا
وہ گھر ہے جس کو کہ رکھے ہجومِ مہماں تنگ

نکل کے خانۂ زنداں سے میں کدھر جاؤں ؟
جنوں کے جوش میں ہے دو جہاں کا میداں تنگ

یہ گوش ہی ہیں کہ باتیں زباں کی سنتے ہیں
نکل گئے ہیں دہن میں سے ہو کے دنداں تنگ

بہارِ گل میں جو دل کو ہوائے صحرا ہے
ہوا ہے روح کو قالب سے اپنے زنداں تنگ

شکار مومن و کافر کا کھیلتا ہے وہ تُرک
کمندِ زلف سے ہیں ہندو و مسلماں تنگ

نقاب رخ سے جو دن کو وہ شمع رُو اُلٹے
یقیں ہے کثرتِ پروانہ سے ہو ایواں تنگ

بہارِ گل میں جو میں دھجّیاں نہ لوں اس کی
گلا دبانے کو پھانسی سے ہو گریباں تنگ

نہ کیجیو سرِ آتش پہ اپنا سایہ ہما !
فقیر کے ہے بدن پر قبائے سلطاں تنگ

۳

^1^ایک سے ایک ہے تماشا رنگ
دیدنی ہے جہانِ رنگا رنگ

سامنے تیرے روے رنگیں کے
لالہ و گل نے بھی نہ پکڑا رنگ،

آنکھیں ہیں اور زلفِ یار کا دھیان
کچھ نہ کچھ لائے گا یہ سودا رنگ

تم جو خم خانے میں نہیں آئے
مئے گل رنگ کا ہے پتلا رنگ

زلف و رخ سے ترے کھلا کہ نہیں
ایسا کالا نہ ایسا گورا رنگ

مست تیرے نہ لیں جو نذر بھی دے
مئے سرخ آسمانِ مینا رنگ

حسن نے گیسوؤں کو تیرے دیا
مشک کی بُو کے ساتھ کالا رنگ

فکرِ رنگیں نے تیری اے آتش
کیسے کیسے کیے ہیں پیدا رنگ

---

۱ ۔ کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۶۰ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۷ ، جدید ص ۳۷۴ ، چمن بے نظیر ص ۱۲۷ ۔

ردیف لام

۱

مومن کا مددگار ہے شاہِ نجف اے دل!
حامی ہے ترا شیرِ خدا، لا تخف اے دل!

بت توڑنے کو دوشِ نبیؐ پر وہ چڑھا ہے
کعبے کو تولد سے ہے اس کے شرف، اے دل!

بے واسطہ ہے احمدِ مرسلؐ کا خلیفہ
دنیا کے طلب گار کریں حق تلف اے دل!

معصوم ہے عیبوں سے زمانے کے بری ہے
وہ لالۂ بے داغ و مہ بے کلف اے دل!

خاکِ نجف اکسیر ہے مومن کی نظر میں
شفّاف ہے الماس سے دُرِ نجف اے دل!

حاصل اسے تو قلزمِ قدرت کا سمجھ لے
گوہر ہے علیؑ کون و مکاں ہے صدف، اے دل!

آئینۂ تحقیق کا رہتا ہے مشاہد
حق اُس کی طرف ہے وہ ہے جس کی طرف اے دل!

لاریب اماموں میں سرآمد وہ ولی ہے
سمجھے نہ مقدّم یہ جماعت کی صف، اے دل!

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۱، نول کشور قدیم ص ۹۳، جدید ص ۱۴۸، سراپا سخن ص ۲۷۵ -

مدحِ اسد اللہ[۴] میں تقریر نہ ہو بند
دریا کی طرح تاکہ نہ آ جائے کف اے دل!
دشمن ہو جو ایسے کا، کہے رکھتا ہے آتش
شیطان کے نطفے سے ہے وہ ناخلف، اے دل!

۲

[۱]عمرِ دو روزہ ہی میں ہزاروں نہ کھائے گل
بعدِ فنا بھی خاک نے میری کھلائے گل
سیرِ چمن نے اور بھی دل کو کیا اُداس
بے یار شور زاغ ہوئے خندہ ہائے گل
میرے ہی داغِ دل کی نہ تدبیر کر سکا
ورنہ اس آسماں نے نہ کیا کیا مٹائے گل
سنتا ہے کون نالہ و فریادِ عندلیب
مدہوش ہے چمن میں پیالہ چڑھائے گل
وعدہ وصال کا ہے اندھیرے میں گور کے
شمعِ حیات جلد کہیں ہو بھی جائے گل
چھڑکی ہے باغباں نے مگر خاک پائے یار
رکھتی ہے روے حور کا عالم صفائے گل
بے وجہ یہ جگر میں نہیں اس کے چار داغ
دل پر ہیں تیری کفش کے لالے نے کھائے گل
رفعِ حجابِ یار کیا آہِ سرد نے
کھولے نسیمِ صبح نے بندِ قبائے گل

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۱، نول کشور قدیم ص ۹۳، جدید ص ۱۴۸ -

ملتا ہے کس طرح لب نان فقیر کو
آکر تنور چرخ سے ہم نے تو کھائے گل

صیّاد نالہ سن کے جو رویا تو لطف کیا
کنج قفس میں باغ سے اڑ اڑ کے آئے گل

واں لب ملے رقیب سے ، یں دم نکل گیا
مقراض تار عمر ہوئے برگ ہائے گل

اے عندلیب ! تجھ کو مبارک ترا چمن
کس کے مزاج سے ہے موافق ہوائے گل

آتش بقول مصرع سودا غرض نہیں
یک دست اگر زمانہ جہاں کے لٹائے گل

۳

[1]درد دل کا جو کہا میں نے فسانہ شب وصل
نیند آنے کا ہوا اس کو بہانہ شب وصل

نہیں کوتاہ کسی حال میں ہمّت میری
خشک ہو ہاتھ تو ہو زلف کا شانہ شب وصل

حسرت جلوۂ دیدار بہت ہے مجھ کو
چاہیے میرے لیے آئنہ خانہ شب وصل

صبح ہوتے ہوئے اس بت نے قدم رنجہ کیا
نہ رہا شکر و شکایت کا زمانہ شب وصل

میں نے صندل کی طرح ماتھے کو رگڑا تا صبح
درد سر کا جو کیا اس نے بہانہ شب وصل

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۱ ، نول کشور قدیم ص ۹۳ ، جدید ص ۱۴۹ -

مرتے ہیں رشک کے مارے پسِ دیوار رقیب
شور کرتا ہے جو پازیب کا دانہ شبِ وصل

یار کیا مجھ کو ملا ، دولتِ پاینده ملی
ہاتھ آیا مرے قاروں کا خزانہ شبِ وصل

چاندنی آئنے میں میں نے اسے دکھلائی
سیرِ دریا کا جو لایا وہ بہانہ شبِ وصل

خط سے پیغامِ زبانی نے ترقی کی ہے
آج کل تیرِ دعا کا ہے نشانہ شبِ وصل

دونوں مہمان دمِ چند ہیں ، دیکھوں پہلے
جان جاتی ہے کہ ہوتی ہے روانہ شبِ وصل

عاشقوں کی کششِ دل ہے کہ لائی ہے اسے
چاہتا ورنہ خدا سے ہے زمانہ شبِ وصل

آتش اس گل کو ہے لے جا کے چمن میں رکھنا
ہو مبارک تجھے بلبل کا ترانہ شبِ وصل

۴

'وہم ہے یار کا آغوش میں آنا شبِ وصل
پیرہن میں مجھے مشکل ہے سمانا شبِ وصل

سجدۂ شکر خدایا میں کیسے رکھتا ہوں
پاؤں پر یار کے سر کو ہے جھکانا شبِ وصل

جس قدر سوئے ، غنیمت میں سمجھتا ہوں اسے
بختِ خفتہ کو ہے تا صبح جگانا شبِ وصل

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۲ ، نول کشور قدیم ص ۹۴ ، جدید ص ۱۴۹ -

وقت کو ہاتھ سے کھونا ہے غضب غفلت میں
موت سے کم نہیں کچھ نیند کا آنا شبِ وصل
عشق ہے آنکھوں کو تلووں سے مجھے ملنے کا
پائنتی یار کی ہے میرا سرھانا شبِ وصل
رخصتِ یار کے اوپر میں گلا کاٹوں گا
آبِ شمشیر سے ہے مجھ کو نہانا شبِ وصل
یار وحشی کو یہ لائی ہے بغل میں آتش
دام عنقا ہے جسے کہتے ہیں دانا شبِ وصل

۵

[۱]ملک الموت سے کچھ کم نہیں خوں خوار کی شکل
مر گیا ، جس کو نظر آئی مرے یار کی شکل
دردِ دل پوچھنے والا کوئی میرا نہ رہا
ہو گئی صورتِ عنقا مرے غم خوار کی شکل
باغباں آنے دے صیّاد کو ، آزردہ نہ ہو
نظر آوے گی نہ پھر بلبلِ گلزار کی شکل
آنکھ بجلی کے چمکنے سے جھپک جاتی ہے
دیکھیں ہم بھی تو ترے طالبِ دیدار کی شکل
یار نے عاشقِ رنجور کو کب پہچانا
ناتوانی سے بدل جاتی ہے بیمار کی شکل
ڈھونڈھ لے اور مجرّد کوئی زالِ دنیا
میری پاپوش کے قابل نہیں مردار کی شکل

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۲ ، نول کشور قدیم ص ۹۴ ، جدید ص ۱۵۰ -

دل کے گاہک تو ہزاروں ہی پری رُو دیکھے
دیکھیے جانِ حزیں کے بھی خریدار کی شکل

زرد ہوتا تھا مرے سامنے روے رستم
اب ڈراتی ہے مجھے مردۂ بیمار کی شکل

یار نے غیر کے بدلے جو دیا مجھ کو جواب
پھر گئی آنکھوں میں دشمن کے طرف دار کی شکل

یار جو ناز کرے سبزۂ خط پر کم ہے
کچھ کی کچھ ہو گئی اس آئنہ رخسار کی شکل

کوچۂ یار میں کرتے ہیں اندھیرے میں جو غل
خوب پہچانی ہوئی ہے مری دوچار کی شکل

ہو گئیں چار نگاہیں جو دمِ قتل آتش
آنکھیں جلّاد کی ڈھونڈھیں گی گنہگار کی شکل

۶

[1]کانوں میں ترے دیکھ کے سونے کے کرن پھول
اے سروِ رواں! بھول گئے مرغِ چمن پھول

پیدا کرے سو رنگ کے گو خاکِ چمن پھول
ممکن نہیں رخ سا ترے اے غنچہ دہن پھول

ساقی! یہ بہارِ چمنستاں ہے دو ہفتہ
پانی بھی جو مانگوں تو پلا مشفقِ من پھول

دم[2] سادگیِ یار کے اوپر ہے نکلتا
جھمکا ہے نہ مدّ نظر اپنا، نہ کرن پھول

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۶۱، نول کشور قدیم ص ۲۳۷، جدید ص ۳۷۵، چمن بے نظیر ص ۱۳۰ -

۲ - نول کشوری نسخوں میں "دل سادگی یار" ہے - متن نسخۂ علی بخش اور چمن بے نظیر کے مطابق ہے -

زلفوں کی لٹک دیکھ کے سودائی ہو سنبل
نازک بدنی پر تری گل کھائے سمن پھول

سنتے ہیں جو شہرت تری ناوک فگنی کی
ہوتی ہے خوشی ایسی کہ جاتے ہیں ہرن پھول

دکھلائے گی کیا شامِ غریباں کے شگوفے
ہرچند کہ غنچوں کو کرے صبحِ وطن پھول

عشرت کدۂ عاشق و معشوق نہیں باغ
دولھا بنی بلبل نہ تو اک شب ، نہ دلھن پھول

تلووں کے تلے رکھ کے ملے یار نے سمجھا
سونگھے ہوئے بلبل کے جو وہ غنچہ دہن پھول

بلبل سے جو کی ہے کبھی اس شوخ نے گرمی
جھنکوائے گئے بھاڑ میں ہیں سیکڑوں من پھول

بے فائدہ قمری کا ہے یہ دردِ سرِ عشق
پھل ہی نہ تو رکھتے ہیں ، نہ کچھ سروِ چمن پھول

جو دیکھے بہارِ چمنستاں کو وہ رو دے
ٹھیک آئیں تو پہنیں ترے کشتوں کے کفن پھول

آنکھوں کو نہ دکھلائیں ترے غصّے کی صورت
صاف اپنی جبیں پر کی کریں چین و شکن پھول

بے وجہ یہ انکار ہم آغوشی کا کیسا
کانٹا نہ تن اپنا ہے ، نہ ان کا ہے بدن پھول

قرآں کے عوض چل کے پڑھو مطلعِ رنگیں
آتش سے سخن گو کے ہیں اے اہلِ سخن پھول

۷

محبّت کوڑیوں کے ہو اگر مول[1]
بنی آدم نہ لے یہ دردِ سر مول
پسندِ دل ہوا ہے حسنِ صورت
فلک بیچے تو لیں شمس و قمر مول
تری زلفوں سا کالا ہو تو کم ہے
اگر ہو اژدہے کا گنجِ زر مول
ہوا صف بندیِ مژگاں سے ظاہر
لڑائی لیں وہ آنکھیں ڈھونڈھ کر مول
لب و دنداں تمھارے بے بہا ہیں
نہیں رکھتے ہیں یہ لعل و گہر مول
وہ سودا ہے تری زلفوں کا جس کو
سپاہی لیتے ہیں سر بیچ کر مول
بہادر تیغ چہرے پر ہیں کھاتے
کرے کالا جو منہ، وہ لے سپر مول
اٹھائی آنکھ تم نے، مر گئے ہم
ہماری جان کی تھی اک نظر مول
ملیں گی گالیاں قیمت کے بدلے
نہ دے گا لے کے دل وہ مفت بر مول
لبِ شیریں سا اک میٹھا نہ نکلا
لیے ہم نے ہزاروں نیشکر مول

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۱، نول کشور قدیم ص ۲۲۸، جدید ص ۳۷۶۔

عجب دولت ہے یہ احسان ، اس سے
بشر کو بھی ہے لے لیتا بشر مول
سنگھا زلفوں کو پیچھے پہلے لے لے
جو کچھ ہو مشک کا اے سیم بر مول
عوض میں دل کے بوسہ دے کے ہم کو
خدا کا لے لیا اس بت نے گھر مول
یہ حسنِ یار نے قیمت بڑھائی
نہ تھا یوسف[۴] کا ورنہ اس قدر مول
بھروسا زندگانی کا نہیں کچھ
کفن لے رکھیے اے آتش بشر مول

۸

[۱]درگاہ میں کریم کے ہے التجا قبول
دستِ دعا بلند تو کر ، ہے دعا قبول
باندھے گرہ میں اپنے مرے دل کو زلفِ یار
حاضر یہ گنج ہے جو کرے اژدہا قبول
شب کو کہا جو آؤ ، تو بولا وہ مہروش
ہوتی نہیں محال طلب کی دعا قبول
داغِ فراق دے کے نہ جا قبل صبح کے
سب کچھ قبول ہے ، یہ نہیں مہ لقا قبول
یہ وقت لہو و لعب میں کھو دے نہ آدمی
کرتا ہے بندگی کو جو ان کی خدا قبول

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۲ ، نول کشور قدیم صہ ۲۳۸ ، جدید ص ۳۷۶ ۔

ایسا اثر زباں میں مری اے کریم! دے
جو کچھ کہوں، کہے وہ مرا دل ربا "قبول"

وہ لوگ ہیں جو دردِ محبّت سے آشنا
کرتی نہیں ہے اُن کی طبیعت دوا قبول

عالم سے کچھ غرض نہیں اے جانِ جاں! ہمیں
دل کو نہیں ہے کوئی تمھارے سوا قبول

کہنے کو میرے یار جو مانے تو کیا عجب
کرتے ہیں آشنا سخنِ آشنا قبول

———

ردیف میم

۱

[1]آئنہ خانہ کریں گے دلِ ناکام کو ہم
پھیریں گے اپنی طرف روے دل آرام کو ہم

شام سے صبح تلک دورِ شراب آخر ہے
روتے ہیں دیکھ کے خنداں دہنِ جام کو ہم

یاد رکھنے کی جگہ ہے یہ طلسمِ حیرت
صبح کو دیکھتے ہی بھول گئے شام کو ہم

آنکھ وہ فتنۂ دوراں کسے دکھلاتا ہے
شعبدہ جانتے ہیں گردشِ ایّام کو ہم

فتنہ انگیزی بھی چھپتی ہے کہیں پردے میں
سنتے ہیں گبر و مسلماں سے ترے نام کو ہم

خونِ قاصد تو وہ سفّاک سمجھتا ہے حلال
کسی غمّاز سے بھجوائیں گے پیغام کو ہم

پاؤں پکڑے ہیں زمیں نے یہ ترے کوچے کی
رہِ صد سالہ سمجھتے ہیں اب اک گام کو ہم

دیدۂ یار کہیں کیا اسے کیفِ مے میں
بھون کر روز گزک کرتے ہیں بادام کو ہم

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۱۵۲ ، نول کشور قدیم ص ۹۴ ، جدید ص ۱۵۰ -

سبزۂ خط سے ہوئی اس کی کدورت دہ چند
اب صفائی کے لیے ڈھونڈھیں گے حجام کو ہم

وہی تحصیل محبّت کا ہے عالم تا حال
پختہ کرتے ہیں ہنوز آرزوے خام کو ہم

لطف حاصل ہو جو زلفوں میں گرفتاری کا
مول لیں دل کی اسیری کے لیے دام کو ہم

کوچۂ یار میں اپنا جو گزر ہوتا ہے
نگراں رہتے ہیں حسرت سے در و بام کو ہم

حسن سے عشق کی خاطر ہے خدا نے بھیجا
کرتے ہیں آتش اسے آئے ہیں جس کام کو ہم

۲

[1]غیرتِ مہر، رشک ماہ ہو تم
خوب صورت ہو، بادشاہ ہو تم

جس نے دیکھا تمھیں، وہ مر ہی گیا
حسن سے تیغِ بے پناہ ہو تم

کیونکر آنکھیں نہ ہم کو دکھلاؤ
کیسے خوش چشم، خوش نگاہ ہو تم

حسن میں آپ کے ہے شانِ خدا
عشق بازوں کے سجدہ گاہ ہو تم

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۳، نول کشور قدیم ص ۹۵، جدید ص ۱۵۱ -

ہر لباس آپ کو ہے زیبندہ
جامہ زیبوں کے بادشاہ ہو تم

فوق ہے سارے خوش جمالوں پر
وہ ستارے جو ہیں تو ماہ ہو تم

ہم سے پردہ وہی حجاب کا ہے
کوچہ گردوں سے رو براہ ہو تم

کیوں محبّت بڑھائی تھی تم سے
ہم گنہ گار ، بے گناہ ہو تم

جو کہ حقِّ وفا بجا لائے
شاہد اللہ ہے ، گواہ ہو تم

ہے تمھارا خیال پیشِ نظر
جس طرف جائیں سدِّ راہ ہو تم

دونوں بندے اسی کے ہیں آتش
خواہ ہم اس میں ہوویں ، خواہ ہو تم

۳

[1]وحشی تھے بوے گل کی طرح سے جہاں میں ہم
نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم

ساکن ہیں جوشِ اشک سے آبِ رواں میں ہم
رہتے ہیں مثلِ مردمِ آبی جہاں میں ہم

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۳ ، نول کشور قدیم ص ۹۵ ، جدید ص ۱۵۱ -

شیدائے روئے گل، نہ تو شیدائے قدِّ سرو
صیّاد کے شکار ہیں اس بوستاں میں ہم

نکلی لبوں سے آہ کہ گردوں نشانہ تھا
گویا کہ تیر جوڑے ہوئے تھے کماں میں ہم

آلودۂ گناہ ہے اپنا ریاض بھی
شب کاٹتے ہیں جاگ کے مغ کی دکاں میں ہم

ہمّت پس از فنا سببِ ذکرِ خیر ہے
مردوں کا نام سنتے ہیں ہر داستاں میں ہم

ساقی ہے، یارِ ماہ لقا ہے، شراب ہے
اب بادشاہِ وقت ہیں، اپنے مکاں میں ہم

نیرنگِ روزگار سے ایمن ہیں شکلِ سرو
رکھتے ہیں ایک حال، بہار و خزاں میں ہم

دنیا و آخرت میں طلب گار ہیں ترے
حاصل تجھے سمجھتے ہیں دونوں جہاں میں ہم

پیدا ہوا ہے اپنے لیے بوریائے فقر
یہ نیستاں ہیں، شیر ہیں اس نیستاں میں ہم

خواہاں کوئی نہیں تو کچھ اس کا عجب نہیں
جنسِ گراں بہا ہیں، فلک کی دکاں میں ہم

لکھا ہے کس کے خنجرِ مژگاں کا اس نے وصف
اک زخم دیکھتے ہیں قلم کی زباں میں ہم

کیا حال ہے کسی نے نہ پوچھا، ہزار حیف
نالاں رہے جرس کی طرح کارواں میں ہم

آیا ہے یار فاتحہ پڑھنے کو قبر پر
بیدار بختِ خفتہ ہے ، خوابِ گراں میں ہم

شاگرد طرزِ خندہ زنی میں ہے گل ترا
اُستادِ عندلیب ہیں ، شور و فغاں میں ہم

باغِ جہاں کو یاد کریں گے عدم میں کیا
کنجِ قفس سے تنگ رہے آشیاں میں ہم

اللہ ری بے قراری دل ہجر یار میں
گاہے زمیں میں تھے تو گہے آسماں میں ہم

دروازہ بند رکھتے ہیں مثلِ حبابِ بحر
قفلِ درونِ خانہ ہیں ، اپنے مکاں میں ہم

آتش سخن کی قدر زمانے سے اٹھ گئی
مقدور ہو تو قفل لگا دیں دہاں میں ہم

۴

[1]آخرِ کار چلے تیر کی رفتار قدم
غیر منزل نہ پڑے راہ میں زنہار قدم

اٹھ گئے وصل کی شب پیشتر از یار قدم
آگے ہم عمرِ رواں سے بھی چلے چار قدم

کوے مقصود سے یوں رکھتی ہے غفلت مجھے دور
جیسے سو جانے سے ہو جاتے ہیں بیکار قدم

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۴ ، نول کشور قدیم ص ۹۶ ، جدید ص ۱۵۲ -

اہلِ عالم میں ہوں میں زندوں میں مردوں کی طرح
بڑھ چلیں لاکھ مگر ساتھ ہیں دو چار قدم

ایک مدت سے رہِ کعبہ میں آوارہ ہیں
کیا خدا کا مجھے دکھلائیں گے دیدار قدم

جوشِ وحشت میں بھی میں چڑھ کے نہ اس پر دوڑا
لے گئے حسرتِ خار سر دیوار قدم

صورتِ برگِ خزاں جھڑتے ہیں ہر گام گناہ
جب اٹھاتے ہیں تری راہ میں زوّار قدم

اے جنوں! کوہ و بیابان بھی دکھلا مجھ کو
رہیں پستی و بلندی سے خبردار قدم

کوچہ گردی یہ شب و روز کی بے وجہ نہیں
ایڑیاں رگڑیں گے کس کے پسِ دیوار قدم

جادۂ راہِ محبت کو خطِ مسطر جان
سر کے بل مثلِ قدم چل جو ہوں بیکار قدم

خاک بھی ہوں تو ہوں میں خاکِ درِ اس کا آتش
جس کے تھے دوشِ پیمبرؐ کے سزاوار قدم

۵

میل کی طرح سے ہلتے نہیں زنہار قدم
بھول جاتے ہیں رہِ عشق میں رفتار قدم

۱- کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۵، نول کشور قدیم ص ۹۷، جدید ص ۱۵۴۔

جوشِ وحشت میں جو ہوں مائلِ رفتار قدم
شہر ہستی سے ہے صحرائے عدم چار قدم
بختِ خفتہ کو جگا دیں جو یہ پشتِ پا سے
ایسے رکھتے ہیں کہاں طالعِ بیدار قدم
عرصۂ جنگ سے خوں ریز زمیں ہے یاں کی
بیشۂ عشق میں مردوں کی طرح چار قدم
جوشِ وحشت میں نہ زنجیر کو توڑا اک دن
گور میں جائیں گے ان ہاتھوں سے بیزار قدم
چال وہ چل کہ ہو جاں سے دلِ عالم کو عزیز
آنکھوں پر رکھے ترے کافرِ دیں دار قدم
ہاتھ بندھوائیں نہ مجھ سے یہ حضورِ دربان
یار کے گھر میں چلیں پھاند کے دیوار ، قدم
چاہیے عاشقِ شیدا کو لحاظِ معشوق
شاخِ گل پر نہ رکھے بلبلِ گلزار قدم
کوچۂ زلف کے سودے سے گل آخر پھولا
ہوئے زنجیر کے پھندے میں گرفتار قدم
دوڑتے دوڑتے کس دن نہیں عاشق مرتے
جانتا ہی نہیں اس ترک کا رہوار قدم
سبقت اس ابرو کو جنبش میں ہے ان مژگاں سے
تیر سے چلتی ہے آگے یہ کہاں چار قدم
بیڑیاں ان کو جو پہنائیں قصور ان کا کیا
میں گنہگارِ جنوں ہوں کہ گنہگار قدم
ثابتِ معرکۂ عشق بتایا ہے مجھے
کوچے کاٹوں جو ہوں لغزش کے سزاوار قدم

حیف ہے راہِ خدا میں نہ ہو ان سے کوشش
دستِ قدرت نے بنائے نہیں بیکار قدم
عاشقوں سے جو مسیحا اسے سن پایا ہے
چومنے آتے ہیں ہر صبح کو بیمار قدم
یہ صدا آتی ہے زنجیر سے مجھ مجنوں کی
آج مجبور ہیں وہ ، کل جو تھے مختار قدم
آبِ رحمت کرے گا آن کے آتش چھڑکاؤ
خاک پر رکھیں گے مجھ رند کی ابرار قدم

٦

اچمن میں رہنے دے کون آشیاں ، نہیں معلوم
نہال کس کو کرے باغباں ، نہیں معلوم
مرے صنم کا کسی کو مکاں نہیں معلوم
خدا کا نام سنا ہے ، نشاں نہیں معلوم
اخیر ہو گئے غفلت میں دن جوانی کے
بہارِ عمر ہوئی کب خزاں ، نہیں معلوم
یہ اشتیاقِ شہادت میں محو تھا دمِ قتل
لگے ہیں زخم بدن پر کہاں ، نہیں معلوم
سنا جو ذکرِ الٰہی تو اس صنم نے کہا
عیاں کو جانتے ہیں ہم نہاں نہیں معلوم
کیا ہے کس نے طریقِ سلوک سے آگاہ
مرید کس کا ہے پیرِ مغاں ، نہیں معلوم

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۱۰۵ ، نول کشور قدیم ص ۹۷ ، جدید ص ۱۵۴ -

مری طرح تو نہیں اس کو عشق کا آزار
یہ زرد رہتی ہے کیوں زعفراں ، نہیں معلوم
جہان و کارِ جہاں سے ہوں بے خبر میں مست
زمیں کدھر ہے ، کہاں آسماں ، نہیں معلوم
سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق
اٹھائے کون یہ بارِ گراں ، نہیں معلوم
خموش ایسا ہوا ہوں میں کم دماغی سے
دہن میں ہے کہ نہیں ہے زباں ، نہیں معلوم
مری تمھاری محبّت ہے شہرۂ آفاق
کسے حقیقتِ ماہ و کتاں نہیں معلوم
کس آئنے میں نہیں جلوہ‌گر تری تمثال
تجھے سمجھتے ہیں ہم ، این و آں نہیں معلوم
ملا تھا خضر کو کس طرح چشمۂ حیواں
ہمیں تو یار کا اپنے دہاں نہیں معلوم
کھلی ہے خانۂ صیّاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں ، آشیاں نہیں معلوم
طریقِ عشق میں دیوانہ وار پھرتا ہوں
خبر گڑھے کی نہیں ہے ، کنواں نہیں معلوم
جو ہو تو شوق ہی ہو کوے یار کا ہادی
کسی کو ورنہ سبیلِ جناں نہیں معلوم
دہن میں آپ کے البتہ ہم کو حجّت ہے
کمر کا بھید جو پوچھوں میاں نہیں معلوم
نسیمِ صبح نے کیسا یہ اس کو بھڑکایا
ہنوز آتشِ گل کا دھواں نہیں معلوم

سنیں گے واقعہ اس کا زبانِ سوسن سے
شہید کس کا ہے یہ ارغواں ، نہیں معلوم
کنارِ آب چلے ، دورِ جام یا لبِ کشت
شکار ہووے بطِ مے کہاں ، نہیں معلوم
رسائی جس کی نہیں ، اے صنم درِ دل تک
یقیں ہے اُس کو ترا آستاں نہیں معلوم
عجب نہیں ہے جو اہلِ سخن ہوں گوشہ نشیں
کسی دہن میں زباں کا مکاں نہیں معلوم
چھٹیں گے زیست کے پھندے سے کس دن اے آتش
جنازہ ہوگا کب اپنا رواں ، نہیں معلوم

۷

اُڈھلتی[1] ہے عاشقانہ ہماری غزل تمام
چھانے ہوئے ہیں کوے فرنگی محل تمام
وہ پھول کون سا ہے کہ سونگھا نہیں جسے
چکھے ہوئے ہیں باغِ جہاں کے یہ پھل تمام
زیبِ کنار عطر وہ مل کر ہوئے تھے شب
اب تک مہک رہی ہے ہماری بغل تمام
دل کی کشش کا ایک بھی رکھتا نہیں اثر
اپنے کیے ہوئے ہیں یہ حُب کے عمل تمام
اہلِ جہاں برادرِ مومن بنیں ہزار
یوسفؑ کے واسطے ہیں یہ گرگِ بغل تمام

---

۱ - کلیات دیوان دوم طبع علی بخش ص ۲۶۲ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۸ ،جدید ص ۳۷۷ -

ڈھونڈھا ہے جس جگہ وہیں پایا ہے آپ کو
اِس شش جہت میں ہیں یہ تمھارے محل تمام

مضمونِ بستہ آئیں سراپاے یار کے
ہو جائے اس علاقے میں اپنا عمل تمام

داغوں سے بھر چکا نہیں سینہ مرا ہنوز
روشن نہیں ہوئے ہیں ابھی یہ کنول تمام

ایذاے ہجرِ یار سے اتنی ہے آرزو
آنے نہ پائے تو کہ ہوں میں اے اجل تمام

آتش قدم وہ ہوں، مری ٹھوکر جو کھائے کوہ
پتھر ہوں نرم ہو کے روئی کے پھل تمام

شیریں شکر سی جاں گئی سوداے خال میں
مکّھی کے چاٹنے نے کیا یہ عسل تمام

شانے کا کام لیجیے گستاخ ہاتھ سے
ناخن سے زلفِ یار کے عقدے ہوں حل تمام

کیونکر کریں نہ ناز وہ حسن و جمال پر
کبر و غرور رکھتے ہیں اہلِ دُوَل تمام

عالم کے دل لبھاتے ہیں خالِ رخِ حبیب
سمجھے ہیں اپنے حصے میں بھونرے کنول تمام

آنکھوں میں جان حسرتِ دیدار لائی ہے
آئی نہ اب اجل تو ہوئے بے اجل تمام

کہتا ہے سن کے حالتِ دل روزِ وصلِ یار
فرقت کی شب میں ہوگی تمھاری زٹل تمام

دوڑا کے راہِ سختِ محبّت میں پاؤں کو
ایسا تھکائیے کہ بدن ہووے شل تمام

ہر عضو ہے مناسبِ اندامِ نازنیں
سر سے ہے تا قدم وہ صنم بے بدل تمام

دل کو لگا ہے روگ محبّت کا بے طرح
جان آج بچ گئی تو یقیں ہے کہ کل تمام

حیلے سے کام لیتا ہے وہ تُرک تیغ کا
کرتی ہے عشق باز کو لیت و لعل تمام

سیبِ ذقن سنگھائے جسے وہ مسیحِ وقت
صورت سے اس کی بھاگیں دماغی خلل تمام

آتش کی فکر کھودتی ہے اے زمینِ شعر
گنجِ نہاں ہیں جتنے کہ تجھ میں، اُگل تمام

۸

[1]ہوتا ہے سوزِ عشق سے جل جل کے دل تمام
کرتی ہے روح مرحلۂ آب و گل تمام

حقا کہ عشق رکھتے ہیں تجھ سے حسینِ دہر
دم بھرتے ہیں ترا بتِ چین و چگل تمام

ٹپکاتے زخمِ ہجر پر اے تُرک کیا کریں
خالی ہیں تیل سے ترے چہرے کے تل تمام

دیکھا ہے جب تجھے عرق آ آ گیا ہے یار!
غیرت سے ہو گئے ہیں حسیں منفعل تمام

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۳ ، نول کشور قدیم ص ۲۳۹ ،
جدید ص ۳۷۸ ، چمن بے نظیر ص ۱۳۶ ۔

عشقِ بتاں کا روگ نہ اے دل لگا مجھے
تھکوا کے خون کرتا ہے آزارِ سل تمام

قدسی بھی کشتہ ہیں تری شمشیرِ ناز کے
سارے پڑے ہیں متّصل و منفصل تمام

دردِ فراقِ یار سے کہتا ہے بند بند
اعضا ہمارے ہو گئے ہیں مضمحل تمام

ساری عدالت اُلفتِ صادق کی ہے گواہ
مہروں سے ہے لپی ہوئی اپنی سجل تمام

کرتے ہیں غیر یار سے میرا بیانِ حال
اُلفت سے ہو گئے ہیں موافق مخل تمام

تیرِ نگاہِ ناز کا رہتا ہے سامنا
چھلنی ہوا ہے سینہ ، مشبّک ہے دل تمام

ہوتا ہے پردہ فاش کلامِ دروغ کا
وعدے کا دن سمجھ لے وہ پیماں گسل تمام

خلوت میں ساتھ یار کے جانا نہ تھا تمھیں
ارباب انجمن ہوئے آتش خجل تمام

ردیف نون

۱

[1]اس قدر آنکھیں مری محوِ تجلّا ہو گئیں
پُتلیاں پتھرا کے آخر سنگِ موسیٰ ہو گئیں

زوے رنگیں سے بھی وہ گیسو و خط ہے دل فریب
بوٹیاں بھی اس گلستاں کی تماشا ہو گئیں

باغ کو سرسبز بارانِ بہاری نے کیا
شاعروں کے واسطے تشبیہیں پیدا ہو گئیں

تشنہٴ دیدار ہیں کس آتشیں رخسار کے
آب جوئیں مثلِ آئینہ مصفّا ہو گئیں

صورتِ کافور بوندیں اس کی اب اُڑتی تو ہیں
چشمہٴ خورشید تک پہنچیں تو دریا ہو گئیں

جس طرف سودے میں آن زلفوں کے میں وحشی گیا
دو بلائیں ، دو طرف سے ، میری پیدا ہو گئیں

---

۱ - کلیات دیوان اول طبع علی بخش ص ۱۰۵ ، نول کشور ص ۹۷ ، جدید ص ۱۵۵ میں مصرع میں "تجلا" کو "تماشا" بنا دیا ہے -

"اس قدر آنکھیں مری محو تماشا ہو گئیں"

اس زمیں میں غالب کی غزل بھی ہے :

سب کہاں ، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

شب نہ ہونے سے ترے اندھیر تھا اک صبح تک
کیا کہوں کیا حالتیں اے ماہ سیما ہو گئیں

کنجِ عزلت میں قناعت کی جو نانِ خشک پر
نعمتیں دنیا کی جو کچھ تھیں مہیّا ہوگئیں

قاف میں بھی سکّہ بیٹھا حسنِ عالم گیر کا
آتش اپنے یار کی پریاں بھی شیدا ہو گئیں

۲

[1]پہنچا سزا کو اپنی ہے بیداد گر کہاں
دزدِ حنا چڑھایا گیا دار پر کہاں

عشقِ کمر کا قصّہ ہوا مختصر کہاں
ہستی سے کر چکا ہوں عدم کو سفر کہاں

داغِ جگر مٹا نہ سکی آہِ صبح گاہ
گل کرتی ہے چراغ نسیمِ سحر کہاں

لوں بوسہ کس کا ، ہے دہنِ یار ناپدید
کس کے ہوں ہاتھ طوق وہ نازک کمر کہاں

تا حال آنکھوں نے نہیں سیرِ بہشت کی
پیش آیا کوے یار کا ہم کو سفر کہاں

زاغِ شبِ فراق جو جیتا نہ چھوڑتا
کھاتا ہمارا مغز ، خروسِ سحر کہاں

آہن دلوں سے چشمِ کرم ، ہے خیالِ خام
کرتا ہے سبز نخل کو آبِ تبر کہاں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۶ ، نول کشور قدیم ص ۹۸ ، جدید ص ۱۵۵ ، بہارستان سخن ص ۷۱ -

حیران کار رہتے ہیں آئینے کی طرح
آنکھوں سے پوچھیے کہ پڑی ہے نظر کہاں ؟
دنداں کا اپنے نقش لبِ یار پر جو ہے
پیدا کیا عقیق نے ایسا شجر کہاں
آئینہ دیکھنے کا گزرتا نہیں خیال
اپنی خبر نہیں اُنھیں، میری خبر کہاں
اندھیر آنکھوں میں ہے، اُجالا ہے ناپدید
پردے میں شب کے چھپ رہی ایسی سحر کہاں
سودا نہیں ہے گیسوؤں کا یار کے کسے
ان دو بلاؤں سے ہے کسی کو مفر کہاں
خرمائے لب کے بوسے کا چکھنا نہیں مزا
توڑا ہے نخلِ حسن کا ہم نے ثمر کہاں
دھوکا نہ دے سکے گا مجھے زلفِ یار کا
سنبل کے پاس طرّہ ہو ہرچند، سر کہاں
دم کیا بھرے گا کوئی محبّت کا یار کی
میرا سا دل کہاں ہے، مرا سا جگر کہاں ؟
قیدِ خودی سے چھوٹ کے جاگی ہے گور میں
آتشؔ ملا ہے گنبدِ گرداں کا در کہاں

۳

[1]نہانے کو لگا جانے جو وہ محبوب دریا میں
عریضوں کی جگہ بہنے لگے مکتوب دریا میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۶، نول کشور قدیم ص ۹۸، جدید ص ۱۵۶ -

غریق فکر رکھتا پھروں ہی مضمونِ دنداں نے
گُہر کے واسطے غوطے لگائے خوب دریا میں
مرے یوسف[۴] کو لہر آئی اگر اس میں نہانے کی
حباب اک ایک ہوگا دیدۂ یعقوب[۴] دریا میں
لگا کر غوطہ بوسہ لوں گا اُس طفلِ شناور کا
خدا سے گوہرِ مقصود ہے مطلوب دریا میں
وہ بحرِ حسن جو فرقت کی شب میں یاد آیا ہے
یہی لہر آتی ہے دل کو کہ چل کر ڈوب دریا میں
خفا دم چاہنے والوں کے ہوں گے غوطے کھا کھا کر
بہت کف لائے گا وہ طفلِ خوش اسلوب دریا میں
غش آیا دیکھ کر حسن و جمالِ یار کا جلوہ
نہایت شاہدِ آبی ہوئے محبوب دریا میں
دیا دھوکا جو آتش مجھ کو اس دستِ نگاریں کا
مڑوڑا پنجۂ مرجاں کو میں نے خوب دریا میں

۴

[۱]خشمگیں آنکھیں تمھاری آفتِ جاں ہو گئیں
برچھیاں عاشق کُشی کرنے کو مژگاں ہو گئیں
تم جو جا نکلے نسیمِ نوبہاری کی طرح
پھول کھل کھل کر گل و لالہ کی کلیاں ہو گئیں
اے صبا ! دامن ہے تیرا اور مجھ مجنوں کا ہاتھ
اُس پری رُو کی اگر زلفیں پریشاں ہو گئیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۶ ، نول کشور قدیم ص ۹۸ ، جدید ص ۱۵۶ -

سامنے رہنے لگا رخسارۂ زیبائے یار
صورتِ آئینہ آنکھیں اپنی حیراں ہو گئیں
مہندی ہاتھوں میں ملی تونے جو اے دریائے حسن
انگلیاں رنگِ حنا سے شاخِ مرجاں ہو گئیں
راستی سے نیزۂ ترکاں بنا بالائے یار
وہ بھویں اپنی کجی سے تیغِ عریاں ہو گئیں
خانۂ دل میں تصوّر خوش جمالوں کا رہا
گاہ حوریں ، گاہ پریاں ، اپنی مہماں ہو گئیں
کوچہ گردی میں دکھائی تیغِ قاتل نے بہار
بسملوں سے شہر کی گلیاں گلستاں ہو گئیں
دیدۂ عاشق سے جس[۱] نے دیکھا دیوانہ ہوا
حسن سے پریاں بلائے جانِ انساں ہو گئیں
اے مرادِ دل ! ترے کوچے میں رکھتے ہی قدم
حسرتیں جو کچھ کہ تھیں گردِ پریشاں ہو گئیں
یہ کُھلا آتش عناصر سے دلِ دیوانہ کو
چار دیواریں اکٹّھی ہو کے زنداں ہو گئیں

۵

[۲]قیدِ ہستی سے ہنوز آزادگی حاصل کہاں
روح سے چھوٹا ہے یہ زندانِ آب و گل کہاں
ہچکیاں لیتے تھے کوچے میں ترے بسمل کہاں
زخم ہنستے تھے کسی کے منہ پہ اے قاتل کہاں

---

۱ ۔ نول کشور قدیم ''دیکھا جس نے دیوانہ ہوا ۔''
۲ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۷ ، نول کشور قدیم ص ۹۹ ، جدید ص ۱۵۷ ۔

قدرتِ اللہ ہے نیرنگ سازی حسن کی
گورے گورے عارضوں پر کالے کالے تل کہاں

دسترس کس دن ہوا بندِ قبائے یار پر
وا ہوئے ناخن سے اپنے عقدۂ مشکل کہاں ؟

طوفِ کوئے یار کی حسرت نہیں نکلی ابھی
طے ہوئی ہے کعبۂ مقصود کی منزل کہاں

صورتِ ریگِ رواں ، گرمِ سفر ہوں روز و شب
کچھ نہیں معلوم ، جاتا ہوں کدھر ، منزل کہاں

جو نہ دے ایذا کوئی ، ایذا نہیں دیتا اسے
سایۂ دیوار کو اندیشۂ عامل کہاں

بھیک کس کے حسن کی مقصودِ مہر و ماہ ہے
در بدر پھرتے ہیں مثلِ کاسۂ سائل کہاں

بحرِ ہستی سا کوئی دریائے بے پایاں نہیں
آسمانِ نیل گوں سا سبزۂ ساحل کہاں

وقتِ بد میں کون ہوتا ہے مصیبت کا شریک
ہجر کی شب کے اندھیرے میں مہ کامل کہاں ؟

کون سا ایسا کیا ہے مجھ سے یاروں نے سلوک
یاد آتی ہے عدم میں جا کے یہ محفل کہاں

خندہ زن دیکھا نہ اک مردے کو زندہ کی طرح
ہوشیاری کے مزے سے آشنا غافل کہاں

جنبشِ ابروئے قاتل میں نہ ٹھہرے گا رقیب
چہرۂ نامرد زخمِ تیغ کے قابل کہاں

عشق کے صدمے اٹھانے کو جگر بھی چاہیے
خوں ہوا میری طرح آتش کسی کا دل کہاں

۶

[1]فریب کو دلِ اہلِ صفا میں راہ نہیں
وہ دشت ہے یہ جہاں آب زیرِ کاہ نہیں
بدن سا شہر نہیں ، دل سا بادشاہ نہیں
حواسِ[2] خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں
وہ آب و رنگ کہاں روے یار کا گل پر
ہزار آنکھ ہو ، نرگس کی وہ نگاہ نہیں
صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خواب گاہ نہیں
خیال اس میں ہے لازم سیاہ چشموں کا
لباس کعبۂ دل کا مرے سیاہ نہیں
تمھارے سبزۂ خط کی طرح سے دل لہرائے
چمن میں دہر کے ایسی کوئی گیاہ نہیں
نہ پاک ہوگا کبھی حسن و عشق کا جھگڑا
وہ قصہ ہے یہ کہ جس کا کوئی گواہ نہیں
بتوں کے ناز سے ، دکھ دکھ کے پک گئے ہیں دل
وہ کون ہے کہ خدا سے جو داد خواہ نہیں
غریب کو نہ کریں قتل ، خط وہ پرزے کریں
مرا گناہ ہے ، قاصد کا کچھ گناہ نہیں
خراب ظلم سے ہیں حسنِ یار کے عاشق
غضب خدا کا ہے عادل جو بادشاہ نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۷ ، نول کشور قدیم ص ۹۹ ، جدید ص ۱۵۷ ، بہارستان سخن ص ۱۲۶ -
۲ - کلیات طبع علی بخش میں 'حواس' ہائے ہوز سے لکھا ہے -

فرشتے نے نہیں پھونکا ہے کان میں کس کے
وہ سر ہے کون سا جس پر کہ کج کلاہ نہیں ؟
چمک چمک کے نکلنے کا حال کھل جاتا
دکھاؤں کس کو وہ رخ ، چشمِ مہر و ماہ نہیں
بھر آئے دیکھ کے منہ میں نہ کس طرح پانی
تمھاری ناف سا چشمہ ، ذقن سا چاہ نہیں
کھڑے ہیں کھولے ہوئے اپنے سینوں کو عاشق
تمھاری تیغ کے زخموں کی بند راہ نہیں
نہ ہووے گوش زدِ یار تو تعجّب ہے
قدِ بلند سے کوتاہ سدِّ آہ نہیں
غبارِ خط سے وہ انداز و نازِ حسن کہاں
نمودِ گرد ہے باقی ، مگر سپاہ نہیں
عذابِ گور ہے دنیا کے رنج سے بدتر
سوا خدا کے کرم کے کہیں پناہ نہیں
فقیر بن کے قدم مار اس میں اے آتش
طریقِ احمدؐ مرسل سی شاہراہ نہیں

۷

[1]بلبل کو خار خار دبستاں ہے اِن دنوں
ہر طفل کی بغل میں گلستاں ہے اِن دنوں
زنّارِ عشق بت میں رگِ جاں ہے اِن دنوں
ناقوسِ برہمن دلِ نالاں ہے اِن دنوں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۸ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۰ ، جدید ص ۱۵۸ -

آباد میرا خانۂ ویراں ہے اِن دنوں
سیلاب مجھ غریب کا مہماں ہے اِن دنوں

دامن ہے اپنے ہاتھ میں اک رشکِ ماہ کا
پیشِ نظر ہلالِ گریباں ہے اِن دنوں

باغِ جہاں میں جو ہے گرفتار ہے ترا
آزاد ایک سروِ گلستاں ہے اِن دنوں

کہتے ہیں ہم زمین میں مجنوں کی اب غزل
ہر بیت اپنی خانۂ زنداں ہے اِن دنوں

کافر ہو اے صنم! جو خریدے نہ تو اسے
مہندی کے مول خونِ مسلماں ہے اِن دنوں

ہنگامہ حسن و عشق کا ہے گرم آج کل
دیوانۂ پری ہے جو انساں ہے اِن دنوں

قد سرو چہرہ گل ہے تو سنبل ہیں موے یار
گھر خانہ باغ ہے جو وہ مہماں ہے اِن دنوں

مستی کا ان لبوں کی فسانہ کہاں نہیں
مجلس نہیں وہ جو نہیں حیراں ہے اِن دنوں

صدقے چکور ہوتے ہیں رخسارِ یار کے
وہ ماہِ چاردہ مہِ تاباں ہے اِن دنوں

آتا ہے سیرِ باغ کو وہ گوہرِ مراد
پھیلائے گل کے پاس جو داماں ہے اِن دنوں

جوہر شناس جمع ہیں آتش ہے معرکہ
شمشیر ہے وہی کہ جو عریاں ہے اِن دنوں

۸

ابرق کو اس پر عبث گرنے کی ہیں تیاریاں
برگِ گل ہی آشیاں کو اپنے ہے چنگاریاں

عہدِ طفلی میں بھی تھا میں بسکہ سودائی مزاج
بیڑیاں منّت کی بھی پہنیں تو میں نے بھاریاں

موت کے آتے ہی ہم کو خود بخود نیند آ گئی
کیا اسی کی یاد میں کرتے تھے شب بیداریاں

اے خط اس کے گورے گالوں پر یہ تو نے کیا کیا
چاندنی راتیں یکا یک ہو گئیں اندھیاریاں

خندۂ گل سے صدائے نالہ آتی ہے مجھے
خونِ بلبل سے مگر سینچی گئی ہیں کیاریاں

خاک کا پتلا بھی آہن سے ہے سختی میں فزوں
جسم پر انساں کے تلواریں ہوئی ہیں آریاں

خوفِ خالق ہے وگرنہ محتسب کیا مال ہے
خانۂ قاضی میں جا کر کیجیے مے خواریاں

کچھ ہمیں خالی نہیں کرتے ہیں یہ دیرِ خراب
بھر گئے ہیں یار یوں ہی اپنی اپنی باریاں

حکم کر آتش کہ بازارِ محبّت بند ہو
اب کریں ٹٹ پونجیے گرم اپنی دکّاں داریاں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۸ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۰ ، جدید ص ۱۵۹ -

۹

ہوا[1] تھا اس کو ایسا لطف کیا حاصل گلستاں میں
قفس میں عندلیبِ خستہ جاں ہے ، دل گلستاں میں
ثبات اس کو نہیں یہ عالم واشد دو روزہ ہے
ہنسو اتنا بھی اے غنچو نہ تم کھل کھل گلستاں میں
ابھی دار غضب پر ناحق ان کو خار کھینچیں گے
نہ[2] ہوں برگِ حنا کے آبلے شامل گلستاں میں
بہاؤں رو کے سودے میں جو شبنم کی طرح دریا
کنارہ ایک صحرا میں ہو اک ساحل گلستاں میں
خزاں میں زرد بھی ہونا چمن کا حسن رکھتا ہے
بہارِ زعفراں ہو جاتی ہے داخل گلستاں میں
چمن کی سیر کو تم گاہے گاہے جا نکلتے ہو
شہیدوں کی طرح ہے ارغواں بسمل گلستاں میں
نہ کیونکر قید میں بلبل کو دیکھے سے جگر خوں ہو
قفس مسکن ہے اس کا جس کی تھی منزل گلستاں میں
چمن میں بلبلوں کو ذبح وہ صیّاد کرتا ہے
بہا دیتا ہے نہریں خون کی قاتل گلستاں میں
نسیمِ نوبہاری کی مدد کا وقت ہے ، پہنچے
ہوئے ہیں غنچۂ گل عقدۂ مشکل گلستاں میں

---

۱ -کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۹ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۰ ، جدید ص ۱۵۹ -

۲ -کلیات طبع علی بخش : ''نہ ہو برگ حنا کے آبلے سائل گلستاں میں'' کلیات طبع نول کشور مطابق متن ہے -

بہارِ رفتہ[1] کے غم نے خزاں میں خون تُھکوایا
ہوئی دق ہو کے آخر بلبلوں کو سل گلستاں میں

شرابِ بے خودی ایسی پلا دی ساغرِ گل نے
رہے صیّاد سے مرغِ چمن غافل گلستاں میں

سنا ہے عاشق و معشوق جیسے بلبل و گل کو
اسے بسمل سمجھتا ہوں ، اُسے قاتل گلستاں میں

پھرا جب باغ سے تیرے قدِ بالا کا دیوانہ
بہت رویا گلے سے سرو کے مل مل گلستاں میں

بہار آئی ہے ، دل بہلائیے پیری میں اے آتش !
جوانانِ چمن کی دیکھیے محفل گلستاں میں

۱۰

[2]پردے یہ غفلتوں کے اگر دل سے دور ہوں
مائل سوے سجودِ سرِ پُر غرور ہوں

تمییز کیجیے جو سفید و سیاہ میں
ظلمت جو زلفیں ہوں تو وہ رخسارے نور ہوں

پہلے ہی دے چکا ہوں میں ان کو جوابِ صاف
سمجھائیں اب جو یار بڑے بے شعور ہوں

آنکھوں میں تنگ چشموں کے پھر بھی ہیں فیل مست
ہرچند ناتوانی سے میں پائے مور ہوں

---

۱ - طبع نول کشور قدیم و جدید میں ہے "بہار فتنہ کے غم"۔ لیکن طبع علی بخش میں "بہار رفتہ" ہے ۔

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۹ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۱ ، جدید ص ۱۶۰ ۔

کرتا ہے کیا یہ محتسبِ سنگ دل غضب
شیشوں کے ساتھ دل نہ کہیں چور چور ہوں

بعدِ فنا بھی خاکِ رہِ یار ہوں گے ہم
ممکن نہیں رکابِ سعادت سے دور ہوں

خلخالِ پائے یار میں آوازِ صور ہے
بیدار بختِ خفتۂ اہلِ قبور ہوں

کشتے جو حسنِ گرم کے نالاں ہوں زیرِ خاک
سنگِ مزار جلنے لگیں، کوہ طور ہوں

مرتا ہے غیر کس لیے کٹتا ہے یار کیوں
حاضر ہیں جان و دل جو کسی کو ضرور ہوں

ساقی! چمن میں آگ لگائی بہار نے
رنگیں شرابِ سرخ سے جامِ بلور ہوں

ثابت جو یار کرتے ہیں مجھ پر خطائے عشق
انصاف ہو تو آپ سراپا قصور ہوں

دل میں ان آئنوں کے سراسر بھرا ہے زنگ
ہرچند پاک صاف یہ تیرے حضور ہوں

رونے کی جا ہے حالتِ دیوانگانِ عشق
ابرِ بہار دیدۂ وحش و طیور ہوں

عزمِ طوافِ کعبہ ہے اب کچھ غرض نہیں
آتش بتانِ ہند، پری ہوں کہ حور ہوں

۱۱

[1]دو قدم غربت سے گر سوے وطن جاتا ہوں میں
پاؤں شل ہو جاتے ہیں، دیوار بن جاتا ہوں میں

مثلِ گل باغِ جہاں سے خندہ زن جاتا ہوں میں
لالہ رویو ! لے کے داغوں کے چمن جاتا ہوں میں

کیسی ہی آزردگی ہو آئنے کی طرح سے
چار آنکھیں ہوتے ہی اس بت سے من[2] جاتا ہوں میں

کوے قاتل کا جو ہو شوقِ شہادت رہنما !
کس خوشی سے باندھ کر سر پر کفن جاتا ہوں میں

تنگ آیا ہے جو دل سوداے زلفِ یار میں
مشک کی بو سونگھنے چین و ختن جاتا ہوں میں

جان کرتی ہے لبوں کی راہ سے چلنے کا قصد
گور نے کھولا مری خاطر دہن ، جاتا ہوں میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۰۹ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۱ ، جدید ص ۱۶۱ - ریاض الفصحا ص ۹ پر مطلع کا دوسرا مصرع ہے :

"سایہ کہتا ہے مرا ، زنجیر بن جاتا ہوں میں"

مصحفی نے غزل کا ایک مطلع اور تین مندرجہ ذیل شعر لکھے ہیں :

اے تپ غم فرصت اک دم دے وگرنہ جسم کو
کرکے وقف پنجہٗ زاغ و زغن جاتا ہوں میں

چھوڑتا ہے کیوں جنوں نومید ہو کر میرا ساتھ
قبر میں لے کر گریباں کفن جاتا ہوں میں

نالہٗ بلبل فزوں ہے تیر سے میرے لیے
مول لینے درد دل سوئے چمن جاتا ہوں میں

یہ غزل بھی آتش کے ابتدائے کمال سے متعلق ہے اور ۱۸۰۶ع کے متصل لکھی گئی ہے -

۲ - طبع نول کشور : "اس بت سے بن جاتا ہوں میں" -

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی پانی بے آبی سے ہو
تشنہ لب اے حسرتِ چاہِ ذقن جاتا ہوں میں
طرفہ سودا ہے مرا ، اپنا گریباں چھوڑ کر
پھاڑنے اُس گلبدن کا پیرہن جاتا ہوں میں
ساتھ ہوتا ہے کبھی میرے جو وہ بالا بلند
کاٹنے سرو و صنوبر کو چمن جاتا ہوں میں
گور میں خاکی بدن کو چھوڑ کر جاتی ہے روح
جھاڑ کر گوشے میں گردِ پیرہن جاتا ہوں میں
خوش سلوکی کی زمین و آسماں نے میرے ساتھ
آیا تھا بے پیرہن ، پہنے کفن جاتا ہوں میں
ہستیِ فانی سے قصدِ روح ہے سوے عدم
دل کو خوش وقتی ہے غربت سے وطن جاتا ہوں میں
تاب داغِ برہمی مانند بوے گل نہیں
چھوڑ کر آباد آتش انجمن جاتا ہوں میں

۱۲

اپسے دل اُس کی چتون پر ہزاروں
موے بے ساختہ پن پر ہزاروں
مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست
مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں
برائے شکرِ قاتل ، رونگٹوں سے
زبانیں ہیں مرے تن پر ہزاروں

---

۱ ۔کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۱ ، جدید ص ۱۶۱ ۔

نہ اٹکھیلی سے چل ، ہوتے ہیں صدمے
دلِ شیخ و برہمن پر ہزاروں

ہوا سر خم نہ زیرِ تیغِ جلّاد
رہے بوجھ اپنی گردن پر ہزاروں

ترے کشتے ہیں ہم ، آنکھیں ملیں گے
ہمارے سنگ مدفن پر ہزاروں

نہ مل اے لعبتِ چیں عطر گلزار
گلا کاٹیں گے گلشن پر ہزاروں

نہیں اک مرد کو دنیا سے مطلب
مریں نامرد اُس زن پر ہزاروں

عجب کیا ہے اگر پروانے بے شمع
جلیں آتش کے مدفن پر ہزاروں

۱۳

[۱]واشد دل کے لیے جاتے ہیں ناداں باغ میں
گل گریباں چاک ہیں ، بلبل ہیں نالاں باغ میں

مر گیا جب خوش نوا بلبل غزل خواں باغ میں
اُس کے پھولوں میں پڑھی میں نے گلستاں باغ میں

ابر نے ناحق مجھے گلگشت کی تکلیف دی
تیرِ باراں ہو گیا ، بے یار باراں باغ میں

غیر ممکن ہے اسیری میں شگفتہ خاطری
دل نہ قیدی کا لگے ہو گو کہ زنداں باغ میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۲ ،جدید ص ۱۶۲ ، بہارستان سخن ص ۱۲۳ -

شیشے کے منہ کی طرح رکھتا ہے دروازے کو بند
باغباں کیا سیر کو آئی ہیں پریاں باغ میں؟

چشمِ بلبل میں جو پیدا ہو سوادِ اہلِ علم
برگِ گل ہو جائیں اوراقِ گلستاں باغ میں

یادِ زلفِ یار آئی دل کو سودا سا ہوا
بوئے سنبل نے طبیعت کی پریشاں باغ میں

روئے زیبا تم نے دکھلایا ہے جا کر بے نقاب
آبِ جو ہے صورتِ آئینہ حیراں باغ میں

شوقِ کوئے یار میں روتا جو ہوں دل کھول کر
اشک شبنم کی طرح جاتے ہیں مہماں باغ میں

قتل کرتا ہے محبّت کی نظر سے دیکھنا
سرو قمری کے لیے ہے سیفِ عریاں باغ میں

ٹٹیوں میں مہندی کی تو نے بنائے کیا ہرن
آ گئیں اے باغباں شاخِ غزالاں باغ میں

مہندی مل کر دھوئے ہاتھ اُن میں جو تو اے بحرِ حسن
پھوٹ کر نہروں سے نکلیں نخلِ مرجاں باغ میں

کوچ کرتی ہے بہار، آتا ہے ہنگامِ خزاں
روئے بلبل رکھ کے منہ پر گل کا داماں باغ میں

سیر کرتا ہوں میں جب تک رہتی ہے حسرت یہی
توڑتا، ہوتا اگر سیبِ زنخداں باغ میں

چلتی ہے دستِ جنوں کی طرح سے بادِ بہار
چاک تا دامن ہوا گل کا گریباں باغ میں

بوسے اُس رخسارۂ رنگیں کے میں کیونکر نہ لوں
پھول بے توڑے نہیں رہتا ہے انساں باغ میں

جوش نے مستی کے دکھلائی مجھے سیرِ بہار
نشے کی دھن لے گئی آفتاں و خیزاں باغ میں

بے حیائی سے نہ ہووے تو نہ ہووے انفعال
لالہ نافرماں کے رو بر رو ہے خنداں باغ میں

ہے یہی اللہ سے اپنی مراد آتش رہیں
مست کوئے یار میں طاؤسِ رقصاں باغ میں

۱۴

[1]آشنا معنی سے ، صورت آشنا ہوتا نہیں
آئنہ دل کی طرح سے حق نما ہوتا نہیں

دردمندِ عشق جویاے دوا ہوتا نہیں
تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں

خار خارِ دہر سے دل آشنا ہوتا نہیں
مثلِ آب و رنگ گل مل کر جدا ہوتا نہیں

کس کو پیوندِ زمیں کرتی نہیں رفتارِ ناز
کون سا سرکش تمھاری خاکِ پا ہوتا نہیں

کھینچ لیتا ہے دلِ عاشق کو خطِ سبزِ یار
کاہ سے ہرچند جذبِ کہربا ہوتا نہیں

جس قدر چاہیں اکڑ لیں باغ میں شمشاد و سرو
خیر سے جب تک کہ وہ بالا بلا ہوتا نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۲ ، جدید ص ۱۶۲ -

دیکھیے کب تک نہیں ہوتی قیامت آشکار
تا کجا دیدار کا وعدہ وفا ہوتا نہیں

سنبل و ریحانِ باغِ حسن کا عالم نہ پوچھ
خط سا پیرو، گیسوؤں سا پیشوا ہوتا نہیں

اک قلندر کی پسند آئی مجھے کتنی یہ بات
چار ابرو کی صفا سے دل صفا ہوتا نہیں

کیا مری آنکھوں کو دھوکا دے گا زلفِ یار کا
موئے زنگی کی طرحِ سنبل رسا ہوتا نہیں

ہے ہر اک دندان دہانِ یار میں دُرِّ یتیم
آن لبِ لعلیں سا لعلِ بے بہا ہوتا نہیں

بڑھ نہیں چلتا ہے کوئی حد سے اپنی پیشِ یار
اس کے پاؤں میں سیہ رنگِ حنا ہوتا نہیں

گوہرِ شبنم بہم پہنچائیں گل ہائے چمن
یار کا سا خندۂ دنداں نما ہوتا نہیں

دلربائی کے طریقے میں نہیں کامل ہنوز
حقِ ناز اے طفل ابھی تجھ سے ادا ہوتا نہیں

اے صنم پارس کے تیرے پاؤں ہیں ترشے ہوئے
ٹھوکریں کھا کھا کے کب آہن طلا ہوتا نہیں

کون ملتا ہے، نہیں ملتا اگر وہ نازنین
میں بھی اس ناآشنا کا آشنا ہوتا نہیں

نشے کی گرمی سے پھاڑے کھانے لگتا ہے لباس
اپنے جامے میں تو اے گلگوں قبا ہوتا نہیں

کون سی شب کو وہ بت رہتا نہیں آغوش میں
شاملِ حال اپنے کب فضلِ خدا ہوتا نہیں

استخواں آتش کے ہیں رزقِ سگانِ کوے یار
اس سعادت کا شرف ہرِ ہما ہوتا نہیں

۱۵

اغبارِ راہ ہیں گو آج ہم ان نے سواروں میں
سمندِ عمر منزل طے کرے گا دو طراروں میں
کبھی بت خانہ پوجا ، گہ کیا طوفِ حرم ہم نے
اڑائی تیری خاطر خاک کن کن رہگزاروں میں
ازل ہی سے مری قسمت میں تھی سرگشتگی لکھی
گیا طفلی میں بھی ہر روز میں اک دو کناروں میں
اجل آ ، ورنہ اب یہ رشک مجھ کو قتل کرتا ہے
عزیزاں پاؤں کو پھیلائے سوتے ہیں مزاروں میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۳ ، جدید ص ۱۶۳ -
ریاض الفصحا (ص۸) میں پانچ شعر ہیں اور موجودہ متن سے بہت زیادہ مختلف ہیں :

کسے حسرت ہے دام دامن صحرا سے چھٹنے کی
چمن کو بارہا دیکھا ہے جا جا کے بہاروں میں
نہ دو آنسو بھی نکلے آنکھ سے یادِ الٰہی میں
اڑا کی خاک ہی میرے چمن کے آبشاروں میں
دم آخر تو حسرت رکھ نہ رخساروں کے بوسے کی
دل بیمار رہ جائے گا عیسٰی ان اناروں میں
امانت روح کی چھنوائی مجھ سے کس لیے تو نے
الٰہی ایسا بھی تو میں نہ تھا بے اعتباروں میں

یہ غزل بھی 'ریاض النصحا' کے عہد سے متعلق ہے -

ہوائے کوئے قاتل کا کبھی عالم نہیں پایا
چمن کو بارہا دیکھا ہے جا جا کر بہاروں میں
نہ دو آنسو گرے یادِ الٰہی میں ان آنکھوں سے
اڑا کی خاک ہی میرے چمن کے آبشاروں میں
امانت روح کی چھنوا کے عزرائیل[۴] سے تو نے
ہمارے نام کو لکھوا دیا بے اعتباروں میں
نہایت عید کی نوروز کی اس گل کو شادی ہے
لڑائے جائیں گے کیا بیضۂ بلبل قطاروں میں
کبھی کچھ کام بھی تو آئے تیری ہمّتِ عالی
مگر چہرہ ہی لکھوایا ہے اے آتش سواروں میں

۱۶

[۱] یہ چرچا اپنی رسوائی کا پھیلا ہے دیاروں میں
کہ مردم نام لکھتے ہیں سرے پر اشتہاروں میں
ہوا ہے قحط کیوں عالم میں موسیٰ و تجلّی کا
وہی پتّھر نظر آتے ہیں اب تک کوہساروں میں
میں وہ غم دوست ہوں جب کوئی تازہ غم ہوا پیدا
نہ نکلا ایک بھی میرے سوا امّیدواروں میں
نہ کر شبدیز و گلگوں پر غرور اتنا بھی اے خسرو
پیادے روندیں گے کل آج ہے تو شہ سواروں میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۳ ، جدید ص ۱۶۴ -
نول کشوری نسخوں میں غلطی سے "روویں گے" درج ہو گیا ہے -
ہمارا متن نسخۂ علی بخش کے مطابق ہے -

جو آنا ہے تو آ جیتے جی ، ورنہ لطف پھر کیا ہے
جگہ جب منہ دکھانے کی رہی مجھ کو نہ یاروں میں

بہانہ دردِ سر کا آپ کو کیا ہم سے کرنا تھا
تپِ غم نے ہماری جان کھو دی دو حراروں میں

رہا مثلِ خس و شعلہ مجھے ربط اہلِ عالم سے
وہی دشمن ہوا جس کے بنا میں دوست داروں میں

ہراساں ہوتے ہیں کب مرد یکہ تاز کثرت سے
کوئی دوچار ہی جاں باز ہوتے ہیں ہزاروں میں

سمجھتا اہلِ عالم میں زباں کوئی تو میری بھی
خدایا ! کاش میں پیدا ہوا ہوتا گنواروں میں

بدن میں جانِ تازہ آتی[1] ہے سونگھے سے اے آتش
عجب خوش بو ہے اس گل پیرہن کے باسی ہاروں میں

۱۷

[2]وہ بزم ہے یہ کہ لاخیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفے میں بازیِ غلام نہیں

حریفی اپنی تنک مشربوں کا کام نہیں
خمِ فلک سے کم اس مے کدے کا جام نہیں

سیاہ قلب کا کوے صنم میں کام نہیں
بہشت کافرِ بد کیش کا مقام نہیں

بتوں کے گیسو و مژگاں سے مجھ کو کام نہیں
شکارِ تیر نہیں ہیں ، اسیرِ دام نہیں

---

۱ - کلیات طبع نول کشور ''بدن میں جان تازہ آئی ہے'' -
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۳ ، جدید ص ۱۶۴ ، بہارستان سخن ص ۱۲۱ -

چمن سے بلبل و قمری کا عشق ، حیرت ہے
ثبات گل کو نہیں ، سرو کو قیام نہیں
مطیع عشق نہ جس حسنِ دل فریب کا ہو
وہ خواجہ ہے وہ کہ جس کا کوئی غلام نہیں
وفائے وعدہ کا کس کو یقین یار سے ہے
کلامِ بت ہے ، کچھ اللہ کا کلام نہیں
رفیقِ حال برے وقت میں نہیں کوئی
شریک جنگ میں شمشیر کا نیام نہیں
دو روزہ حسن نہ کر رائگاں غرور سے یار
حلال مال ہے ، یہ دولتِ حرام نہیں
گدا و شاہ برابر ہے ، خاک کے نیچے
لحد میں ساتھ یہ قصرِ بلند بام نہیں
ملایا خاک میں کس کس جوانِ رعنا کو
خدا کا قہر ہے ، اے بت ترا خرام نہیں
جفا و جور سے عالم وہ حسن کا نہ رہا
بنائے زلف کو سچ کہتے ہیں ، قیام نہیں
نظارۂ کمرِ یار کا نہ ہو مشتاق
طلب محال کی غیرِ خیالِ خام نہیں
بتوں کے قہر و غضب کا کسے ہے اندیشہ
خدا نہیں ، یہ پیمبر نہیں ، امام نہیں
بلند و پست سبک دوش کو برابر ہے
نسیمِ بے سر و پا کا کہاں مقام نہیں
بلند ہو نہ زمیں سے مرا مزار آتش
نشانِ قبر سے منظور مجھ کو نام نہیں

۱۸

ابر گشتہ طالعی کا تماشا دکھاؤں میں ؟
گھر کو لگے جو آگ تو پانی بجھاؤں میں
جنسِ گراں بہا کا خریدار کون ہے
یکتا نہیں الٰہی جو چوری ہی جاؤں میں
لالہ رخوں کے حسن کا بھوکا ہوں اس قدر
دل ہو نہ سیر ، لاکھ اگر داغ کھاؤں میں
آنکھیں مری کرے جو منّور جمالِ یار
گھی کے چراغ طور کے اوپر جلاؤں میں
مردے کی طرح سوتے ہیں کیسے مرے نصیب
ٹھوکر سے پائے یار کے ان کو جگاؤں میں
بوسہ ملے کہاں کا جو ابروے یار کے
محرابِ بیت کعبہ میں چلّہ چڑھاؤں میں
جی چاہتا ہے شوقِ شہادت میں قبلِ مرگ
بنوا کے قبر لالہ کو اس پر لگاؤں میں
گھر میں جو مجھ فقیر کے وہ شاہِ حسن آئے
مژگاں کے بوریے جو کھڑے ہیں بچھاؤں میں
کانٹا سکھا کے ہجر نے ہرچند کر دیا
وہ گل بدن ملے تو نہ پھولا سماؤں میں
تم تو غریب خانے میں آئے نہ ایک روز
فرمائیے تو شب کو کسی وقت آؤں میں ؟

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۴ ، جدید ص ۱۶۵ ۔

باریک بیں ہوں ، شاعرِ نازک خیال ہوں
مضموں جہاں کمر کا ملے باندھ لاؤں میں
آتش غلامِ ساقیِ کوثر ہوں ، چاہیے
فردوس کا کھلا ہوا دروازہ پاؤں میں

۱۹

[1]دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیے ہیں
پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اُٹھا دیے ہیں
اللہ رے فروغ اس رخسارِ آتشیں کا
شمعوں کے رنگ مثلِ کافور اُڑا دیے ہیں
آتش نفس ہوا ہے گلزار کی ہمارے
بجلی گری ہے غنچے جب مسکرا دیے ہیں
سو بار گل کو اس نے تلووں تلے ملا ہے
کٹوا کے سرو و شمشاد اکثر جلا دیے ہیں
انسانِ خوب رو سے باقی رہے تفاوت
اس واسطے پری کو دو پر لگا دیے ہیں
ابروے کج سے خونِ عشّاق کیا عجب ہے
تلوار نے نشانِ لشکر مٹا دیے ہیں
کس کس کو خوب کہیے ، اللہ نے بتوں کو
کیا گوش و چشم ، کیا لب ، کیا دست و پا دیے ہیں
بے یار بام پر جو وحشت میں چڑھ گیا ہوں
پرنالے روتے روتے میں نے بہا دیے ہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۴ ، جدید ص ۱۶۶ -

وصفِ کمانِ ابرو جو کیجیے سو کم ہے
بے تیر بسملوں کے تودے لگا دیے ہیں

رویا ہوں یاد کرکے میں تیری تند خوئی
صرصر نے جب چراغِ روشن بجھا دیے ہیں

سوزِ دل و جگر کی شدّت پھر آج کل ہے
پھر پہلوؤں کے تکیے مشعل بنا دیے ہیں

شمعوں کو تو نے دل سے ، پروانوں کے اتارا
آنکھوں سے بلبلوں کی گلشن گرا دیے ہیں

وہ بادہ کش ہوں ، میری آوازِ پا کو سن کر
شیشوں نے سر حضورِ ساغر جھکا دیے ہیں

اشکوں سے خانۂ تن آتش خراب ہوگا
قصرِ سپہرِ رفعت باراں نے ڈھا دیے ہیں

۲۰

[1]خار مطلوب جو ہووے تو گلستاں مانگوں
بجلی گرنے کو جو جی چاہے تو باراں مانگوں

شمع گل ہووے ، جو صبح شبِ ہجراں مانگوں
اوس پڑنی بھی ہو موقوف جو باراں مانگوں

خاک میں بھی جو ملوں میں تو کسی صحرا میں
تم سے مٹی بھی نہ اے گبر و مسلماں مانگوں

بختِ واژوں نے زباں کو یہ اثر بخشا ہے
تلخیِ مرگ مزا دے جو نمک داں مانگوں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۵ ، جدید ص ۱۶۶ -

خانۂ دل میں کروں داغِ محبّت کو طلب
روشنی کے لیے اس گھر کی جو مہماں مانگوں

پادشاہی سے فقیری کا ہے پایہ بالا
بوریا چھوڑ کے کیا تختِ سلیماں مانگوں

رنج سے عشق کے ہے راحتِ دنیا بدتر
زخم خنداں ہوں اگر میں گلِ خنداں مانگوں

دے دیا کیجیے، سودائی تمھارا ہوں میاں!
سونگھنے کو جو کبھی زلفِ پریشاں مانگوں

عاشقِ دستِ نگاریں ہوں، عجب کیا اس کا
بھیک دریا سے اگر پنجۂ مرجاں مانگوں

میوے پر باغِ جہاں میں ہو جو دل کو رغبت
شجرِ حسن سے میں سیبِ زنخداں مانگوں

جامۂ جسم بھی رکھنے کا نہیں دستِ جنوں
پیرہن خاک میں دیوانۂ عریاں مانگوں

یاس و حرماں ہوں جو لو ہے کے چنے بھی تو چباؤں
نعمتِ عشق کے قابل لب و دنداں مانگوں

ملتی ہو مانگنے سے باغِ جہاں میں جو مراد
گل سے بلبل کے کفن کے لیے داماں مانگوں

تو تو کیا ایسی بلا ہے وہ ٹلے ہو جو پہاڑ
وصل کا روز جو میں اے شبِ ہجراں مانگوں

کب سے در پر ترے سائل ہوں میں آتش کی طرح
وہ ملے مجھ کو جو کچھ اے شہِ خوباں مانگوں

۲۱

[1]جلاد کی نہ پہنچی تلوار تا بہ گردن
آبِ ندامت آیا سو بار ، تا بہ گردن

(کیا نیلوفر ہوں میں،جو ،رکھتے ہیں مجھ کوڈوبا
گرداب میں یہ چشمِ خونبار تا بہ گردن)

کھینچ اے ہوائے صحرا ورنہ اٹھا چکے ہیں[2]
لڑکوں کی سنگریزے دیوار تا بہ گردن

شمشیر کھینچنی[3] اے مانی! تجھے پڑے گی
تصویر کر نہ میری تیار تا بہ گردن

تھی گو بلند یارب ! دیوار خانۂ یار
روزن ہی[4] کاش ہوتے دو چار تا بہ گردن

تن سے جدا نہ ہو جو تلوار سے تمھاری
وہ سر سمجھتے ہیں ہم بیکار تا بہ گردن

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۴ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۵ ، جدید ص ۱۶۷ -

غزل کے دس شعر مصحفی نے نقل کیے ہیں جن میں سے پانچ شعر کلیات میں ہیں اور پانچ نہیں ہیں - ہم نے 'ریاض الفصحا' کے شعر متن میں شریک کر لیے ہیں اور قوسین ان کی علامت ہے - میرے خیال میں یہ غزل ۱۸۰۸ع کے بعد لکھی گئی ہوگی -

۲ - ''ورنہ اٹھا چکی ہے— لڑکوں کی سنگ ریزی'' ریاض الفصحا - علی بخش ''لڑکوں نے سنگریزے'' -

۳ - ''کھینچنی بھی مانی'' ریاض الفصحا -

۴ - ''روزن بھی'' ریاض الفصحا -

(نخچیر بھی ہوا میں ، کمبخت لے کے پہنچے
فتراک کی نہ ڈوری زنہار تا بہ گردن)

(جلتی ہے دیکھ بلبل کیوں میرا جسم پر داغ
پھولوں کا ہے یہ شاید انبار تا بہ گردن)

اے محتسب سنبھل کر[1] مے خانے میں قدم رکھ
رستم کی آتی ہے یاں دستار تا بہ گردن

(اے کاش دودماں سے میں شمع ہی کے ہوتا
گلگیر بن کے آتی تلوار تا بہ گردن)

(پھانسی گلے میں اپنے کیونکر نہ دوں صنم کی
پیدا کرے رسائی زنّار تا بہ گردن)

تنتا ہے کیوں تو اتنا مانند سروِ باغی
کب پہنچے دستِ آتش اے یار ! تا بہ گردن

۲۲

[2]اس کی رسوائی بھلا مدِّ نظر کیونکر کریں
میرے ماتم میں عزیزاں چشم تر کیونکر کریں

شام سے سویا ہے بالوں سے چھپا کر منہ کو یار
یہ شبِ غم دیکھیے عاشق سحر کیونکر کریں

اپنے خوں کی بو ہمیں آتی ہے یاں کی خاک سے
زندگی میں کوے قاتل سے سفر کیونکر کریں

حاصلِ اہلِ محبّت غیرِ محرومی نہیں
بیدِ مجنوں ہو کے امّیدِ ثمر کیونکر کریں

---

۱ - ''سمجھر کر'' ریاض الفصحا ۔
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۳ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۵ ، جدید ص ۱۶۷ ۔

وہ بھی مانند چراغِ صبح دم مہمان ہے
مرگ کی لیلیٰ کے مجنوں کو خبر کیونکر کریں

شاعروں سے سنتے ہیں ہم ہیچ اِسے، معدوم اُسے
یار کا پیدا دہن، ثابت کمر کیونکر کریں

آج تک اپنی جگہ دل میں نہیں اپنے ہوئی
یار کے دل میں بھلا پوچھو تو گھر کیونکر کریں

ہر نگہ داروے بےہوشی کا رکھتی ہے اثر
جام ان آنکھوں کے دیکھیں بےخبر کیونکر کریں

روے روشن پر نہ رکھے تو جو اے یوسف نقاب
شعبدے رخ کا ترے شمس و قمر کیونکر کریں

سنگِ خارا سے نہیں سختی میں کم دل یار کا
سامنا پتّھر کا ہے نالے اثر کیونکر کریں

دردِ سر کے واسطے صندل نہ رگڑا جائے گا
ہو سکے آتش نہ جو وہ دردِ سر کیونکر کریں

۲۳

[1]بلا اپنے لیے دانستہ ناداں مول لیتے ہیں
عبث جی بیچ کر اُلفت کو انساں مول لیتے ہیں

نہ پوچھ احوال بے درد! اپنے بیمارِ محبّت کا
زمیں اس کے لیے اب تو عزیزاں مول لیتے ہیں

میں اُس گلشن کا بلبل ہوں بہار آنے نہیں پاتی
کہ صیّاد آن کر میرا گلستاں مول لیتے ہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۴، نول کشور قدیم ص ۱۰۶، جدید ص ۱۶۸ -

مگر جانا نہیں شاید کہ یاں سے اہلِ عالم کو
یہ دو دن کے لیے کیا قصر و ایواں مول لیتے ہیں
کیا گو نقش پاے مور ہم کو خاکساری نے
جو اب بھی چاہیں تو تختِ سلیماں مول لیتے ہیں
عزیزِ خلق اتنا تو کیا ہے مجھ کو داغوں نے
کہ مردم جان کر سروِ چراغاں مول لیتے ہیں
ہمارا شعر ہر اک عالمِ تصویر رکھتا ہے
مرقع جان کر ذی فہم دیواں مول لیتے ہیں
ترے ابرو کے سودائی نہایت تنگ ہیں قاتل
گلے کے کاٹنے کو تیغِ عریاں مول لیتے ہیں
یہ آتش نالۂ عشاق معشوقوں کو بھایا ہے
کہ صیّادوں سے مرغانِ خوش الحاں مول لیتے ہیں

۲۴

[1] چاہتا ہوں جو وفا ، طینتِ دلبر میں نہیں
ہے وہ مطلوب مجھے جو کہ مقدّر میں نہیں
آتش افروزیِ گردوں ہے تماشا مجھ کو
حجرہ جز سایۂ دیوار مرے گھر میں نہیں
گرد پھرتا قدِ موزوں کے ترے اے محبوب !
کیا کرے طاقتِ رفتار صنوبر میں نہیں
بالِ پرواز خط شوق ہے اپنا ، ورنہ
طاقت اس بام تک اڑنے کی کبوتر میں نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۶ ، جدید ص ۱۶۸ -

لے چلی ہے جو قضا مجھ سے قدح کش کو بہشت
ظرف گنجائش ہے چشمۂ کوثر میں نہیں
کندہ کرنا یہ مرے سنگ لحد پر پس مرگ
رحم اصلا دل خوبان ستم گر میں نہیں
غیر خواہاں ہو ترے وصل کا اے یار تو کیا
حصّۂ خضر جو ہے بخت سکندر میں نہیں
بارہا اس کو بھی سونگھا ہے، اسے بھی ہم نے
زلف محبوب میں جو بو ہے وہ عنبر میں نہیں
تیرے دانتوں کی چمک یار نہیں ہیرے میں
جو صفا ان کی سفیدی میں ہے، گوہر میں نہیں
بت پرستی کو نہ آتش کی سمجھ لاحاصل
شیخ ! اللہ بھی تو کعبے کے پتھر میں نہیں

۲۵

[1]دھیان آیا ہے جو اس خورشید رو کا خواب میں
تر ہوا ہوں میں پسینے سے شب مہتاب میں
آسماں جو کچھ کہ ایذا دے اسے کم جانیے
کھال کھنچتی ہے ہمیشہ خانۂ قصاب میں
عکس جو اس میں پڑا ہے شست زلف یار کا
مچھلیاں جوہر بنی ہیں آئنے کا آب میں
تیرہ روزان ازل کو نور سے بہرہ نہیں
شور اکثر کرتے ہیں کوے شب مہتاب میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۶ ، جدید ص ۱۶۹ ، بہارستان سخن ص ۱۴۳ -

یار کے ہمراہ اگر دریا نہانے جاؤں میں
مردمِ آبی جلیں میرے حسد سے آب میں
زندگانی سے دلِ محزوں عبث ہوتا ہے تنگ
دیکھنے کا پھر نہیں عمرِ رواں کو خواب میں
چہرۂ محبوب سے کیونکر اُسے تشبیہ دوں
نقص ظاہر ہے جبیں کے داغ کا مہتاب میں
آج تک حالِ دلِ بے تاب سے واقف نہیں
یار کو جھکواؤں گا اک دن چہِ سیماب میں
طاقِ ابروے صنم سے ہے اسے تشبیہ تام
برہمن سجدہ کریں گے کعبے کی محراب میں
گردشِ دوراں سے مردانِ خدا بے باک ہیں
نوح[۴] کی کشتی کو اندیشہ نہیں گرداب میں
سامنا اپنا کسی جنگل میں ہوگا موت سے
یاں کفن کے چور کا حصّہ نہیں اسباب میں
دن کو بیداری میں زندوں سے نہیں پاتا فراغ
رات بھر مردے نظر آتے ہیں مجھ کو خواب میں
آئنے میں عکس چشمِ یار کا عالم نہ پوچھ
دیکھ لے آتش کنول پھولے ہوئے تالاب میں

۲۶

[۱]یار قابو پر چڑھا میرے اندھیری رات میں
آبِ حیواں خضر کو ہاتھ آ گیا ظلمات میں
خال کا مجھ کو تصوّر، زلف کو میرا خیال
دانے کی تدبیر میں مَیں، دام میری گھات میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۶ ، جدید ص ۱۶۹ -

اور مجھ عریاں سے کیا ہاتھ آئے گا قزاق کو
جامۂ خاکی کو لے لے آسماں خیرات میں

جوشِ گریہ سے نشانِ سبزۂ مژگاں مٹا
سچ ہے ، جل جاتی ہیں اکثر بوٹیاں برسات میں

میں سمجھتا ہوں تجھے موجود اے جانِ جہاں
دہریوں کو شبہہ ہووے گا خدا کی ذات میں

روے گل پر دیکھ کر شبنم کو کہتا ہے وہ گل
کیا ہی پھبتی ہے کہ[1] کیڑا لگ گیا بانات میں

کس جگہ سودائی تیری چشمِ فتاں کے نہیں
سرمہ آتا ہے صفاہاں سے تجھے سوغات میں

ہونٹھ چٹواتی ہے اس شیریں دہن کی گفتگو
سن لیا مصری کی ڈلیوں کا مزہ ہے بات میں

پیسنے کو آتش شیدا کے گاتی باندھ کر
دلربائی ختم کی اس جانِ جاں نے گات میں

۲۷

[2]مرے دل کو شوقِ فغاں نہیں ، مرے لب تک آتی دعا نہیں
وہ دہن ہوں جس میں زباں نہیں ، وہ جرس ہوں جس میں صدا نہیں

نہ تجھے دماغِ نگاہ ہے ، نہ کسی کو تابِ جمال ہے
انھیں کس طرح سے دکھاؤں میں ، وہ جو کہتے ہیں کہ خدا نہیں

---

۱ - نول کشوری نسخوں میں ہے : "پھبتی ہے ، یہ کیڑا لگ گیا" ۔
علی بخش کے نسخے میں "کہ کیڑا لگ گیا" ہے ۔
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۷ ، جدید ص ۱۷۰ ۔

کسے نیند آتی ہے اے صنم ! ترے طاق ابرو کی یاد میں
کبھی آشنائے تہِ بغل ، سرِ مرغِ قبلہ نما نہیں
عجب اس کا کیا نہ سماؤں میں ، جو خیال دشمن و دوست میں[1]
وہ مقام ہوں کہ گزر نہیں ، وہ مکاں ہوں کہ پتا نہیں
یہ خلاف ہو گیا آسماں ، یہ ہوا زمانے کی پھر گئی
کوئی[2] گل کھلے بھی تو بو نہ دے ، کہیں حسن ہے تو وفا نہیں
مرضِ جدائی یار نے ، یہ بگاڑ دی ہے ہماری خو
کہ موافق اپنے مزاج کے نظر آتی کوئی دوا نہیں
مجھے زعفران سے زرد تر غمِ ہجرِ یار نے کر دیا
نہیں ایسا کوئی زمانے میں ، مرے حال پر جو ہنسا نہیں
مرے آگے اس کو فروغ ہو ، یہ مجال کیا ہے رقیب کی
یہ ہجومِ جلوۂ یار ہے کہ چراغِ خانہ کو جا نہیں
چلیں گو کہ سیکڑوں آندھیاں ، جلیں گر چہ لاکھ گھر اے فلک
بھڑک اٹھتے آتشِ طور پھر ، کوئی اس طرح کی دوا نہیں

۲۸

[3]تصوّر سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں
رہی ہے ایک تصویرِ خیالی روبرو برسوں
ہوا مہماں آ کر رات بھر وہ شمع رو برسوں
رہا روشن مرے گھر کا چراغِ آرزو برسوں
چمن میں جا کے بھولے سے میں خستہ دل کراہا تھا
کیا کی گل سے بلبل ، حیلۂ دردِ گلو برسوں

---

۱ - نول کشوری نسخوں میں ”دوست ہے“ -

۲ - بعض نسخوں میں ہے ”کہیں گل کھلے بھی تو بوند سے .“ علی بخش کے نسخے میں ہے : ”کوئی گل کھلے بھی تو بو نہ دے“-

۳ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۷ ، جدید ص ۱۷۰-

برابر جان کے رکھا ہے اس کو مرتے مرتے تک
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں
تلاشِ مشک میں چین و ختن کی خاک چھانی ہے
پھرے ہیں زلف کے سودے میں ہم آشفتہ موا برسوں
ملی ہے ہم کو بھی خم خانۂ افلاک میں راحت
سرہانے ہاتھ رکھ کر سوئے ہیں زیرِ سبو برسوں
بطِ مے کا شکار ابر و ہوا میں جا کے کھیلا ہے
کیا ہے غم غلط ہم نے کنارِ آب جو برسوں
شرابِ وصل سے اپنے چھکا اک چلّہ اے ساقی
پیا ہے جونک بن کر ہجر نے تیرے لہو برسوں
بسر کی مدّت العمر اپنی سیرِ باغ و بستاں میں
سنگھائی گل نے اس گل پیرہن کی ہم کو بو برسوں
دیا ہے حکم تب پیرِ مغاں نے سجدۂ خم کا
کیا ہے جب شرابِ ناب سے ہم نے وضو برسوں
فنا ہو جائے گی جان اپنی ، وہ نازک طبیعت ہوں
دُکھا کر دل مرا پچھتائے گا وہ تند خو برسوں
بہارِ گل گئے پر بھی نہ سودا جائے گا اپنا
ہمارا پیرہن پھٹ پھٹ کے ہووے گا رفو برسوں
نظر آیا نہ اک دن راہ میں وہ نور کا بکّا
اڑائی جس کی خاطر خاک ہم نے کو بہ کو برسوں
ملا ہے باوفا بھی کوئی ان لوگوں سے سچ کہنا
خراب اے دل رہا ہے کشورِ خوباں میں تو برسوں

---

۱ - نول کشور قدیم : "آشفتہ رو برسوں -"

یہی اب عزم ہے بالجزم دل میں ، یار کو ڈھونڈیں
تلاش اس شش جہت میں کر چکے ہم چار سو برسوں
اگر میں خاک بھی ہوں گا تو آتش گردباد آسا
رکھے گی مجھ کو سرگشتہ کسی کی جستجو برسوں

۲۹

[1]چاند سے منہ کو ترے یاد کیا کرتے ہیں
شبِ مہتاب میں فریاد کیا کرتے ہیں
صورتِ خواب فراموش ہے یاں عشقِ صنم
اپنے اللہ کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
شہر مسکن کبھی اپنا ، کبھی جنگل ماوا
سیرِ ویرانہ و آباد کیا کرتے ہیں
ایک سا ظاہر و باطن نہیں معشوقوں کا
پردۂ ناز میں بیداد کیا کرتے ہیں
شاعروں نے قدِ موزوں کو ترے دیکھا ہے
مصرعِ سرو پر ایراد کیا کرتے ہیں
صاحبِ حسن وہ صانع نے بنایا ہے تجھے
حسرتِ بندگی آزاد کیا کرتے ہیں
حال دیکھا ہے جنھوں نے کہ وہ میرا تجھ سے
حذر اے ظلم کی بنیاد کیا کرتے ہیں
لالہ و گل کا نشاں رکھتی نہیں گل چینی
باغباں باغ کو برباد کیا کرتے ہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۷ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۷ ، جدید ص ۱۷۱ ، بہارستان سخن ص ۱۲۵ -

کیا کہوں یار سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے
حضرتِ دل جو کچھ ارشاد کیا کرتے ہیں
دیکھیے کٹ چکے کب زیست کا اپنے یہ پہاڑ
دردِ سر صورت فرہاد کیا کرتے ہیں
بلبلوں کے جو گلے کھولے ہیں لا کر تہِ دام
چہچہے باغ میں صیّاد کیا کرتے ہیں
غم شبِ ہجر میں اپنے نہیں در پیش آتا
ذکرِ سے وصل کے دل شاد کیا کرتے ہیں
ذکرِ عاشق سے نہیں ایک دم اُن کو فرصت
ناز و انداز وہ ایجاد کیا کرتے ہیں
آتشیں نالوں کی اللہ رے گرمی شبِ ہجر
نرم تر موم سے فولاد کیا کرتے ہیں
سنتے ہیں شوقِ شہادت کا جو میرے شہرہ
یاد آتش تجھے جلّاد کیا کرتے ہیں

۳۰

[1]اُلجھا ہے دل بتوں کے گیسوے پُر شکن میں
آ گئی ہے جاے سبزہ کنگھی مرے چمن میں
لٹکیں گے دلو بن کر دل زلف کی رسن میں
دکھلائے گا پسینہ پانی چہِ ذقن میں
شیریں زباں ہوئی ہے فرہاد کے دہن میں
لیلیٰ پکارتی ہے مجنوں کے پیرہن میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۷ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۸ ، جدید ص ۱۷۲ -

عطرِ گلاب مَل کر، حلقے میں یار بیٹھا
بلبل پکڑنے آیا ، صیّاد انجمن میں
ذکرِ فقیر آگے اس بت کے بھولتا ہے
اب کی گرہ میں دوں گا زنّار برہمن میں
حاصل کیا ہے تو نے صدقے سے اس قدر زر
سونے کے بت بندھے ہیں بازوے برہمن میں
آیا تھا بلبلوں کی تدبیر میں ، گلوں نے
ہنس ہنس کے مار ڈالا صیّاد کو چمن میں
اک تختہ ہفت کشور دہلی کا ہے ہمارے
نو آسماں ہیں اپنے اکبر کے نو رتن[1] میں
دو روز ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا
بوے شبِ عروسی مہماں ہے پیرہن میں
قاتل کا میرے منکر میداں میں آ کے سن لے
آوازِ الاماں ہے اب تک بلند رن میں
میداں کیا گرا کر اشکوں نے گھر ہمارا
دکھلائی سیرِ غربت سیلاب نے وطن میں
چشمِ سیہ سے تیرے پردے میں توتیا کے
تعلیم ہونے آیا فتنہ فریب فن میں

---

۱ - اگر "اکبر کے نو رتن" سے مراد عہد جلال الدین اکبر کے نو امیر ہیں تو کوئی تاریخی قرینہ نہیں ، ورنہ ہو سکتا ہے کہ اکبر سے مراد شاہ اکبر ثانی ہوں جو ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۸۰۶ع کو تخت نشین ہوئے اور ۱۲۵۳ع مطابق ۲۸ ستمبر ۱۸۳۷ع کو دنیا سے رخصت ہوئے۔

ترک فلک ہے پنہاں ظاہر ہے ترک اپنا
عاقل جو ہو تو کر لے تمییز مرد و زن میں

چشم و کمر سے تیری چشم و کمر ملا دیں
چیتے میں کیا تکلّف کیا شاخ ہے ہرن میں

بازارِ مصر میں چل یوسف[۴] کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

بعدِ فنا رہے گا علم اپنا اپنے ہمرہ
مضمونِ مردہ ہم کو ہاتھ آئے گا کفن میں

اس کو دکھا کے تم نے اس پر جو تیر جوڑا
پہروں رہی لڑائی شیر اور کرگدن میں

دنیا کی زیب و زینت کفّار کو مبارک
ہندو کے مردے لپٹیں کمخواب و گلبدن میں

سنبل سے بال اس نے جس روز سے منڈائے
کنگھی دوا کی خاطر ملنے لگی چمن میں

آنکھوں کے سامنے سے دل کو مرے چرایا
خالِ سیہ ہے طرّہ اس سارق کے فن میں

دل میں خیالِ حسنِ محبوب روز و شب ہے
اترا ہوا ہے یوسف مہماں سرائے تن میں

معمورۂ حلاوت وادی ہے واصلوں کی
شکّر بھرے ہوئے ہیں مور و مگس دہن میں

بوسے میں لب کے ہنس کر دنداں دکھائے اس نے
بجلی گرائی مجھ پر تقدیر نے یمن میں

صحرا کو بھی نہ پایا، بغض و حسد سے خالی
ساکھو جلا ہے کیا کیا پھولا جو ڈھاک بن میں

کوئی نہیں ہے تیرا مقدور ہو تو آتش
دے رکھ اجور دست غسّال و گورکن میں

۳۱

'مضمون آہ کیا مرے دیوان سے دور ہوں
ممکن نہیں کہ سرو گلستاں سے دور ہوں
قاتل سے اپنے مرتبۂ عشق ہے مجھے
میرے لہو کے داغ نہ داماں سے دور ہوں
صاف اس قدر ہے چہرا ترا ، دیکھ کر جسے
رنج و ملال ، خاطر انساں سے دور ہوں
یا رب ! برا ہو اختر بخت سیاہ کا
اس چاندنی مین ہم مہ تاباں سے دور ہوں
پاتا ہوں اس قدر دل عالم سیاہ میں
شمع و چراغ گور غریباں سے دور ہوں
اے خضر ! ناگوار ہے پانی کا بھی سلوک
ہم تو کھڑے بھی چشمۂ حیواں سے دور ہوں
روباہ بازیوں سے فلک کے قریب ہے
شیروں کے نام دفتر سلطاں سے دور ہوں
پست و بلند شعر ہزاروں ہی ڈھل گئے
کیونکر یہ آسمان و زمیں یاں سے دور ہوں
آتش غم حسین[۴] میں رو ! ہنس رہا ہے کیا
سطریں کی سطریں نامۂ عصیاں سے دور ہوں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۸ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۹ ، جدید ص ۱۷۳ -

۳۲

[1]دل کی کدورتیں اگر انساں سے دور ہوں
سارے نفاق گبر و مسلماں سے دور ہوں
نزدیک آ چکی ہے سواری بہار کی
برگِ خزاں رسیدہ گلستاں سے دور ہوں
دل اس قدر گداز ہے ، برسوں ہی غم رہے
آنسو جو اپنے دیدۂ گریاں سے دور ہوں
مٹتا[2] نہیں نوشتۂ قسمت کسی طرح
جوہر کبھی نہ خنجرِ برّاں سے دور ہوں
فصلِ بہار آئی ہے کپڑوں کو پھاڑیے
دل کے بخار دست و گریباں سے دور ہوں
چھڑکاؤ کا ارادہ ہے چشمِ پُر آب کا
گرد و غبار کوچۂ جاناں سے دور ہوں
یہ تنگ کر رہا ہے تُو الجھا رہے ہیں وہ
دامن کے پاٹ پہلے گریباں سے دور ہوں
وحش و طیور کو مری آہیں کریں ہلاک
آب و گیاہ کوہ و بیاباں سے دور ہوں
ممکن نہیں نجات اسیرانِ عشق کو
یہ قیدی وہ نہیں کہ جو زنداں سے دور ہوں
مدّت کے بعد آئے ہیں صحرا میں اے جنوں !
دو آبلے تو خارِ مغیلاں سے دور ہوں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۸ ، نول کشور قدیم ص ۱۰۹ ، جدید ص ۱۷۳ -
۲ - نول کشور قدیم : ''ٹلتا نہیں'' -

گردش سے چشمِ یار کی آتش عجب نہیں
جو جو عمل کہ گردشِ دوراں سے دور ہوں

۳۳

تجھ سا کوئی زمانے میں معجز بیاں نہیں
آگے ترے مسیح کے منہ میں زباں نہیں
اس غیرتِ پری کا فسانہ کہاں نہیں
وہ بزم کون سی ہے کہ یہ داستاں نہیں
پروانوں کو جلائیں گے کھا کر سگ و ہما
شمعیں ہیں سوزِ غم سے مرے استخواں نہیں
عاشق کو دور جان، نہ اے ماہ پشتِ بام!
موجود ہے کمند اگر نردباں نہیں
کٹ جائے وہ زباں جو کہے شمع یار کو
ہرگز دہانِ یار سے باہر زباں نہیں
نیچی نگاہ ان کی ہے صیّاد کی کمیں
ٹٹّی شکار کی ہے، حجابِ بتاں نہیں
دو گوہر اک صدف میں ہزاروں جو ڈھونڈھیے
دو دل کا ایک سینے کے اندر مکاں نہیں
معلوم کچھ نہیں کہ چلی جاتی[2] ہے کہاں
ریگِ رواں سے کم مری عمرِ رواں نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۸، نول کشور قدیم ص ۱۰۹، جدید ص ۱۷۴، بہارستان سخن ص ۱۴۹ - ناسخ کی غزل کا مطلع ہے :
رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سر زمیں میں ہم ہیں، وہاں آسماں نہیں
۲ - نول کشور "چلے جاتے ہیں کہاں" -

بوسہ عزیز ہم سے کرے تو ہزار حیف
کتّے سے تیرے ہم کو عزیز استخواں نہیں

طاقِ بلند پر اسے رکھتا ہے آسماں
کلگی[1] تو تاج یار کی یہ کہکشاں نہیں ؟

دو چار زخمیوں کا بھی ہونا ضرور ہے
کوچہ ترا چمن ہے ، مگر ارغواں نہیں

بعد فنا کھلے گی تجھے قدرِ زندگی
کوڑی کے مول بکنے کے یہ استخواں نہیں

زانو وہ آئنے ہیں ، نہیں جن میں جائے زنگ
ساقیں تری وہ شمعیں ہیں جن میں دھواں نہیں

بختِ بلند رکھتے ہیں ، گردن بلند لوگ
کب پشتِ فیل و اسپ کے اوپر نشاں نہیں

رنگیں رہے گا خونِ شہیداں سے کوے دوست
فردوس کی بہار کو بیمِ خزاں نہیں

مطلب کی میرے یار نہ سمجھے تو کیا عجب
سب جانتے ہیں ترک کی ہندی زباں نہیں

نزدیک ناف تو ہے ، ذقن ہے اگرچہ دور
گر پڑ گڑھے ہی میں جو میسّر کنواں نہیں

اے دل ! نہ بے قرار ہو موقوف وقت ہے
مفلس نہیں میں قیمتِ یوسف[4] گراں نہیں

کس دشت میں کیا ہے قضا نے مرا گزار
گرد و غبار ہے اثرِ کارواں نہیں

---

۱ - طبع علی بخش اور بہارستان سخن میں ''کلگی'' درج ہے ۔ نول کشور :
''کلغی و تاج یا رہے یہ کہکشاں نہیں''

ہر مہ جبیں کا عرش کے اوپر دماغ ہے
کس کا بلند بام سے یاں آستاں نہیں
رکّھا ہے جب سے ہم نے تری راہ میں قدم
ان لعبتوں کو رتبۂ سنگِ نشاں نہیں
مشقِ خرامِ ناز تو کرتا ہے جس جگہ
ملتا زمیں کے پلٹے میں واں آسماں نہیں
آزاد ہو کے یادِ گرفتاری آئے گی
کنجِ قفس میں خار و خسِ آشیاں نہیں
آتش ہی بہرہ مند نہیں فیض سے ترے
اس خوان پر وہ کون ہے جو میہماں نہیں

۳۴

اخاک میں مل کے بھی ہوں گا نہ[۲] غبارِ دامن
کمرِ یار سے اٹھتا نہیں بارِ دامن
نہ تو دشمن کوئی میرا، نہ کوئی میرا دوست
بارِ خاطر نہ کسی کا، نہ غبارِ دامن
بسکہ رہتا ہے مرے دیدۂ تر پر شب و روز
ابر دامن ہے، رگِ ابر ہے تارِ دامن
تیرے دیوانے ہیں ہم چاکِ گریباں تب سے
جب کہ رہتا تھا تو اے طفل! سوارِ دامن

۱۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۱۹، نول کشور قدیم ص ۱۱۰، جدید ص ۱۷۵۔
۲۔ طبع علی بخش میں ہے :
"خاک میں مل کے بھی ہوں دار غبار دامن"

خون کے اپنے جو چھینٹے پڑے اُس پر قاتل !
سیرِ گلزار دکھا دے گی بہارِ دامن
چاک ہوگا نہ گریباں سے جب تک دہ چند
موسمِ گل میں نہ نکلے گا بخارِ دامن
فرقتِ یار میں اشکوں کو مرے روک سکے
آستیں کا ہے نہ یہ کام، نہ کارِ دامن
موسمِ گل کی ہوا چلتے ہی پاؤں کو مرے
خار کی طرح کھٹک جاتے ہیں تارِ دامن
وہ قبا پوش چمن میں جو کبھی جاتا ہے
گل گریباں کو کرتے ہیں نثارِ دامن
داغِ خون اپنے چھڑانے کا[1] نہیں وہ خوں ریز
بوٹی بن جائے گی قاتل کی کنارِ دامن
رشتہ دام سے تار اُس کا نہیں کم کوئی
خارِ صحرا کو سمجھتا ہوں شکارِ دامن
پائی جاتی ہے محبت مجھے اُن سے آتش
کھینچتے ہیں مرے دامن کو جو خارِ دامن

۳۵

[2]طفلی سے اور قہر ہوا وہ شباب میں
تابش ہو دوپہر کو فزوں آفتاب میں
گو عاشقوں میں نام سرِ فرد ہے رقم
بھولا ہے مجھ کو صاحبِ دفتر حساب میں

---

۱ - طبع علی بخش : ”داغ خوں اپنے چھڑانے کے نہیں وہ خوں ریز“ -
۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۰ ، جدید ص ۱۲۵ ، بہارستان سخن ص ۱۲۸ -

جلوے سے اس کے[1] نور جو بالاے بام ہے
یہ روشنی نہیں ہے فلک آفتاب میں
ٹٹی کی اوٹ میں وہ کیا کرتے ہیں شکار
منہ کو چھپائے رکھتے ہیں اپنے نقاب میں
ایسا بھنا ہے آتشِ فرقت میں دل مرا
سونگھو تو بوے گوشت نہیں اس کباب میں
آنکھ اپنی پڑنے کی نہیں اس رخ کو دیکھ کر
ذرے رہیں مشاہدۂ آفتاب میں
ابرو کا تیرے دیدۂ تر میں رہا خیال
دیکھا کیے ہلال کو ہم طشتِ آب میں
جب اشتیاق لکھا ہے خوں خوار یار کو
قاصد کا کشتہ آیا ہے خط کے جواب میں
کس کس کے دل میں نقش ہوا روے یار کا
کیا کیا نگیں کھدے، شرفِ آفتاب میں
ہوتے ہیں قتل طالبِ دیدار بے گناہ
عریانی تیغ کی ہے تمھارے حجاب میں
اس لالہ رو کے رخ کے پسینے کو سونگھیے
ایسی لطیف بو نہیں داغی[2] گلاب میں

---

۱ - نول کشور : ”جلوے سے تیرے“۔
۲ - مرزا محمد عسکری، مصحح کلیات آتش طبع ۱۹۲۹ع نے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں ”داغی گلاب“ ہی لکھا دیکھا ہے، لیکن موصوف اس سے مطمئن نہیں ہوئے اور لکھتے ہیں : ”یا داغی سے مراد چتی دار گلاب کا پھول ہے مگر یہ بالکل جدید چیز ہے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۵ پر)

خط کے یہ رونگٹے نہیں رخسارِ یار پر
بال آ گئے ہیں آئنۂ آفتاب میں

گلگونِ یار چال ہے چلتا بہار کی
گلہائے باغ رہتے ہیں اس کی رکاب میں

جانِ عزیز کرتے ہیں تم پر نثار ہم
دل کس شمار میں ہے ، جگر کس حساب میں

آنکھوں کو گور میں بھی رہے گا خیالِ یار
مشتاق ہوں زیارتِ یوسف[۴] کا خواب میں

نا فہم شاعروں نے کہا ہے جو ہیچ اسے
زلفوں سے وہ کمر ہے سوا پیچ و تاب میں

بے یار گھر نہیں لحد تنگ ہے مجھے
روز و شبِ فراق سے ہوں کس عذاب میں

مجھ مست کو بہار میں ہے آرزو یہی
دریا دلی سے ساقی کی تیروں شراب میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۴)

فن باغبانی کی زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور یا ''داغی گلاب'' سے سڑا ہوا گلاب مراد ہو سکتا ہے مگر اس میں بوے لطیف کہاں بلکہ خراب ہوتی ہے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ 'داغ گلاب' بغیر یاے تحتانی کے تھا ۔ اس صورت میں گلاب سے گلاب کا پھول نہیں بلکہ عرق گلاب مراد ہوگا ۔ (''حاشیہ کلیات آتش ص ۱۷۶) لیکن بہار عجم دیکھنے سے یہ غلط فہمی کسی حد تک دور ہو جاتی ہے کیوں کہ ''داغی شدن'' کے معنی ''رسوا شدن'' بتائے گئے ہیں ۔ لاہور کے جدید ایڈیشن میں داغ کو آب سے بدل دیا گیا ہے ۔

دریا سے کیا نہا کے پھرا ہے وہ بحرِ حسن
عالم میہ ہے چشمِ سفیدِ حباب میں

اے شہ سوار! گورِ غریباں میں آ نکل
اپنی بھی مشتِ خاک ہو تیری رکاب میں

دنیا سے رسم و راہ محبّت کی اٹھ گئی
سنتے ہیں اب تو عاشق و معشوق ڈاب میں

وہ مست ہوں، خمار سے جب دردِ سر ہوا
صندل لگایا میں نے رگڑ کر شراب میں

رخسار سے رہا دہنِ یار ناپدید
مطلب دقیق تھا، نہ سمایا کتاب میں

سرخ و سفید رنگ کیا جسمِ یار کا
میدا خمیر کرکے قضا نے شہاب میں

آ جائے شام سے تو نہ جانے دوں صبح تک
اس ماہِ چاردہ کو شبِ ماہتاب میں

بینی و چشم و لب رخِ رنگینِ یار پر
گلہائے چیدہ ہیں چمنِ انتخاب میں

آتش صنم بھی کرنے لگے بے نیازیاں
ہیں لاکھ شکر خدا کی جناب میں

۳۶

"خدا بخشے" صنم یہ کہہ کے مجھ کو یاد کرتے ہیں
دعائے مغفرت میرے لیے جلّاد کرتے ہیں

بہارِ رنگِ گلبرگِ خزانی یاد کرتے ہیں
جرس کی طرح سے واماندگاں فریاد کرتے ہیں

۱-کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۰، نول کشور قدیم ص ۱۱۱، جدید ص ۱۷۷ -

نوازش مجرمانِ عشق کی جلّاد کرتے ہیں
خدا اجر اُن کو دے اس کا ، اسیر آزاد کرتے ہیں
بلاے جاں ہیں پُتلے خاک کے بیداد کرتے ہیں
پری کو بند شیشے میں یہ آدم زاد کرتے ہیں
خدا محفوظ رکّھے دل کو اُن زلفوں کے سودے سے
گرفتارِ بلا یہ سلسلے آزاد کرتے ہیں
قفس میں جسم کے ، مرغِ دل اپنا سر پٹکتا ہے
کسی پازیب کے دانے کہیں فریاد کرتے ہیں
مکیں ہر معنی روشن ، مکاں ہر بیتِ موزوں ہے
غزل کہتے نہیں ہم چند گھر آباد کرتے ہیں
قدِ موزوں ، رخِ رنگیں دکھا ، قمری و بلبل پر
قیامت سرو ، گلہاے چمن بیداد کرتے ہیں
اکڑتا ہے بجا جو یہ سمجھ کر سرو اکڑتا ہے
جسے بندہ سمجھتے ہیں اُسے آزاد کرتے ہیں
عجب کیا ہے جو بوسے لوں میں پیشانیِ مجنوں کے
توجہ کس قدر شاگرد پر اُستاد کرتے ہیں
خدا جانے یہ آرائش کرے گی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئنے کو یاد کرتے ہیں
یہ شاعر ہیں الہی ! یا مصوّر پیشہ ہیں کوئی
نئے نقشے ، نرالی صورتیں ایجاد کرتے ہیں
شرابِ کہنہ سے آلودہ یوں ہوتے ہیں ہم مے کش
عروسِ نو سے قربت جس طرح داماد کرتے ہیں
خیالِ خط وصالِ بوسہ لب میں نہیں رہتا
عبارت بھول جاتی ہے جو مطلب یاد کرتے ہیں

بتوں کے عشق نے آخر دکھایا دل کو اُن کے بھی
برہمن پردۂ ناقوس میں فریاد کرتے ہیں
گنہ گاروں کو گردن مارتے ہیں حکم شارع سے
خیال اپنے گناہوں کا نہیں جلّاد کرتے ہیں
نبرد عشق میں اللہ حامی ہے غریبوں کا
پیادوں کی سوار غیب یاں امداد کرتے ہیں
قدم رہتا ہے ثابت جن کا اس سختی دوراں میں
بہادر ہیں وہی سر قلعۂ فولاد کرتے ہیں
قد موزوں دلبر کیونکر اُن اندھوں کو دکھلاؤں
ارادہ تاڑ سے بڑھ چلنے کا شمشاد کرتے ہیں
کڑے پن کو ہمارے خاکساری نے کیا زائل
وہ جوہر ہے یہ جس سے کشتۂ فولاد کرتے ہیں
زباں سے اپنی دیوانہ نہ کہہ اے ماہرو مجھ کو
وہی ہوتا ہے جو صاحب کمال ارشاد کرتے ہیں
وہ کافر ہے جو منکر ہے قد بالا کے کشتوں کا
یہ کن کی خاک سے نشو و نما شمشاد کرتے ہیں
کوئی ذرہ تو اس کا تا بہ دامن اُڑ کے پہنچے گا
یہ مشت خاک تیری راہ میں برباد کرتے ہیں
عجب نعمت عطا کی ہے خدا نے اہل غیرت کو
عجب یہ لوگ ہیں غم کھا کے دل کو شاد کرتے ہیں
کمر باندھی ہے گلچینوں نے غارت پر گلستاں کے
اجارہ بلبلوں کے خون کا صیّاد کرتے ہیں
پہنتے میں کفن میلا ہوا جاتا ہے اے **آتش**
سرائے گور ویراں ہے اسے آباد کرتے ہیں

۳۷

'لالہ' بے داغ تجھ سا کوئی گلشن میں نہیں
ایک بت اس حسن کا دیرِ برہمن میں نہیں
یاسمیں میں عالم اُس رخ کی صباحت کا کہاں
جو ملاحت خالِ مشکیں میں ہے، سوسن میں نہیں
باغ ہے بے یار اپنی آنکھ میں ماتم سرا
اشک ہیں شبنم کے قطرے گل کے دامن میں نہیں
فصلِ گل میں سامنا چاکِ گریباں سے نہ ہو
ہے نگہ بدبیں کی رشتہ چشمِ سوزن میں نہیں
خط کو رکھوا کر نہ کر اندھیر اے خورشید رُو
تیرہ شب ہے روشنی جب روزِ روشن میں نہیں
شہر سے جاتا ہوں میں دیوانہ صحرا کی طرف
سنگ ریزے اب کسی لڑکے کے دامن میں نہیں
تیرے دیوانوں کو نفرت ظاہر آرائی سے ہے
پاؤں میں بیڑی نہیں ہے، طوق گردن میں نہیں
ہڈیاں کھدوا کے پھنکوا دی ہیں اُس سفاک نے
عاشقوں کے مردے اپنے اپنے مدفن میں نہیں
جلوۂ خورشید کر جاوے گا، اس پر کارِ برق
قطرۂ شبنم ہیں دانے اپنے خرمن میں نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۱، نول کشور قدیم ص ۲۱۲، جدید ص ۱۷۸، بہارستان سخن ص ۱۳۱ - ناسخ کا مطلع ہے:
کیا وہ لالے میں ہے جو اس رشک گلشن میں نہیں
ہاں مگر داغ سیہ رخسار روشن میں نہیں

ٹھگ کی پھانسی سے، بلا حلقے ہیں زلفِ یار کے
ابروؤں کی کج ادائی تیغِ رہزن میں نہیں
چشمِ بدبیں کا نہیں اندیشہ حسنِ یار کو
کون سا ہے حرز جو بازو کے جوشن میں نہیں
گھر میں اس خورشید رو کے رہتی ہے حاضر صبا
ذرے کو پروانگی آنے کی روزن میں نہیں
بے چھری کرتے ہیں کافر عاشقوں کو اپنے ذبح
جوہرِ قصاب کس طفلِ برہمن میں نہیں
آب کے بدلے شرابِ سرخ نہروں میں بہا
باغباں جو پھول ہے وہ تیرے گلشن میں نہیں
شکر کے سجدے کا میرے سر کو سودا چاہیے
محو یادِ دوست میں ہوں ، فکرِ دشمن میں نہیں
موم کے مانند ہے ہرچند جسم اُن کا گداز
سینے کی سختی جو ڈھونڈھو سنگ و آہن میں نہیں
اشتیاقِ تیغِ قاتل کا نہ آتش حال پوچھ
جان کو دل بھیجتا کس روز گردن میں نہیں

۳۸

ممکن نہیں ہے دوسرا تجھ سا ہزار میں
ہوتا ہے اک بہشت کا دانا انار میں
بلبل نہ ہاتھ آئے الٰہی ! شکار میں
صیاد باغ باغ نہ ہووے بہار میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۲ ، جدید ص ۱۲۸ ، بہارستان سخن ص۱۳۵ ۔

اے ترکِ مست! بہرِ خدا صیدگاہ چل
آہو کباب ہوتے ہیں شوقِ شکار میں
افیونی کی نگاہ سے کی ہے کبھی جو سیر
باہر ہوئے ہیں پوست سے ہم لالہ زار میں
خونِ جگر سے اپنے غمِ دل ہوں پالتا
رکھتے ہیں طفلِ اشک کو مژگاں کنار میں
دکھلاتی ہے بہار خزاں میں بھی سیرِ باغ
پاتا ہوں تندخوئی کو اس گل کے خار میں
سودا نہ سر سے جائے گا گیسوئے یار کا
عامل کو پھانسی دیتا ہے یہ جن حصار میں
کیا کیا گلوں نے کان ہیں اپنے کھڑے کیے
آمد کو سن کے یار کی فصلِ بہار میں
تشبیہ دوں جو میں اسے دندانِ یار سے
ہیرے کی ہو چمک گہرِ آب دار میں
اے طفل تب سے شوقِ ہم آغوشی ہے ہمیں
گہوارہ جب کہ رکھتا تھا تجھ کو کنار میں
صحرائے تن کی سیر تو مجنوں ذرا کرے
محمل سوار ہے اسی گرد و غبار میں
کہہ دے کوئی یہ میرے تغافل شعار سے
وعدہ خلافی لاتی ہے فرق اعتبار میں
سودائے زلف و رخ میں نہیں ایک جا قرار
گاہے حلب میں ہوتے ہیں ہم، گہ تتار میں
آیا وہ مہر وش جو شبِ جمعہ قبر پر
دن کی سی روشنی ہوئی کنجِ مزار میں

جپتے ہیں اُس کے نام کو ہم سے ہزار ہا
تسبیح اپنے یار کی ہے کس شمار میں
جامِ شرابِ عشق سے دونوں ہیں بے خبر
بلبل چمن میں مست ہے، ہم کوے یار میں
پھرتا ہوں، پھیرتا ہے وہ پردہ نشیں جدھر
پُتلی کی طرح سے نہیں میں اختیار میں
گیسو و روے یار ہیں دونوں بلاے جان
ایک ایک سے زیادہ ہے ان گنج و مار میں
اک آفتابِ خانۂ زیں کا ہے اشتیاق
مانند گردِ راہ ہوں، فکرِ سوار میں
برباد ہو رہے ہو کچھ **آتش** تمھیں نہیں
مٹّی خراب اپنی بھی ہے اس دیار میں

۳۹

[1]پانی پانی نہ ہو خجلت سے تو انصاف نہیں
صاف ہے آئنہ، اُس رخ سے مگر صاف نہیں
شبِ یلدا میں ہے مریخ ستارہ نکلا
اے پری سرخ تری چوٹی میں موباف نہیں
جوہری دیکھ کے سینے کو ترے کہتے ہیں
تختی الماس کی اس سے کبھی شفّاف نہیں
دل فریبی کا نہیں کون سا انداز آتا
چھوڑتا جان کو عاشق کی وہ صرّاف نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۲، نول کشور قدیم ص ۱۱۲، جدید ص ۱۲۹ -

قامتِ یار کو دیکھے تو زمیں میں گڑ جائے
قد ہوا سرو کے ہو، وہ کمر و ناف نہیں

بند ہے سحر زبانی سے تری نطق مسیح[۴]
جو کہے تو ہے سزاوار تجھے لاف نہیں

وہ نگاہیں نہیں اگلی سی تمھاری ہم سے
حال پر اپنے وہ اشفاق، وہ الطاف نہیں

مصحفِ رو کی ترے کی ہے جو خط نے تفسیر
کس کو دکھلاؤں میں اس عہد میں کشاف نہیں

دولتِ وصل سے ہووے ہی گی اک روز فتوح
کون سی شب کو مرا ورد چہل کاف نہیں

داغ سودا کو لیے پھرتا ہوں بازاروں میں
پرکھے اس سکے کو ایسا کوئی صرّاف نہیں

دیکھ کر یار کو کہتا ہے یہ دل اے **آتش**
جان صدقے ہو نہ ایسے کی تو انصاف نہیں

۴۰

[۱]صدمے پہنچے ہیں ہمارے بازوؤں پر سیکڑوں
گم ہوئے ہیں اپنے یوسف[۴] سے برادر سیکڑوں

بے نیازی کے ہوں کشتے ناز پرور سیکڑوں
سوئیں شمشیرِ تغافل سے برابر سیکڑوں

عاشقِ مفلس تونگر حسن کی دولت کرے
سیر ہوں اس خوانِ نعمت سے قلندر سیکڑوں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۳، نول کشور قدیم ص ۱۱۳، جدید ص ۱۸۰ -

چشمِ مستانہ کی گردش سے تہ و بالا ہوں دل
عشق بازوں کی صفیں اُلٹیں یہ ساغر سیکڑوں
یہ سعادت لکھی ہے قسمت میں کس کی دیکھیے
خوں گرفتہ ایک میں ہوں اور خنجر سیکڑوں
جستجو اُس شوخ کی بدلے گی رنگ آسماں
سبع سیّارے سے پیدا ہوں گے اختر سیکڑوں
کون تجھ سا بادشاہِ وقت ہے آج اے صنم
کس کے کوچے میں فقیروں کے ہیں بستر سیکڑوں
کوے جاناں کی زمیں ہموار ہو اے آسماں
پا برہنہ پھرتے ہیں یاں خاک بر سر سیکڑوں
وہ رگِ سودا ہوں میں فرقت جنوں کے درمیاں
ٹوٹ کر رہ رہ گئے ہیں جس میں نشتر سیکڑوں
عید کی آمد ہے آرایش کی فکر اُس بت کو ہے
ہر طرح کے ہوتے ہیں تیّار زیور سیکڑوں
پھر گئے ہیں معرکوں میں مجھ سے تلواروں کے منہ
سخت جانی نے مری توڑے ہیں خنجر سیکڑوں
فقر کے کوچے میں قدرِ دولتِ دنیا نہیں
ٹھوکریں کھاتے ہیں یاں پارس سے پتّھر سیکڑوں
روندتا ہوں سبزۂ رہ کی طرح وہ بُوٹیاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں جن کو کیمیا گر سیکڑوں
میں ہی اپنے شوق کا نامہ اُسے لکھتا نہیں
اُڑ کے لے جانے کو حاضر ہیں کبوتر سیکڑوں
عاشقِ بے صبر کے دل کو نہ کیجے نا پسند
مالِ مفلس مول لیتے ہیں تونگر سیکڑوں

جلوہ گر ہے حسن ہر جا عاشقوں کے واسطے
خوب صورت رکھتے ہیں یہ ہفت کشور سیکڑوں
آستی ہے نعمتِ دنیا ملے تو شکر کر
مر گئے الجوع کہہ کہہ کر پیمبر[۴] سیکڑوں
شعر گوئی عشق میں اک چہرۂ زیبا کے کی
وصفِ خال خط میں لکھے ہم نے دفتر سیکڑوں
صاف آئینہ نہ بن سکتا ترے رخسار سا
اک سکندر کیا ، اگر ہوتے سکندر سیکڑوں
اس نشاں سے قد کے ہوں گے مردِ میداں شیفتہ
جاں نثاری پر کمر باندھیں گے لشکر سیکڑوں
انجمن تک تو بھی آ مکتب سے اے خوش قد پسر
باغ میں پہنچے ذخیرے سے صنوبر سیکڑوں
کھولنا آساں نہیں ہے کعبتینِ عشق کا
نقش سے اس کے ہیں مثلِ مہرہ ششدر سیکڑوں
فکرِ سنجیدہ نے دکھلائے ہیں کیا کیا آب و رنگ
اس ترازو میں تُلے ہیں لعل و گوہر سیکڑوں
مرغِ دل حاضر ہے ، وہ چشمِ سیہ مائل تو ہو
صدقے اس شاہیں کے اوپر سے کبوتر سیکڑوں
گل کی خوشبو پر نہ ہو جامے سے باہر عندلیب
سونگھے ہیں ہم نے بھی پیراہن معطّر سیکڑوں
بارہا برپا قیامت کی خرامِ یار نے
جاگ اٹھے فتنۂ خوابیدہ اکثر سیکڑوں
ہجر کی شب سے نہ ڈر ، اے طالبِ روزِ وصال
گنتے گنتے صبح کر دینے کو اختر سیکڑوں

چشمِ معنی آشنا میں ہے مقام آن کا وہی
سہوِ کاتب سے مقدّم ہوں موخّر سیکڑوں
بحرِ ہستی میں میں وہ کشتی ہوں جس نے پیشتر
شوق میں گرداب کے توڑے ہیں لنگر سیکڑوں
شوق ہو افشاں چھڑکنے کا تمھیں رخسار پر
تیغ میں ابرو کی پیدا ہوویں جوہر سیکڑوں
دل دیا چاہے تو آتش دل ربا موجود ہیں
خوب تر سے خوب تر ، بہتر سے بہتر سیکڑوں

۴۱

[۱]تری خوش چشمی کا افسانہ سناتا ہوں میں
خوابِ خرگوش سے آہو کو جگاتا ہوں میں
ہند سے دور جو کعبے کو سنا ہے میں نے
پھیر کھا کے ترے کوچے کو جاتا ہوں میں
سینہ صاف سے ہے آئینے کو رتبہ حاصل
جیسا ہووے کوئی ، ویسا نظر آتا ہوں میں
سرخ پوشاک پہنتا ہے تو کہتا ہے وہ تُرک
آنکھ مرّیخ لڑاوے تو لڑاتا ہوں میں
نعمت عشق بھی ممکن نہیں بے فضلِ خدا
شکر کرتا ہوں اگر داغ بھی کھاتا ہوں میں
ساقیا ! جام کو اللہ سلامت رکھے
یہ قدح میرا ہے ، خیر اس کی مناتا ہوں میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۴ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۴ ، جدید ص ۱۸۱ -

بے نقاب آتا ہے گلگشت کو وہ رشکِ بہار
بلبلوں کو چمنستاں سے اڑاتا ہوں میں

ساقیِ مے کدہ نے مجھ کو یہ خدمت دی ہے
نشے میں مست جو گرتا ہے، اٹھاتا ہوں میں

شمع کی طرح سے جلنے لگے، شعلہ ہو بلند
سوزشِ دل کو زباں پر نہیں لاتا ہوں میں

کوے مقصود کے سودے میں شب و روز آتش
جادے کی طرح تجھے راہ میں پاتا ہوں میں

۴۲

[1]دسترس شانے کے مانند جو پا جاتے ہیں
کوچۂ زلف میں جویاے بلا جاتے ہیں

عاشقوں کی ترے کوچے کو نہ کیونکر ہو رجوع
باغِ فردوس میں مردانِ خدا جاتے ہیں

اختیاری حرکت جان نہ مجبوروں کی
لیے جاتی ہے جدھر ہم کو قضا، جاتے ہیں

اے صنم آن کو کمر تک بھی خدا[2] پہنچا دے
دوش تک تو ترے گیسوے رسا جاتے ہیں

واہ ری بے بصری، واہ ری نا بینائی
صورت آباد سے مشتاقِ لقا جاتے ہیں

صبح نزدیک ہے، بیدار ہو، مل لے، غافل!
زہرہ و مشتری و ماہ و سہا جاتے ہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۴، نول کشور قدیم ص ۱۱۴، جدید ص ۱۸۱ -

۲ - نول کشور: ''بھی ذرا پہنچا دے'' -

زہر کھاتے ہیں طلب گارِ شہادت قاتل !
ہاتھ سے تیرے، ترے سر و پا جاتے ہیں
کنجِ زنداں سے ہوئی تنگ، مری وحشت سے
وہ زمیں، ہفت فلک جس میں سما جاتے ہیں
رنج یاں جن کو ہے آتش انھیں واں راحت ہے
اے خوشا حال جو دنیا سے خفا جاتے ہیں

۴۳

اتیرا نیازمند جو اے نازنیں ! نہیں
دونوں جہاں میں اس کا ٹھکانا کہیں نہیں
ہم بوسہ مانگیں اور کرے تو "نہیں نہیں"
انصاف چاہتا ہے یہ اے نازنیں ! "نہیں"
تیغِ برہنہ کب نہیں قاتل کے ہاتھ میں
کس وقت کہنیوں سے چڑھی آستیں نہیں
فعلوں سے کچھ غرض نہیں، مطلب ہے یار سے
نظارہ بازِ حسن ہوں، میں قبح بیں نہیں
سودا زدوں سے اپنے نہیں بے خبر وہ زلف
کب بندوبستِ سلسلۂ عنبریں نہیں
فرمانِ قدرتی میں ہے طغرائے قدرتی
رخسارِ شاہِ حسن میں چینِ جبیں نہیں
آنکھیں دکھاؤ تم تو شیاطین بھاگ جائیں
تیرِ شہاب ہے نگہِ خشمگیں نہیں
رخسار بادشاہ ہے دل مجھ فقیر کا
اتنا تفاوت اس میں ہے، چینِ جبیں نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۴، نول کشور قدیم ص ۱۱۴، جدید ص ۱۸۲ -

عمر گزشتہ کا کہیں لگتا نہیں پتا
بالاے آسماں نہیں ، زیر زمیں نہیں

پہنا کے تجھ کو دیکھتے اے جامہ زیب ! حیف
کلیاں قباے گل میں نہیں ، آستیں نہیں

کوئی مرے ، کوئی جیے ، مطلق نہیں خیال
تم سا بھی بے نیاز کوئی نازنیں نہیں

گل ہوتے ہیں بہار چمن سے چراغ عقل
کام آستیں کا کرتی ہے گو آستیں نہیں

ہم کو سنا کے کہتا ہے دل بھر کے جام عشق
جو چاہے پی لے ، زہر ہے یہ انگبیں نہیں

اللہ بے خبر نہیں بندوں سے ، بے خبر !
عالم سے غافل اپنے جہاں آفریں نہیں

آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹ اے خیال یار
تجھ سے کوئی عزیز دم واپسیں نہیں

دیتے ہو سیدھی بات کا الٹا ہمیں جواب
کیا دل پسند ہو ، سخن دل نشیں نہیں

دیکھا مساس کرکے صبا کی طرح بہت
نازک ترے بدن سے میاں یاسمیں نہیں

سوز فراق سے نہ کچھ آتش کا حال پوچھ
دم اژدہے کا ہے نفس آتشیں نہیں

۴۴

[1] رہتے ہیں ہم روز و شب کوچۂ دلدار میں
عمر بسر ہوتی ہے سایۂ دیوار میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۴ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۵ ، جدید ص ۱۸۲ -

دل نہ جہاں میں کسی چیز کا خواہاں ہوا
سیر ہی کو ہم مگر آئے تھے بازار میں
قیمتِ مالِ مزید، بیچتے ہیں جنسِ دل
کچھ بھی جو انصاف ہو چشمِ خریدار میں
نور کا بکا نہیں کوئی حسیں یار سا
روشنیِ مہر ہے، چاند سے رخسار میں
راستی آئی پسند دل کو قدِ یار کی
لطف کجی کا ملا ابروے خم دار میں
سیرِ ریاضِ جہاں رکھتی ہے دل کو اداس
بوے محبّت نہیں اک گلِ رخسار میں
کبک کی ہے یہ روش اور نہ طاؤس کی
اور ہی انداز ہے یار کی رفتار میں
کشورِ دل میں مرے یار ہے فرماں روا
سکّۂ یوسف[۴] چلے مصر کے بازار میں
سروِ سبک بار میں پیچشِ سنبل کہاں
فرق ہے آزاد میں اور گرفتار میں
عالمِ پیری میں شغل اس کا کرے آدمی
نشّہ جوانی کا ہے بادۂ گلنار میں
کافر و دیں دار ہیں فہم سے اپنی خلاف
رشتہ وہی ایک ہے سبحہ و زنّار میں
سرو کو لگا نہیں قامتِ دل چسپ سے
گل نہیں رخسار سا یار کے گلزار میں
یار کے اک پیچ کا اس میں تکلف نہیں
طرّۂ زریں کہاں لالہ کی دستار میں

ہجر کی طاقت نہیں دل کو مرے بعدِ وصل
زہر ملا لیجیے شربتِ دیدار میں
دیکھیے آتش قدم رکھتے ہیں ان پر وہ کب
آنکھیں بچھائیں تو ہیں ہم نے رہِ یار میں

۴۵

[1]گیسووں کا ترے سودا شعرا رکھتے ہیں
یہی باعث ہے جو یہ فکرِ رسا رکھتے ہیں
تابِ دیدار نہیں رکھتے ہیں ، یا رکھتے ہیں
چشمِ بینا ترے مشتاقِ لقا رکھتے ہیں
تیرے خونی کفنوں کی یہ ادا رکھتے ہیں
پھول لالے کے لباسِ شہدا رکھتے ہیں
دست و پا میں جو حسیں رنگِ حنا رکھتے ہیں
خون ہفتاد و دو ملت کا روا رکھتے ہیں
سچ تو یہ ہے کہ نہیں دوسرا تجھ سا کوئی
اے صنم جھوٹ نہ بولیں گے ، خدا رکھتے ہیں
کون سے پارۂ دل پر نہیں اک عشق کا داغ
یہ نگیں وہ ہیں کہ جو نقشِ وفا رکھتے ہیں
نرم کر دیں گے دلِ سختِ صنم کو دمِ سرد
شرط اُلفت کی بھی اعمالِ جزا رکھتے ہیں
قلزمِ عشق میں تنکے کا سہارا بھی نہ ڈھونڈھ
آسرا وہ نہیں لیتے جو خدا رکھتے ہیں

---

۱ - کلیات طبع دہلی بخش ص ۱۲۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۵ ، جدید ص ۱۸۳ -

روے خورشید پر افشاں کا جو عالم دکھلائیں
یہ شرف ذرّۂ خاکِ شہدا رکھتے ہیں
پاؤں کو منزلِ مقصود میں مضطر سمجھے
طاقت اٹھنے کی اگر دستِ دعا رکھتے ہیں
حالِ دل کہتا ہے یوسف[۴] نہیں سنتا کوئی
گوش کر قافلے والوں کے درا رکھتے ہیں
محتسب عقل جو رکھتا ہے تو خم خانے نہ جا
شیشہ و جام مئے ہوش ربا رکھتے ہیں
لا مکاں دیر و حرم میں نہیں ہاتھ آنے کا
پاؤں توڑیں وہ جو یہ سر میں ہوا رکھتے ہیں
جامہ زیبوں سے میں تشبیہ گلوں کو کیا دوں
جس میں اک بند نہیں ، وہ یہ قبا رکھتے ہیں
تیرے صدقے کا سمجھتے ہیں مگر چوراہا
چار ابرو کو یہ آزاد صفا رکھتے ہیں
بحرِ الفت میں تباہی کا ہے اندیشہ کسے
نا خدا جو نہیں رکھتے ، وہ خدا رکھتے ہیں
عارضی حسن دو روزہ ہے یہ منڈ جاویں گے
عمر کوتہ ترے گیسوے رسا رکھتے ہیں
دہنِ یار کو ہم تو نہ کہیں جوہرِ فرد
منطقی اس میں جو حجت کریں ، جا رکھتے ہیں
جسمِ خاکی کے تلے جسمِ مثالی بھی ہے
اُک قبا اور بھی ہم زیرِ قبا رکھتے ہیں
خوں جگر ہوتا ہے جو سنتا ہے رو دیتا ہے
درد آمیز فقیر اُس کے صدا رکھتے ہیں

اپنے ہر شعر میں ہے معنیِ تہ دار آتش
وہ سمجھتے ہیں جو کچھ فہم و ذکا رکھتے ہیں

۴۶

[1]خانہ خراب نالوں کی بل بے شرارتیں
بہتی ہیں پانی ہو ہو کے سنگیں عمارتیں

سر کون سا ہے جس میں کہ سودا نہیں ترا
ہوتی ہیں تیرے نقشِ قدم کی زیارتیں

خانہ ہے گنجفے کا ہر اک قصر شہرِ عشق
گھر گھر ہیں بادشاہیاں ، گھر گھر وزارتیں

دیدارِ یار برقِ تجلّی سے کم نہیں
بند آنکھیں ہوں گی ، دیں گی دعائیں بصارتیں

آنکھوں میں اپنی دولتِ بیدار ہیں وہ خواب
ہوتی ہیں تیرے وصل کی جن میں بشارتیں

کہتے ہیں مادر و پدرِ مہرباں کو بد
کرتے ہیں وہ جو ارض و سما کی حقارتیں

گویا زباں ہو تو کرے شکر آدمی
سمجھے جو تو تو کرتے ہیں یہ گنگ اشارتیں

زیرِ زمیں بھی یاد ہیں ہفت آسماں کے ظلم
بھولا نہیں میں سنگ دلوں کی شرارتیں

---

۱ ۔ کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۶ ، جدید ص ۱۸۵ ۔

خضر۴ و مسیح۴ کاٹتے ہیں رشک سے گلا
تو بھی تو کر شہیدوں کی اپنے زیارتیں
عالم کو لوٹ کھایا ہے اس پیٹ کے لیے
اس غار میں گئیں ہیں ہزاروں ہی غارتیں
باقی رہے گا نام ہمارا نشاں کے ساتھ
اپنی بھی چند بیتیں ہیں ، اپنی عمارتیں
اہلِ جہاں کا حال ہے کیا ، تم سے کیا کہیں
بدگوئیاں ہیں پیچھے ، تو منہ پر اشارتیں
نقش و نگارِ حسنِ بتاں کا نہ کھا فریب
مطلب سے خالی جان لے تو یہ عبارتیں
عاشق ہیں ہم کو مدِّ نظر کوے یار ہے
کعبے کی حاجیوں کو مبارک زیارتیں
ایسی خلاف ہم سے ہوئی ہے ہوائے دہر
کافور کھائیے تو ہوں پیدا حرارتیں
آتش یہ شش جہت ہے مگر کوچہ یار کا
چاروں طرف سے ہوتی ہیں ہم پر اشارتیں

۴۷

'اس شش جہت میں خوب تری جستجو کریں
کعبے میں چل کے سجدہ تجھے چار سُو کریں
عاشق جو حسنِ پاک میں کچھ گفتگو کریں
دامن کا پیچھے نام لیں ، پہلے وضو کریں

۱ ۔کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۶ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۷ ، جدید ص ۱۸۵ ۔

شرمندہ ہوں زمیں میں گڑیں ، سرخ رو کریں
اِستادگی جو سرو ترے رو برو کریں
پیدا کریں جو تجھ کو انھی کو ہے دسترس
پا مرد ہیں وہی جو تری جستجو کریں
لے جا چکی چمن میں صبا بوے زلفِ یار
سنبل کے سلسلے کو بھی برہم وہ مو کریں
افسانہ گوئی افعیِ گیسوے یار میں
خاموش ہوں چراغ جو ہم گفتگو کریں
دیوانگی کا سلسلہ جاوے نہ ہاتھ سے
دامن کو پھاڑ لیں جو گریباں رفو کریں
اے بادشاہِ حسن ! فقیروں کی طرح سے
عاشق دعاے خیر تجھے کُو بہ کُو کریں
دیدارِ عام کیجیے ، پردہ اٹھائیے
تا چند بندہ ہاے خدا آرزو کریں
مستی میں مجھ سے بے ادبی ہوگی یار سے
مجھ کو گناہ گار نہ جام و سبو کریں
دیوانِ حسن میں سے ہوئی ہے یہ انتخاب
عاشق مزاج سیرِ بیاضِ گلو کریں
وردِ زباں ہے روز و شب آن کی ثناے حسن
شایاں ہے جس قدر کہ یہ شاعر غلو کریں
لکھ دیتے ہیں حسینوں کو ہم خطِ بندگی
مشقِ ستم کو ترک جو یہ تند خو کریں
حیرانِ کار ہوں ترے رخسارِ صاف کا
سکتہ ہو آئنہ جو ترے رو برو کریں

مرغِ چمن ہوں زمزمہ پیرا بہار آئے
ہنگامہ گرم شیفتۂ رنگ و بو کریں
تاثیر وار لوگ ہیں اللہ کے فقیر
سنگِ صنم ہوں آب جو ہم ذکرِ ہُو کریں
موجود گو کہ تو ہے ، مگر چاہتا ہے شوق
آوارہ ہوں ، تلاش تری چار سو کریں
آتش یہ وہ زمیں ہے کہ جس میں ہے قولِ **درد**
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

۴۸

'عاجز نہ ہو تصوّرِ حسن و جمال میں
مہندی بندھی نہیں ترے پائے خیال میں
نسبت نہیں حسینوں[۲] کو تجھ سے جمال میں
بُو مشک کی ہے زلف میں ، عنبر کی خال میں
آتی ہے کوہِ سوختۂ طور سے صدا
نظارۂ جمال غضب ہے جلال میں
لوٹ گناہ کا جو کبھی آ گیا ہے دھیان
غوطے لگائے ہیں عرقِ انفعال میں
حسرت ہی آنکھ کو رہی اس سبزہ رنگ کی
ریحاں ہرا ہوا نہ کبھی اس سفال میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۷ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۷ ، جدید ص ۱۸٦ -
۲ - کلیات طبع نول کشور کے نسخوں میں ہے : ''نسبت نہیں حسین کو'' لیکن نسخۂ علی بخش میں ''نسبت نہیں حسینوں کو'' ہے -

تسبیح تو نے ڈال کے گردن میں اے صنم!
کھینچا ہُما کو مرغِ مصلّیٰ کے جال میں

جور و جفائے یار سے ترکِ وفا نہ کر
لطف اس معاملے کا نہیں انفصال میں

آن ابروؤں سے بڑھ نہ چلیں وہ مسیں کہ ہم
ان چار خلط کا ہے مزا اعتدال میں

دورِ شراب حلقۂ بیرونِ در ہے یاں
اِس بزم میں ہے مست ہر اک اپنے حال میں

پیدا کرے جو تیرے سگِ کو کی منزلت
طوقِ طلائی ہووے گلوئے غـزال میں

آتی ہے باغ سے تو صبا سے ہوں پوچھتا
کتنے شگوفے آئے ہیں، کس کس نہال میں؟

دکھلاؤ اپنی آنکھوں کے انداز و ناز بھی
برسوں رہے مشاہدۂ خط و خال میں

زنداں سے چھٹ کے چاہیے ہونا عزیزِ مصر
تعبیر خواب کی رہے یوسف[ؑ] خیال میں

پرزے بہار میں ہو گریباں تو شکر کر
ہوتی ہے خیر جان کی نقصانِ مال میں

مثلِ صبا اڑا دے اسے اے جالِ دوست!
تا چند ہم دبے رہیں گردِ ملال میں

ایسی پلا کہ بے خبری ہووے ساقیا!
اب تک نہ امتیاز ہے دُرد و زُلال میں

رخسار میں ہے چودھویں کے چاند کی چمک
کافر ہو جس کو شک ہو تمھارے کمال میں

موجود سمجھے صبر کو کیا عشق ِ بد بلا
یہ دیو و جن کو بھی نہیں لاتا خیال میں

پوچھیں جو کچھ کہ پوچھنا ہو منکر و نکیر
عاجز نہیں ہوں میں بھی جواب و سوال میں

بھولیں گے عیش میں بھی نہ آتش غم و الم
یاد آئیں گے فراق کے صدمے وصال میں

۴۹

[1]گل کو نظر سے اشک ِ خونی اُتارتے ہیں
گلچیں ہمارے آگے دامن پسارتے ہیں

شانے سے جب وہ اپنی زلفیں سنوارتے ہیں
سنبل کو اور مشک و عنبر کو وارتے ہیں

یہ کہہ کے گشت ِ گل پر اُن کو اُبھارتے ہیں
سیر ِ چمن کو چلیے ، بلبل پکارتے ہیں

مردے وہ زندہ کرتے ، زندوں کو مارتے ہیں
اِس کو بگاڑتے ہیں ، اُس کو سنوارتے ہیں

ہستی سے تنگ حلقہ اُس ناف کا ہے کرتا
سوے عدم کمر کے جویا سدھارتے ہیں

مشتاق ِ ہم کناری مَلتے ہیں ہاتھ کیا کیا
تن تن کے جب وہ اپنا سینہ اُبھارتے ہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۲۸ ، نول کشور قدیم ص ۱۱۸ ، جدید ص ۱۸۷ -

وہ دل پسند ہے تو ، جب دیکھتے ہیں تجھ کو
کرتے ہیں گنگ اشارے ، گویا پکارتے ہیں
بے تاب دل کو تسکیں ہوتی ہے دید خط سے
وہ بوٹی ہے یہ جس سے ، پارے کو مارتے ہیں
قائل ہوں میں تو اپنے نالوں کی گرمیوں کا
داغوں کو میرے دل کے کیا کیا ابھارتے ہیں
دریاے رحمت اُس کا غالب کہ موجزن ہو
تقصیر وار 'توبہ توبہ' پکارتے ہیں
دن رات کھیلتے ہیں باہم قمارِ اُلفت
وہ ہم سے جیتتے ہیں ، ہم اُن سے ہارتے ہیں
شیریں لبوں کے اوپر رال اپنی ہے ٹپکتی
بوسے کا نام سن کر ہم منہ پسارتے ہیں
سینے کے اوپر اپنے گل کھائیں گے تمھارے
چھلّوں سے اُس پری کے یہ قول ہارتے ہیں
اُس گل سے رخ کے اوپر ، کرتے ہیں گل کو صدقے
اُس زلفِ سنبلیں پر سنبل کو وارتے ہیں
رو رو کے دل کو خالی کرتے ہیں جس جگہ ہم
دریا کی طرح چشمے واں موج مارتے ہیں
رہتی ہے اک پریشاں حالی و بد دماغی
سودے میں گیسوؤں کے سر دے دے مارتے ہیں
پوشاک ہر طرح کی حاضر ہے کشتیوں میں
اس کو پہنتے ہیں وہ ، اُس کو اُتارتے ہیں
جاتے ہیں عاشق اُس کے کوچے کے گرد پھرنے
بہرِ طوافِ کعبہ حاجی سدھارتے ہیں

دم دے انھیں بھی وہ بت آن کا بھی دل پکا دے
زاہد کہاں اپنی شیخی بگھارتے ہیں
مردِ فقیر 'حق حق' کرتے ہیں بوریے پر
شیر اپنے نیستاں میں آتش ڈکارتے ہیں

٥٠

اُخمِ الملک سے بھروں وہ شراب شیشے میں
یقیں ہو ذرّوں کو ہے آفتاب شیشے میں
ہنوز ہے کئی ساغر شراب شیشے میں
ہنوز باقی ہے اپنا حساب شیشے میں
وہ میرزا منش آ نکلے شاید اے ساقی!
شرابِ چیدہ رہے انتخاب شیشے میں
ہماری گھر میں ہے شب کو بھی روشنی دن کی
کرم سے ساقی کے ہے آفتاب شیشے میں
خزاں میں مرغِ چمن مے کدے کے ساکن ہوں
بہار رکھتی ہے گلگوں شراب شیشے میں
زلال نوش ہوں میں مست ، دور میں میرے
رہے گی دُزد کی مٹّی خراب شیشے میں
وہ پیرہن میں ترے رنگِ سرخ کو دیکھے
بھرا نہ دیکھا ہو جس نے شہاب شیشے میں

---

١ - کلیات طبع علی بخش ص ١٢٨ ، نول کشور قدیم ص ١١٨ ، جدید ص ١٨٨ ، بہارستان سخن ص ١٣٨ - ناسخ کا مطلع ملاحظہ ہو :

بہار آئے بھروں اب شراب شیشے میں
اتاروں مثل پری آفتاب شیشے میں

کھلی ہے چاندنی مے بیچیے تو موقع ہے
طلوعِ ماہ ہے اور آفتاب شیشے میں
ہر ایک مست کی ھُو حق ہے نالۂ بلبل
شراب شیشے میں ہے یا گلاب شیشے میں
بتائے رکھتے ہیں ساقی اگر دیا چاہے
سوال کا ہے ہمارے جواب شیشے میں
سفید مُو ہوئے ترکِ قدح کشی کیجے
عوض شراب کے رکھیے خضاب شیشے میں
یہ ہم سے نشّے میں ہووے گی بے محل حرکت
شراب پی کے بھریں گے کباب شیشے میں
وہ ترک آئے تو دورے میں اپنے حاضر ہے
کباب سیخ پر آتش ، شراب شیشے مین

۵۱

شرف بخشا گُہر کو صرف کرکے تو نے زیور میں
نگیں کو نام نے تیرے بٹھایا خانۂ زر میں
یہ کیفیّت اُسے ملتی ہے ہو جس کے مقدّر میں
مئے اُلفت نہ خُم میں ہے ، نہ شیشے میں ، نہ ساغر میں
رہا کرتا ہے نظمِ شعر کا سودا مرے سر مین
عروسِ فکر ان روزوں لدی رہتی ہے زیور میں
تکلّف بر طرف اے نازنیں ! موقوف آرائش
نزاکت سے دبا جاتا ہے کیوں پھولوں کے زیور میں ؟

---

١ - کلیات طبع علی بخش ص ١٢٩ ، نول کشور قدیم ص ١١٩ ، جدید ص ١٨٩ ، بہارستان سخن ص ١٣٧ -

کریں گے سیر شب کو کیمیا گر تیرے کوچے کی
بھگودیں گے فتیلے روغنِ گو گردِ احمر میں
قیامت تک یہی گردش رہے گی روز و شب اُن کو
مہ و خورشید حسنِ یار سے آئے ہیں چکّر میں
مرے ویرانے کی حد میں کبھی اُڑ کر جو آ نکلے
پلاؤں چغد کو پانی ہما کے کاسۂ سر میں
تفنگِ یار کے چھرّوں کی عالم کو تمنّا ہے
یہ لوہے کے چنے ہیں ، دیکھیے کس کے مقدّر میں
نکل کر کنجِ عزلت سے نہ کر ہنگامہ افروزی
شرر یاقوت کا ہم سنگ ہے جب تک ہے پتّھر میں
کرے بوٹا سا قد ہرچند پیدا اس کی موزونی
ترے کانوں کے پتّوں سی کہاں پتّی صنوبر میں
شرف اللہ نے بخشا ہے آدمؑ پر محمدؐ کو
فضیلت ہے مقدّم سے زیادہ یاں موخّر میں
جہاں چاہے بسر اوقات کر لے چار دن بلبل !
چمن میں آشیانہ ہے ، قفس صیّاد کے گھر میں
خدا چاہے تو نالوں سے مرے پگھلے دل اُس بت کا
یہ شان اُس کی ہے ، نرمی موم کی پیدا ہو پتّھر میں
نہ جب تک ہم پیالہ ہو کوئی بھی مے نہیں پیتا
نہیں مہماں تو فاقہ ہے خلیلؑ اللہ کے گھر میں
الٰہی ! بازوے قاتل میں زورِ دستِ قدرت دے
روانی ہے اسی کے دم سے آبِ خشک خنجر میں
لبِ لعلیں کو تیرے وصل کی شب ہم نے چوسا ہے
نہ ہوں گے تشنگی سے ہونٹھ اپنے خشک محشر میں

دگرگوں عشقِ حسنِ یار سے ہے رنگ عالم کا
کوئی چہرہ بحال اب ہم جو سنتے ہیں تو دفتر میں
کیا شمشیر کی صورت نہ اک عاشق کو دو ٹکڑے
نہ پائے جوہرِ انصاف قاتل تیرے خنجر میں
دہن اے حور! ہے تیرا بعینہ چشمہ جنّت کا
تبسّم سے ترے لیتی ہیں لہریں موج کوثر میں
خیالِ بام سودا ہے ترے دروازے تک پہنچے
پرِ جبریل[۴] پیدا ہوں جو بازوے کبوتر میں
تری تلوار دکھلا دے بہارِ باغ اے قاتل!
لہو سے میرے گل پھولیں چمن بندی کے جوہر میں
رہا منظور خاطر خاتمہ بالخیر عاشق کا
کوئی چیونٹی موئی تو اس کو گاڑا میں نے شکّر میں
وہ ترکِ چشم دیکھیں، ملکِ دل غارت کرے کس کا
رہا کرتی ہے صف بندی بہت مژگاں کے لشکر میں
وہی تاثیر دے گا آتشیں نالوں میں بھی اپنے
لیاقت دی ہے جس نے شیشے کے بننے کی پتّھر میں
ڈراتا ہے بہت رندوں کو ذکرِ نارِ دوزخ سے
تماشا ہو، جلے واعظ، لگ اٹھّے آگ منبر میں
یہ راہ و رسمِ خود بینی حسینوں میں ہے مدّت سے
کھلے تھے جوہر اس آئینے کے عہدِ سکندر میں
خیال آتا ہے جنّت کا تو آنکھوں میں ہیں پھر جاتی
وہ شہد و شیر کی نہریں، زمینِ مشک و عنبر میں
نہ اٹھنے دیں گے جب تک بت جواہر کا نہ لے لیں گے
برہمن کو بٹھایا ہم نے جب قصّاب کے گھر میں

مآلِ کار کی صورت بھی آنکھوں کو نظر آتی
لگا دینا تھا اک آئینہ بھی قبرِ سکندر میں
نہایت حرص مے ہے زندگی میں مجھ قدح کش کو
یقیں ہے نشہ رہ جائے مرے مٹی کے ساغر میں
ترے دانتوں کا دھوکا دے چکا تھا میری آنکھوں کو
صفا تو تھی چمک ہیرے کی بھی ہوتی جو گوہر میں
قناعت دی ہے مثلِ قبر مجھ کو خاکساری نے
رہوں گا باغ باغ آتش میں اک پھولوں کی چادر میں

۵۲

[1]عجب چشمِ سیہ کا ہے رخِ رنگین جاناں میں
تماشا ہے عوض بلبل کے شاہیں ہے گلستاں میں
وہ چشمِ سرمگیں ہے فتنہ پردازی کے ساماں میں
کھنچی رہتی ہے تیغ ابرو کی صف بندی ہے مژگاں میں
یہ مجھ دیوانے کو راحت ملی ہے سنگِ باراں میں
کہیں ہوں جمعہ کو ہوں گا میں بازی گاہِ طفلاں میں
پری پیکر نہیں اُس دلربا سا قومِ انساں میں
فلاطوں کو کرے دیوانہ ، جا نکلے جو یوناں میں
ہمیشہ تلوے کھجلایا کیے شوقِ بیاباں میں
رہی نالاں ہمارے پاؤں سے زنجیرِ زنداں میں
جنونِ پردہ در دکھلا رہا ہے داغ سینے کے
تماشائے چمن ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

۱- کلیات طبع علی بخش ۱۳۰ ، نول کشور قدیم ۱۲۰ ، جدید ۱۹۰ ،
بہارستان سخن ۱۳۱ -

یہ مجھ دیوانے کی زنجیر سے آواز آتی ہے
وہ کیچڑ میں پھنسا ہے جو ہے آب و گل کے زنداں میں

جب آیا سامنے غم نوش بے صرفہ کیا اُس کو
نہ فرق آیا ہماری اشتہائے زیرِ دنداں میں

گرفتاری میں آزادی کی کیفیت رہی حاصل
رہا جامے سے باہر اپنے ، میں دیوانہ زنداں میں

خدا کے کارخانے میں نہیں مدِ نظر تجھ سا
لگے ہیں پردہ ہائے چشمِ عاشق تیرے ایواں میں

فقیری میں بخارِ دل جو نالوں سے نکالا ہے
بہا ہے موم ہو کر آہنِ زنجیر زنداں میں

جو ہوگا دسترس اپنا کبھی شانے کی صورت سے
ملیں گے عطر مجموعے کا اس زلفِ پریشاں میں

شبِ آدینہ چلیے اپنے کشتوں کے مزاروں پر
چراغِ حسن روشن کیجیے گنجِ شہیداں میں

گلوں کا حسن بلبل بے چھری کے ذبح کرتا ہے
ہوا اُس ترک کے کوچے کی چلتی ہے گلستاں میں

ہوئی ہے روح ناطاقت نہایت ، سونگھ کر دیکھیں
سنی ہے سیب کی بو ہم نے اُس گل کے زنخداں میں

بہارِ گل کی جو دیوانگی یاد آئی آنکھوں کو
بہت رویا میں منہ کو ڈال کر اپنے گریباں میں

دُرِ دندان و لعلِ لب کے مضموں لکھتے ہیں **آتش**
جواہر خانہ ہے ہر بیتِ موزوں اپنے دیواں میں

۵۳

الپٹ کر سوئیے اُس آتشیں رو سے زمستاں میں
نکل کر سنبلہ سے آفتاب آیا ہے میزاں میں

عجب کیا مارِ مہرہ ہو جو گوشِ یار کا موتی
الجھ جاتا ہے اکثر حلقۂ گیسوے پیچاں میں

نقابِ یار سے کہہ دے کوئی اندھیر سے باز آ
چھپائے رکھے گا کب تک چراغِ مہر داماں میں

کرم کا جوش جو آ جاتا ہے ابرِ بہاری کو
ڈبو دیتا ہے طاؤسِ چمن دریاے باراں میں

نہیں مشتاق دل کب اُس عزیزِ جاں کے آنے کا
ہمیشہ سوے در رہتی ہیں آنکھیں شوقِ مہماں میں

گیا ہوں جوشِ وحشت میں جو اُڑ کرمثلِ پروانہ
دکھائے ہیں چراغِ چشم غولوں نے بیاباں میں

نزاکت برگِ گل کی رکھتے ہیں لب لعل کی سرخی
صفا موتی کی ہیرے کی چمک ہے تیرے دنداں میں

کھنچے کیونکر نہ یار اپنی طرف جذبِ محبّت سے
پری کو یہ عمل کر دیتا ہے قابوے انساں میں

۱- کلیات طبع علی بخش ص ۱۳۰ ، نول کشور قدیم ص ۱۲۰ ، جدید ص ۱۹۱ ، بہارستان سخن ص ۱۳۳ - بحر ہزج مثمن سالم ، مفاعیلن آٹھ بار - ناسخ کی غزل کا مطلع ہے :

دل پر داغ آویزاں ہیں اس کی زلف پیچاں میں
ہوئے ہیں پھول یا لالے کے پیدا سنبلستاں میں

ہمارے اشک کے قطرے ہیں حاضر آب گوہر سے
بھرا چاہے جو پانی وہ صنم چاہِ زنخداں میں

کبھی تو دور ہوگا گھونگھٹ اُس رخسارِ رنگیں سے
کہاں تک غنچہ رکّھے گا بہارِ گل گریباں میں

ہر اک عضوِ بدن بے مثل ہے اُس حور پیکر کا
جواب اپنا نہیں رکھتا ہے، جو سورہ ہے قرآں میں

صدا یہ سر زمینِ کوچۂ قاتل سے آتی ہے
شگوفہ پھولتا ہے ، اِک نیا روز اس گلستاں میں

تباہی میں ہے لازم ، یادِ حق ، اہلِ توکل کو
خدا پر چھوڑتا ہے نا خدا کشتی کو طوفاں میں

تماشا ہے جو چشمِ بلبل و پروانہ سے دیکھے
عجب شمعیں ہیں محفل میں، عجائب گل گلستاں میں

گہر سے آب دار آتش ہو منہ سے بات جو نکلے
تکلف شرط ہے آویزۂ گوشِ سخنداں میں

۵۴

[1] توڑیے توبہ کو ، کیجے بادہ خواری اِن دنوں
موسمِ گل ہے ، کہاں پرہیزگاری اِن دنوں

تیغِ ابرو سے ہے شوقِ زخمِ کاری اِن دنوں
نیم بسمل کی طرح ہے بے قراری اِن دنوں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۳۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۲۱ ، جدید ص ۱۹۲ -

جاں بلب رکھتا ہے اِک رشکِ مسیحا کا فراق
دم نکل جاوے ، یہ حالت ہے ہماری اِن دنوں

شوقِ آرائش ہے اُس جانِ جہاں کو آج کل
لپٹی ہی رہتی ہے دامن سے کناری اِن دنوں

دوڑتے ہیں ہم جلو میں ایک شاہِ حسن کے
توتیاے چشم ہے گردِ سواری اِن دنوں

لَو لگی ہی تیغِ قاتل سے ، شہادت کا ہے شوق
خوں ہے زخموں کی طرح آنکھوں سے جاری اِن نوں

روز و شب کرتا ہے وہ محبوبِ گل اندام رقص
اُڑتی ہے ٹھوکر سے دامن کی کناری اِن دنوں

کاہشوں سے عشق کے ایسا ہوا ہوں ناتواں
رات سے بیمار کی بھی دن ہے بھاری اِن دنوں

فصلِ گل ہے ، یاد آتی ہے مجھے رفتارِ یار
چلتی ہے بن بن کے کیا بادِ بہاری اِن دنوں

سامنا رہتا ہے اشکِ سرخ و رنگِ زرد کا
آشنائی درد سے ہے ، غم سے یاری اِن دنوں

دوست دار اُس کا جو مجھ سا اُٹھ گیا دنیا سے ہے
بے کسی پھرتی ہے کیسی ماری ماری اِن دنوں

بسترِ غم پر پڑا رکھتی ہے مردے کی طرح
بے خودی ، بے طاقتی ، بے اختیاری اِن دنوں

یار آزردہ ہے **آتش** ، آسماں ہے برخلاف
کون سنتا ہے ہماری آہ و زاری ان دنوں

۵۵

سالک راہِ محبّت کو پس و پیش نہیں
مصلحت بیں نہیں میں ، عاقبت اندیش نہیں

مصحفِ رو کی تلاوت ہے نہایت مشکل
اس میں اے قاریو ! زیر و زبر و پیش نہیں

ناخنِ غم سے ترے ہجر میں اے رشکِ بہار !
دل نہیں وہ جو رخِ گل کی طرح ریش نہیں

خون کو مومن و کافر کے ہے جائز رکھتا
لیک اعمال ترا غمزۂ بدکیش نہیں

شہد کے واسطے زنبور نے کاٹا تو کھلا
نوش چاہے جو زمانے میں تو بے نیش نہیں

شہر میں پھرتے ہیں وہ سیلِ حوادث کی طرح
کون سا گھر ہے ، خرابی جسے درپیش نہیں

قید مذہب کی نہیں حسن پرستوں کے لیے
کافرِ عشق ہوں میں ، کوئی مرا کیش نہیں

عشق میں سرو سے قد کے ترے اے خسروِ حسن!
ذکرِ قمری سے مبّرا کوئی درویش نہیں

غیر کے ہاتھ نہ بیچیں گے ہم آئینۂ دل
یار جو چاہے سو دے ، قیدِ کم و بیش نہیں

نکہتِ گل ہی نہیں جامے سے اپنے باہر
کون دیوانہ وہ تیرا ہے جو بے خویش نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۳۱ ، نول کشور قدیم ص ۱۲۱ ، جدید ص ۱۹۲ -

خط نکلنے کی تمنا نہیں آتش کسو ترے
روے سادہ کا یہ عاشق ہے ، بد اندیش نہیں

٥٦

[1]رخِ انور دکھا کر خاک کا پیوند کرتے ہیں
حسیں ہونے سے طوفاں نوح[2] کے فرزند کرتے ہیں

وہ شاہِ حسن تو ہے ، گیسوے عنبر فشاں تیرے
ہُما کو اپنے سایے سے سعادت مند کرتے ہیں

ہمیں سے ہے جو نازِ حسن کو دیدار کا پردہ
نقاب اپنی اُلٹ دیجیے ، ہم آنکھیں بند کرتے ہیں

بمنّت اُس صنم سے کیوں نہ ہوں میں وصل کا سائل
دعا اللہ سے رو رو کے حاجت مند کرتے ہیں

کہوں کیونکر نہ اُن کو نور کے بکّے وہ رخسارے
اندھیرے میں اُجالا چاند سے دہ چند کرتے ہیں

ہمیشہ رہتی ہے اصلاح یاں رنگیں خیالوں کی
پھٹے کپڑے گل و لالہ کے ہم پیوند کرتے ہیں

ارادہ ہے گریباں پھاڑ کر لوں راہ صحرا کی
نصیحت سے مجھے دیوانہ دانش مند کرتے ہیں

کھڑے رہتے ہیں در پر اُن کے مشتاق اُن کی صورت کے
توجّہ سے دلِ درویش وہ خرسند کرتے ہیں

دلِ بے تاب کو عاشق کے رکھتے ہیں شکنجے میں
ستم اے کج کلہ ! تیری قبا کے بند کرتے ہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۳۲ ، نول کشور قدیم ص ۱۲۱ ، جدید ص ۱۹۳ -

تمھارے شربتِ دیدار کی لذت نہیں پاتے
ہزار آپس میں آمیزش گلاب و قند کرتے ہیں

کھلا بے یار[1] کے مضمونِ بستہ باندھ لینے سے
پسر کو غیر کے بھی لاولد فرزند کرتے ہیں

زباں سے جو کہ بے تصدیق کے کھائی نہیں جاتی
تصور اُس قسم کو ہم تری سوگند کرتے ہیں

بھروں گا پنبۂ مینا کو میں زنداں میں اے ساقی!
بہت واعظ مرے گوش آشنائے پند کرتے ہیں

محبت میں کمی آئی نہیں فضلِ الٰہی سے
نیاز اپنا وہی ہے، ناز وہ ہرچند کرتے ہیں

نہا کر معرکے میں آتش آبِ تیغِ قاتل سے
خدا چاہے تو پاک اس زندگی کا گند کرتے ہیں

۵۷

[2]دکھا کر آنکھ بے ہوشوں کو وہ ہشیار کرتے ہیں
ترش روئی سے اُن کی نشے مستوں کے اُترتے ہیں

گرفتاروں نے تیرے لطف اسیری میں اٹھایا ہے
چلے منقار قینچی کی طرح تو پر کترتے ہیں

---

۱ - بظاہر ناسخ پر چوٹ ہے - اس زمانے میں مشہور تھا کہ ناسخ خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے نہیں، لے پالک ہیں -

۲ - کلیات طبع علی بخش ص ۱۳۲، نول کشور قدیم ص ۱۲۲، جدید ص ۱۹۳ - دیوان اول 'ن' کی یہ آخری غزل ہے - اس کے بعد دیوان دوم کی ردیف 'ن' ہے -

لہو ہے گلہ گاہے اشک اپنے دیدۂ تر میں
کبھی پانی ، کبھی اس طشت میں ہم رنگ بھرتے ہیں
خیال آیا ہے شانے کا اُنھیں ، آئینہ دیکھا ہے
بلا نازل ہوئی ، بکھرے ہوئے گیسو سنورتے ہیں
حسینوں کا تکلّف اُن کی آرائش نہیں رکھتی
نظر آتی ہے میلی چاندنی ، جب وہ نکھرتے ہیں
تمھارے خطّ نورس کی طرح ہے جب کہ لہراتا
عجب رغبت سے آہو سبزۂ صحرا کو چرتے ہیں
لبِ جاں بخش کا بوسہ نہیں دیتے وہ عاشق کو
مسیحا ہیں ، مگر بیمار سے پرہیز کرتے ہیں
گہے سو جاتے ہیں ، گہ سنسناتے ، گاہ تھرّاتے
ترے کوچے میں پاے رہرواں کیا کیا پسرتے ہیں
بل اُن کی زلفِ پیچاں کی طرح کیا کھائے گا سنبل
وہ ایسے بد بلا بھتنے کی چوٹی کو کترتے ہیں
حیا و شرم آنکھیں سامنا کرنے نہیں دیتیں
لڑکپن ہے ابھی وہ صورتِ عاشق سے ڈرتے ہیں
خوش آبی ہو زیادہ تیری تیغِ تیز میں قاتل
سرِ احباب کیا کٹتے ہیں ، اس سے بوجھ اُترتے ہیں
ہمیشہ منہ کے اوپر مردنی سی چھائی رہتی ہے
نہیں زندوں میں ہم اُس دن سے تم پر جب سے مرتے ہیں
تصوّر سے ترے موجیں رہا کرتی ہیں لہروں میں
ہوا بھر کر ترے سر میں ، حبابِ بحر اُبھرتے ہیں
لگا کر عیب دونوں میں اُسے تم پھیر بھیجو گے
جو خط کش لو تو ہم قیمت کا دل کی نام دھرتے ہیں

کہاں تک پردہ اے آتش ! کہو اس لا اُبالی سے
محبّت کا تری ہم بھی دم اے محبوب ! بھرتے ہیں

۵۸

[1]رہا کرتا ہے درد اک رات دن بے یار پہلو میں
دلِ نالاں ہوا ہے خانۂ بیمار پہلو میں
تپِ ہجراں کی گرمی دور ہی سے پھونکے دیتی ہے
ٹھہر سکتا نہیں دم بھر کوئی غم خوار پہلو میں
کسی کروٹ سے نیند آئی نہ اس ابرو کے سودے میں
نہ رکھی میں نے جب تک کھینچ کر تلوار پہلو میں
عجب کیا ہے خطِ نورس کا گرد اس روے رنگیں کے
وہ گل ہے کون سا، رکھتا نہیں جو خار پہلو میں
شبِ مہتاب ہو، ہرچند شمعیں لاکھ روشن ہوں
اندھیرا ہے، نہ ہو جو چاند سا رخسار پہلو میں
کھڑا رہ کر جو میں حسرت سے دروازے کو تکتا ہوں
بٹھا [2] لیتی ہے قصرِ یار کی دیوار پہلو میں
دعائیں مانگ کر اللہ سے تجھ کو جگایا ہے
سُلادے یار کو اے طالعِ بیدار ! پہلو میں
قبائے یار کو دستی کے ٹکنے نے ہے چمکایا
جگہ طرے کو بھی دے لاہٹی دستار پہلو میں

---

۱ - کلیات (دیوان دوم) طبع علی بخش ص ۲۶۳، نول کشور قدیم ص ۲۳۹، جدید ص ۳۷۸ - سراپا سخن ص ۲۴۲ چھ شعر -
۲ - طبع علی بخش: "لبھا لیتی"

بھلا دیں شاخِ گل پر چہچہوں کو تیرے اے بلبل !
ہمارے بھی جو ہو وہ غیرتِ گلزار پہلو میں

پری سی شکل انھوں نے آئنے میں جب سے دیکھی ہے
لگائے رکھتے ہیں دیوانے بھی دوچار پہلو میں

اڑا دیتا ہے نے تابیِ دل سے تکیۂ پہلو
فراقِ یار بن بیٹھا ہے کیا مختار پہلو میں

۵۹

بازیِ عشق جز اندوہ و غم و رنج نہیں
کھیل لے ہر کوئی جس کو، یہ وہ شطرنج نہیں

پھیر کر منہ کو دکھاتے ہیں وہ زلفیں، یعنی
سانپ پالو تو ہیں موجود، مگر گنج نہیں

ہاتھ ملتا ہوں جو میں دیکھ کے سینے کا ابھار
کہتے ہیں توڑیے جن کو یہ وہ نارنج نہیں

تم خفا ہم سے ہو، ہم تم سے نہیں آزردہ
ہم سے ہے رنج تمھیں، تم سے ہمیں رنج نہیں

دل سے آتی ہے محبّت کے جولے میں یہ صدا
جان پر کھیلنے والوں کو شش و پنج نہیں

غزلِ خواجہ ہے مطلب کو پہنچ اے آتش !
نالۂ بے اثرِ مرغ نواسنج نہیں

---

۱ - کلیات (دیوان دوم) طبع علی بخش ص ۲۶۳ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۰ ، جدید ص ۳۷۹ -

۶۰

[1]باہر نہ پائنچے سے ہوں اُس گل بدن کے پاؤں
پھیریں چھری نہ پنجۂ قصّاب بن کے پاؤں

ہستی سے جاؤں بے سر و پا جانبِ عدم
اندر کفن کے سر ہو، نہ اندر کفن کے پاؤں

یک سالہ راہ سے ہے چلی آئی باغ میں
شبنم دھلا رہی ہے بہارِ چمن کے پاؤں

بے اختیار ضعفِ تپِ ہجر سے ہوں میں
کہنے میں ہاتھ ہیں، نہ تو مجھ خستہ تن کے پاؤں

کوشش سے راہِ عشق کی باز آئیں گے نہ ہم
ہر چند سوج کے ہوں لاکھ من کے پاؤں

جوشِ جنوں میں پھٹ کے نہ رہ جاتا ساتھ سے
ہوتے مری طرح جو مرے پیرہن کے پاؤں

سارا یہ شعبدہ ہے ترا اے حنائے یار!
مرجاں کے ہاتھ ہیں، نہ عقیقِ یمن کے پاؤں

حاصل ہو لطفِ رقص بھی ہر چوکڑی کے ساتھ
سونے کے گھونگھروؤں کے ہیں قابل ہرن کے پاؤں

کوئی جو پوچھتا ہو کہ کیا حال ہے ترا
خلوت میں چلیے پوجیے اس انجمن کے پاؤں

صحرا میں خاک چھانتا پھرتا ہوں ہر طرف
چھلنی ہوئے ہیں خارِ مغیلاں سے چھن کے پاؤں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۳، نول کشور قدیم ص ۲۴۰، جدید ص ۳۷۹، سراپا سخن ص ۳۴۷ گیارہ شعر

مرجع کو اپنے کس کی نہیں ہوتی باز گشت
غربت سے جب پھرے تو ہیں اندر وطن کے پاؤں
پھر جائے سوے کعبہ جو منہ اس گناہ پر
کونچوں سے کاٹتا ہے وہ بت برہمن کے پاؤں
دنیا کو تھوکتے نہیں مردانِ راہِ عشق
نامرد رکھیں آنکھوں پہ اس پیر زن کے پاؤں
آتش زمینِ شعر ہو ہر چند سنگلاخ
لغزش سے آشنا نہیں اہلِ سخن کے پاؤں

۶۱

[1]آرزو ہے تجھے سجدے سحر و شام کریں
ہمہ تن ہو کے زباں ورد ترا نام کریں
میرے ماتم میں نہ کپڑے وہ سیہ فام کریں
خود بھی رسوا نہ ہوں، مجھ کو بھی نہ بدنام کریں
گریۂ شادیِ مینا سے ہے ظاہر ہوتا
حال پر صوفیوں کے خندہ زنی جام کریں
کوچۂ یار کا ہیں پاؤں ارادہ رکھتے
کعبۃ اللہ کے چلنے کا سر انجام کریں
منہ پسارے ہوئے ہیں ہم بھی، مزہ چکھنے کو
پختگی تو کہیں پیدا ثمرِ خام کریں
مست رکھتی ہے تری گردشِ چشم اے ساقی!
وہ نہیں ہم کہ جو تجھ سے طلبِ جام کریں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۴، نول کشور قدیم ص ۲۴۰، جدید ۳۸۰ "مجھے سجدے"۔ چمن بے نظیر ص ۱۶۰ -

رخِ روشن میں ہے خورشیدِ قیامت کی چمک
حشر برپا ہو وہ دیدار اَگر عام کریں
[1]دل میں جز یادِ خدا کفر بتوں کا ہے خیال
خلوتِ خاص کو کیا بارگہِ عام کیا
یک طرح حسنِ رخ و زلف جنھیں تو دکھلائے
نشّۂ عشق سے مستی سحر و شام کریں
شب کو جاتا ہوں تو منہ پھیر کے وہ کہتے ہیں
نیند آتی ہے ہمیں ، آپ بھی آرام کریں
بیٹھ کر گوشۂ عزلت میں نہ بول اتنا جھوٹ
قصّہ پھٹ پڑنے کا آتش نہ در و بام کریں

٦٢

[2]عیدِ نو روز ہے ، عشرت کا سرانجام کریں
شیشے لبریزِ مئے ہوش ربا جام کریں
باغباں خیر چمن کا بھی کوئی کام کریں
سرو قمری کو ، عنادل کو گل انعام کریں
مہر کن دیکھ کے کہتے ہیں تجھے اے محبوب!
وہ نگینے ہیں کہ پیدا جو ترا نام کریں
ہم فقیروں کو ہے دیوار کا سایہ کافی
خوش رہیں وہ جو کہ خس خانے میں آرام کریں

---

۱ - چمن بے نظیر میں مصرع یوں درج ہے :
دل میں کچھ تھا کفر بتوں کا ہی خیال -

۲ - کلیات علی بخش ص ۳٦۳ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۱ ، جدید ص ۲۸۰ -

گاہ بے گاہ تو دیدار کے بھوکے بھی ہوں سیر
کوئی تو راہِ خدا کا بھی یہ بت کام کریں

بے وفا ہوتی ہے معشوق کی ذات اے محبوب!
چاہ کر تجھ سے وفا، کیا طمعِ خام کریں

شربتِ وصل میسر ہو، شفا حاصل ہو
تپِ ہجراں سے جو صحّت ہو تو حمّام کریں

دوپہر گرمیوں کی لطف سے گزرے، گر آپ
ساتھ لے کر ہمیں خس خانے میں آرام کریں

نرگسِ یار! وہ آشوبِ زمانہ تُو ہے
آنکھ پھوٹے جو ترا سامنا بادام کریں

دل کو پھندے میں نہ اُن گیسوؤں کے پھنسنا تھا
جس قدر چاہیں وہ اب کشمکشِ دام کریں

کیونکر اُن گیسوؤں سے جان بچے جو اے دل!
جھٹکے زنجیر کے دیں، کشمکشِ دام کریں

یہی اے کعبۂ مقصود! تمنّا ہے ہمیں
سجدۂ شکر تری راہ میں ہر گام کریں

حسن نے چودھویں کے چاند سی صورت دی ہے
کیا تماشا ہو جو وہ سیر لبِ بام کریں

غیرت آتی ہے ہمیں بوسے کا سائل ہوتے
حرکتِ یار سے کیا قابلِ دشنام کریں

کششِ دل عملِ حب کا اثر رکھتی ہے
چاہیے خود وہ ملاقات کا پیغام کریں

ہم تو کہتے ہیں وہ ہوگا جو خدا نے چاہا
وہ بھی سنتے ہیں منجّم جو کچھ احکام کریں

آتش آغازِ محبّت کا ہو انجام بخیر
خاک پر تیری قدم رنجہ گل اندام کریں

۶۳

[1]خورشیدِ حشر سے ہے سینے کا داغ روشن
اندھیر ہے جو کہیے اس کو چراغ روشن

دن کو تو سیرِ گلشن کرتے ہو فصلِ گل میں
شب باش بھی جو ہو تو ہو جائے باغ روشن

بلبل ہزارہا ہیں ، جب تک بہارِ گل ہے
پروانے بھی ہیں حاضر ، تا ہے چراغ روشن

پروانے بن کے مضمون آتے ہیں عرش پر سے
رہتی ہے شمعِ فکرِ عالی دماغ روشن

اے سوزِ عشق! تجھ سے اتنی ہی التجا ہے
دے مجھ کو داغِ دستِ موسیٰ سے داغ روشن

کوے حبیب میں ہے چلتی ہواے جنّت
مردے ہیں زندہ ہوتے ، کُشتے چراغ روشن

طرزِ نگہ ہمیشہ دکھلائیں سوجھ سے
شیشے مدام رکھیں چشمِ ایاغ روشن

مرنے سے اپنے پہلے جو مرگئے ہیں آں کو
قیدِ حیات میں ہے حالِ فراغ روشن

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۴ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۱ ،
جدید ص ۳۸۱ -

آتش کے استخواں کو کھایا تو دیکھ لینا
مشعل کی طرح ہوگی منقارِ زاغ روشن

۶۴

ابہارِ لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں پھاڑ کر چل بیٹھیے صحرا کے دامن میں
چلے تو سیر کو ہیں آپ مستی مل کے گلشن میں
اشارے کیسے کیسے ہوں گے نافرمان و سوسن میں
خزاں میں بلبلوں سے رکھیے بحثِ نالہ گلشن میں
شراکت کیجیے ماتم زدوں کی چل کے شیون میں
لگائی آگ بجلی کی چمک سے خانۂ تن میں
برستا مینہ نہیں بے یار، خاک اُڑتی ہے ساون میں
یہ سودائے شہادت ہے ہمارے سر کو اے قاتل!
تری تلوار کا دم بھرتی ہے رگ ہے جو گردن میں
سنا ہے عاشقوں سے برق وش بھی نام جو اپنا
تماشا دیکھتے ہیں وہ لگا کر آگ خرمن میں
زبان و چشم کا اُس گل کے دھوکا کھا چکے عاشق
نہ بینائی ہے نرگس میں، نہ گویائی ہے سوسن میں
نہیں روزن جو قصرِ یار میں پروا نہیں ہم کو
نگاہِ شوخ رخنہ کرتی ہے دیوارِ آہن میں
طریقِ عشق میں آتش قدم مجھ سا نہ گزرے گا
گریباں میں بجھی ہے جب لگی ہے آگ دامن میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۶ ، نول کشور قدیم ص ۲۴۲ ، جدید ص ۳۸۲ ، چمن بے نظیر ص ۱۵۴ -

پلاتا ہے نہیں ہوں دوستی سے اس ستم گر کو
چھری دیتا ہوں اپنے ذبح کو میں دستِ دشمن میں
پریشاں عاشقوں کی خاک کے ذرے تو ہیں دیکھیں
کبھی گلشن سے صحرا میں ، کبھی صحرا سے گلشن میں
عذابِ گور کا واں سامنا ، یاں رنج دنیا کا
نہ گھر میں چین زندوں کو نہ مردوں کو ہے مدفن میں
ملا کرتے ہیں آنکھیں اپنی دیوانے رکابوں سے
پری کی شوخیاں ہیں اس پری پیکر کے توسن میں
کھلا زلفوں کے لہرانے سے اس رخسارِ رنگیں پر
زرِ گل کی نگہبانی کو دو کالے ہیں گلشن میں
گوارا ناگوارا بھی ہو بدگردیِ دوراں سے
آبالی پر قناعت کرتے ہیں سب قحطِ روغن میں
شریفِ کعبہ کو کعبہ مبارک ، ہم تو اے آتش !
بتوں کے گھورنے کو جاتے ہیں دیرِ برہمن میں

۶۵

موسمِ گل ہے ، جنوں ہے شور و شر پر اِن دنوں
جن چڑھا رہتا ہے دیوانوں کے سر پر اِن دنوں
روے روشن یار کا پیشِ نظر ہے روز و شب
آنکھ کس کی پڑتی ہے شمس و قمر پر اِن دنوں
بوسۂ لب ہاے شیریں کا ہے دل کو اشتیاق
رال ٹپکی پڑتی ہے شہد و شکر پر ان دنوں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۵ ، نول کشور قدیم ص ۱۳۱ ، جدید ص ۳۸۱ -

پہلوؤں میں درد رہتا ہے فراقِ یار سے
گاہ دل پر ہاتھ ہے ، گاہے جگر پر اِن دنوں
بادشاہِ وقت ہے حسنِ جوانی نے کیا
لال پردہ ہے لٹکتا اُن کے در پر اِن دنوں
دیکھتے ہیں ہنس کے دانتوں کی چمک وہ آج کل
کوندتی بجلی نہیں کس کس کے گھر پر اِن دنوں
رخ سے پہلے کارِ عاشق کرتے ہیں گیسوے یار
شام کا قصّہ نہیں رہتا سحر پر اِن دنوں
بانس لگواتا ہے اکثر جا کے وہ بالا بلند
سرو و شمشاد و صنوبر کے شجر پر اِن دنوں
سُرخ کندن سے ہے رکھتا نشۂ مے رنگِ یار
زر طلب مر جاتے ہیں اس سیم‌بر پر اِن دنوں
عشقِ دنداں نے نہایت کر دیا ہے ناتواں
دوڑتی نیّت ہے معجونِ گُہر پر اِن دنوں
کوٹ کر ہی زور سودائے پری نے بھر دیا
دیو بھی چڑھتا نہیں اپنی نظر پر اِن دنوں
متّصل عاشق روانہ ہوتے ہیں سوے عدم
ہاتھ رکھے پھرتے ہیں وہ بھی کمر پر اِن دنوں
کون اُس محبوب کو لکھتا نہیں حالاتِ شوق
مار رہتی ہے خطوں کی نامہ بر پر اِن دنوں
موم آہن کرتے تھے یا دل پگھل سکتا نہیں
آہ کیا پتّھر پڑے تیرے اثر پر اِن دنوں
کون فصلِ گل میں اے آتش ! نہیں پیتا شراب
بھیڑ سی ہے بھیڑ مے خانے کے در پر اِن دنوں

۶۶

اتیغِ قاتل کے کھلیں دیکھیے جوہر کس دن
یہ ہما سایہ فگن ہو مرے سر پر کس دن
غمزے کرتا نہیں بے جا وہ ستم گر کس دن
ناز ہوتے نہیں، انداز سے باہر کس دن
پیچ دیتی نہیں وہ زلفِ معنبر کس دن
گردشِ چشم سے آتے نہیں چکّر کس دن؟
یاد آتی نہیں وہ قندِ مکرر کس دن
ہونٹھ چبّراتی نہیں حسرتِ شکّر کس دن
پرزے خط کے نہیں کرتا وہ ستم گر کس دن
کتّی بنتے نہیں نامے کے کبوتر کس دن
خوانِ نعماتِ جنوں کا ہوں میں مہمانِ عزیز
دستِ اطفال سے کھاتا نہیں پتّھر کس دن
بحرِ الفت کی بھی اللہ ری طوفاں خیزی
ڈوب مرتے نہیں دو چار شناور کس دن
مرگِ عاشق سے ہوا کون سے معشوق کو رنج
قبرِ بلبل پہ پڑی پھولوں کی چادر کس دن
گالیاں دیں بتِ بے دیں تو عجب کیا اس کا
نہیں ہوتے ہیں شرر سنگ سے باہر کس دن
کیوں نہ عاشق رہے مشتاقِ پیامِ معشوق
نہ رہے منتظرِ وحی پیمبر کس دن
صور پھونکا نہ مرے نالۂ شبگیر نے کب؟
چونک چونک اٹھتے نہیں فتنۂ محشر کس دن

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲۶۶، کلیات آتش طبع نول کشور ندارد

لا مکاں یار کو لکھتا ہوں خطِ شوقیہ
نہیں رہتے ہیں تباہی میں کبوتر کس دن
کیوں نہ بوسے لب شیریں کے بہت سے میں لوں
سیر ہو کر نہیں چکھتے ہیں قلندر کس دن
واعظا ! دیکھ تو رندانِ خرابات کا ظرف
کی کسی مست نے ھُو حق سرِ منبر کس دن
آگ پر کب نہیں بُھنتے ہیں کلیجی کے کباب
داغِ دل کرتی نہیں گرمیِ اخگر کس دن
عشق کی اپنے سوا کب نہ قسم لی مجھ سے
ہاتھ رکھوایا نہیں یار نے سر پر کس دن
میں ہی خود اس کا خریدار نہیں ہوتا ہوں
بکنے آتا نہیں یوسف مرے در پر کس دن
کب اشارہ نہیں ان آنکھوں سے مژگاں کرتیں
باڑھ دیتے نہیں ُترکوں کو یہ خنجر کس دن
بوسۂ لب نہ ملیں حیف ہمیں پیری میں
نہ ہوئی شیر سے آمیزشِ شکّر کس دن ؟

۶۷

ادا و ناز نہیں جس میں ، خوش جمال نہیں
ہوئی جو چاند سی صورت تو کچھ کمال نہیں
صفا میں سینۂ عارف سے کم وہ گال نہیں
جو خال ہے وہ سویدائے دل ہے ، خال نہیں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ۲۶۷ ، طبع نول کشور ندارد -

فروغِ عشق کو پیری میں بھی زوال نہیں
بجھایا دن کو بھی جاتا چراغِ مال نہیں
کسی کے کہنے کے قابل تمھارا حال نہیں
سکوت کا ہے محل ، جائے قیل و قال نہیں
خدا بچائے نظر سے سیاہ چشموں کے
فریب دینے کو یہ غول ہیں ، غزال نہیں
تمھارے دیکھنے والوں کی آنکھ جھپکا دے
یہ برقِ طور پہ بھی ہم کو احتمال نہیں
نہ چھیڑ گوہرِ گوشِ حبیب کو اے زلف !
یتیم طفل سزاوارِ گوشمال نہیں
دکھائی دے گی نہ باریک بینیوں سے کبھی
کمر ہے یار کی ، اے شاعرو ! یہ بال نہیں
تمھاری تیغ کے زخموں کے ماسوا کوئی
بہادروں کے جو منہ پر چڑھے ، مجال نہیں
اشارہ ہے یہی ان کالی کالی آنکھوں کا
شکارِ شیر نہ کھیلیں تو ہم غزال نہیں
مرادمند سے بوسے کی یہ وہ کہتے ہیں
ہمارا مصحفِ رخسار بہرِ فال نہیں
کہاں ہوئی ابھی معراج خاکساری کی
ہنوز کاسۂ سر اپنا پائمال نہیں
زمانہ عاشق و معشوق سے نہیں خالی
گلوں کا قحط نہیں ، بلبلوں کا کال نہیں
جو چاہے بیچ لے چھپوا کے اپنے دیوان کو
ہمارے پاس سوا اس کے اور مال نہیں

ہٹا کے زلف کو بوسہ رخِ حبیب کا لوں
نگاہبان ہے ، گنج اژدہے کا مال نہیں
تلاشِ کنج میں جیسا خراب و خستہ ہوں
خرابہ بھی کوئی ایسا خراب حال نہیں

۶۸

ارہ نہ اے مانی ! شبیہِ یار کی تدبیر میں
قدرتِ اللہ دیکھ اس بولتی تصویر میں
اے حسینو ! کیا ہو میرے قتل کی تدبیر میں
چک کمر میں آئے گی ، بال آئے گا شمشیر میں
بزدلِ اغیار کب ٹھہرے مری تقریر میں
شیر کا ناخن ہے جو جوہر ہے ، اس شمشیر میں
طوق میں گردن ہے، میرے پاؤں ہیں زنجیر میں
دو علاقے ہیں یہ مجھ دیوانے کی جاگیر میں
سبزۂ نورس نہیں روے صبیحِ یار پر
مار گیسو کا یہ زہر آگلا ہوا ہے شیر میں
ابروؤں سے جانبِ مژگاں اشارہ کیجیے
زورِ بازوے کماں ہے صرف ہوتا تیر میں
نفسِ سرکش کو کیا ہے خاکساری سے مطیع
اے پری خوانو ! یہ دیو ہے اپنی بھی تسخیر میں
عاشقوں کی مرغِ جاں کا یار کھیلے گا شکار
چلہ چڑھتا ہے کماں پر ، پر ہیں لگتے تیر میں

---

۱ - کلیات طبع علی بخش ص ۲٦۷ ، نول کشور ندارد -

ہنس پڑے تم دیکھ کر جو عاشقوں کا رنگِ زرد
زعفراں کے کھیت پر بجلی گری کشمیر میں

دوسرا مجھ سا نہیں دنیا میں دیوانہ فقیر
گوشہ گیری بھی جو کی تو خانۂ زنجیر میں

سینہ مقناطیس کا دیتا خدا عشّاق کو
آہنی پیکاں جو ہوتا اس نگہ کے تیر میں

۶۹

[۱]دیدنی عالمِ ایجاد میں تعمیر ہوں میں
آئنہ خانۂ محبوب کی تصویر ہوں میں

چشمِ کم سے نہیں لازم ہے مرا نـظّارہ
زنگِ آئینہ نہیں، جوہرِ شمشیر ہوں میں

کوئی بے درد سمجھتا نہیں میرے دل کی
مثلِ نے گرچہ سراپا لبِ تقریر ہوں میں

تا کجا سر کو جھکائے رہوں، جلد آ قاتل !
دیر سے منتظرِ نعرۂ تکبیر ہوں میں

نازمعشوق اسے کہتے ہیں کہ یوسف نے کبھی
نہ زلیخا سے کہا خواب کی تعبیر ہوں میں

کیوں نہ لوٹیں مری آغوش میں یہ طفل سرشک
آتش ان کے لیے بازیچۂ تقدیر ہوں میں

---

۱ - چونکہ یہ اشعار مصحفی نے "ریاض الفصحا" ص ۸ پر لکھے ہیں اس لیے انھیں آتش کی جوانی کا سرمایہ سمجھنا چاہیے - کلیات کے زیر نظر ایڈیشنوں میں یہ اشعار موجود نہیں ہیں -
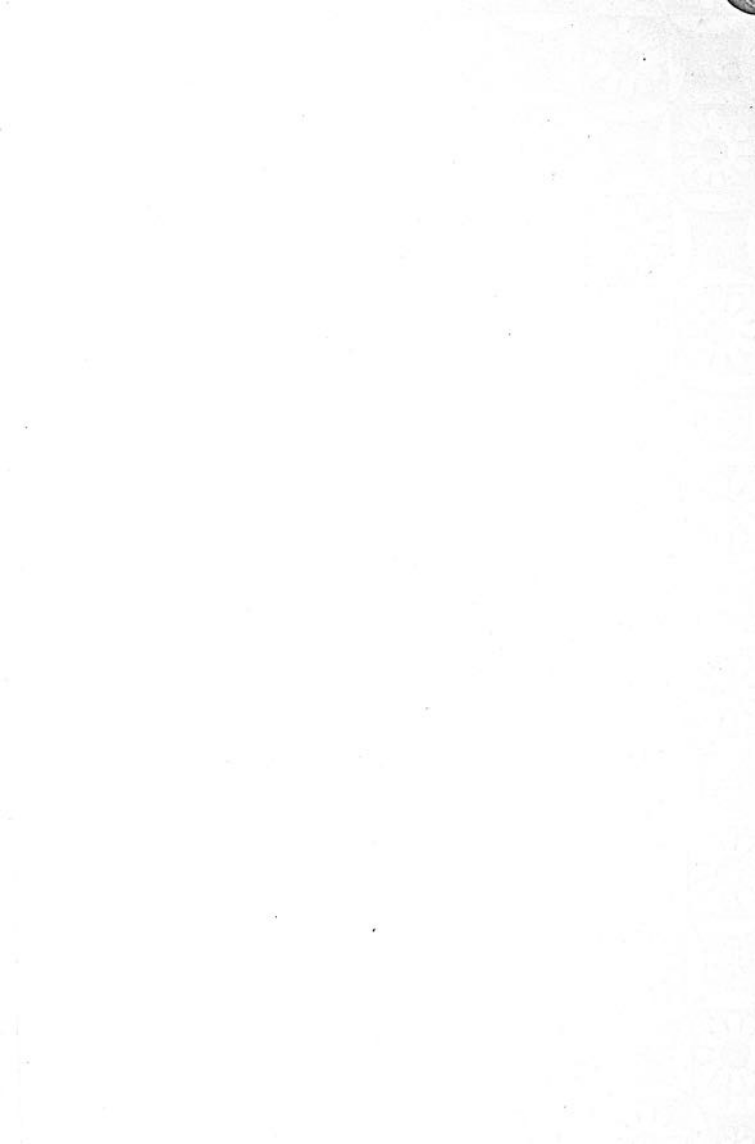
کلیات آتش کا زیرِ نظر ایڈیشن آتش کے دیوانِ اول اور دیوانِ دوم پر مبنی ہے ۔ اس میں دیوان اول و دوم کی ترتیب ختم کرکے ہر ردیف میں تمام متعلقہ غزلیں یکجا کر دی گئی ہیں اور حاشیے میں حوالہ دے دیا گیا ہے ۔ متعدد مآخذ سے مقابلہ کرکے ہر شعر کی تصحیح کی گئی ہے ۔ اس جلد میں ردیف نون تک کی غزلیں شامل کی گئی ہیں ، بقیہ کلام جلد دوم میں شائع ہوگا ۔